روحانی حکایات

مصنف

شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی پاکستان

روحانی حکایات

مصنف

شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور ۔ کراچی پاکستان

نام کتاب	روحانی حکایات
مصنف	شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ
تاریخ اشاعت	دسمبر 2004ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1Z296
قیمت	-/96روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون:7221953 فیکس:۔042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون:7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:021-2630411-221201۔ فیکس:۔021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

zquran@brain.net.pk

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست مضامین (حصہ اول)

فہرست مضامین (حصہ دوم)

حمد باری تعالیٰ

اے مرے معبود حق! اے کردگار
سارے عالم کا تو ہے پروردگار

فضل سے تیرے ہی اے رب کریم
گلشن ہستی کی ہے ساری بہار

کردیا مجھ کو غلام مصطفیٰ
ہوگیا میں دوجہاں کا تاجدار

بخش دے یا رب خطائیں سب مری
تو ہے غفار، اور میں عصیاں شعار

تیری رحمت پر بھروسہ ہے مجھے
فضل کا تیرے ہوں میں امیدوار

خاکِ پائے مصطفیٰ ہے اعظمی
حشر میں یا رب نہ ہو یہ شرمسار

نعت شریف

سرورِ عالم، نبی الانبیاء میرے رسول
اولین و آخرین کے پیشوا میرے رسول

صدرِ بزمِ انبیاء مولائے کل فخرِ رسل
محرمِ اسرارِ حق، شانِ خدا میرے رسول

مہبطِ لولاک، سیارِ فلک، عرش آستاں
صاحبِ معراج و مصداقِ اوفیٰ میرے رسول

منصبِ شانِ رسالت میں لقب ختمِ رسل
منزلِ محبوبیت ہیں مصطفیٰ میرے رسول

اعظمی مومن ہوں، رب العالمین میرے خدا
رحمتہ للعالمین صلِ علیٰ میرے رسول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

تعارف

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواہاں، ایں قصہ پارینہ را

قارئین کرام! امت مسلمہ کے لئے یہ ایک بہت بڑا سانحہ المیہ ہے کہ کچھ تو دور حاضر کے مولویوں کی کوتاہیوں اور کچھ دشمنان اسلام کے غلط پروپیگنڈہ کے باعث علماء امت کا وقار، عامۃ المسلمین کی نگاہوں سے برابر گرتا چلا جارہا ہے۔ حد ہوگئی کہ مسلم عوام مصنوعی درویشوں، جاہل باباؤں اور بے شرع فقیروں کی طرف راغب و مائل ہو کر ان کے مرید و معتقد بن رہے ہیں اور اپنے حقیقی رہنماؤں یعنی "علماء حق" سے متنفر و برگشتہ ہوتے چلے جارہے ہیں۔ یہاں تک کہ عوام کا ایک بہت بڑا گروہ اس گمراہ کن غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا ہے کہ طبقہ علماء میں کوئی باکمال ولی اور صاحب کرامت ہوا ہی نہیں۔ حالانکہ تاریخ اسلام کے صفحات گواہ ہیں کہ طبقہ علماء یعنی فقہاء و محدثین میں ایسے ایسے باکمال اولیاء اور صاحبانِ کرامت بزرگ ہوئے ہیں۔ جو اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں کی بدولت شریعت و طریقت کی روشنیوں کا منارہ بن کر ساری دنیا کو رشد و ہدایت سے پرنور کرتے اور آسمانِ ولایت میں ستاروں کی طرح چمکتے رہے ہیں۔

مگر افسوس کہ نہ تو اردو کے مصنفین ہی نے آسمانِ امت کے ان روشن ستاروں کی چمک دمک سے دنیائے اسلام کو روشن کیا۔ نہ ہی ہمارے واعظین و مقررین ہی نے اپنی مجالس میں ان باکمالوں کے نورانی درشن سے مسلم عوام کو متعارف کرایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج اسلامی دنیا کشتی اسلام کے ان ناخداؤں کے کمالات و کرامات تو کجا؟ ان کے ناموں تک سے بھی واقف نہیں۔ اب تو یہ مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے کہ عوام آج کے مولویوں پر قیاس کر کے "علمائے سلف" پر بھی زبان طعن دراز کرنے لگے ہیں۔

اس خوفناک ماحول اور ذہنی انقلاب کے محشر میں دینی درد رکھنے والے اہل زبان اور اہل قلم پر ایک بہت بڑی اور نہایت اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کہ وہ پوری جد و جہد کے ساتھ "علماء سلف" کے اسلامی کارناموں کے شاندار نقوش کو اپنی زبان و قلم سے اجاگر کر کے عوام کے ذہنوں

میں ایک ایسا روحانی انقلاب پیدا کریں کہ وہ پھر اپنے حقیقی رہنماؤں یعنی "علماء حق" کی بے پناہ عظمتوں کا احساس واعتراف کر کے ان کے نقش قدم پر چلنے لگیں اور پھر ملت اسلامیہ کا پرچم عظمت فضائے آسمانی پر لہرانے لگے۔

چنانچہ 1358ھ میں انہیں جذبات سے متاثر ہو کر میں نے اپنی کتاب "اولیاء رجال الحدیث" لکھی۔ جن میں دوسو باکرامت فقہاء و محدثین کی ولایتوں کا تذکرہ اور ان بزرگوں کی عظمتوں کا چرچا کیا اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ میری کتاب اہلِ علم طبقہ میں بے حد مقبول ہوئی چونکہ وہ کتاب "اسماء الرجال" کی طرز پر لکھی گئی تھی۔ اس لئے مسلم عوام اس کے مطالعہ کی طرف کم مائل ہوئے لہٰذا بعض مخلص احباب نے مجھے یہ مشورہ دیا کہ اب میں فقہاء و محدثین کے علمی و عملی کمال اور ان کے معارف واحوال کو "حکایات" کی صورت میں پیش کروں اور حکایتوں پر اپنے کچھ تاثرات و تبصرے بھی تحریر کردوں تاکہ علماء و عوام دونوں طبقوں میں اس کتاب کے مطالعہ کی کشش اور رغبت پیدا ہو جائے اور دونوں گروہ اس کی افادیت کی دولت سے مالا مال ہوں! چنانچہ علماء حق کے مدارج علمیات و اخلاقیات و کرامات و تفریحات کے چند شاہکاروں کو جمع کر کے مختلف عنوانوں سے ایک سو پچاس عبرت خیز ورقت انگیز حکایتوں کا یہ مجموعہ ولولہ انگیز و دلچسپ تبصروں کے ساتھ "روحانی حکایات" کے نام سے ہدیہ ناظرین کرتے ہوئے یہ پیغام عرض کرتا ہوں: ؎

چوں سرمہ رازی را از دیدہ فروشستم
تقدیر اُمم دیدم پنہاں بہ "کتاب" اندر

اور

دعا گو ہوں کہ خداوند قدوس اپنے فضل وکرم سے ان بزرگان ملت کے طفیل میں میری اس تالیف کو قبول فرما کر مقبولِ خلائق فرمائے اور میرے لئے ذریعہ مغفرت وسامانِ آخرت بنائے۔

وما ذالك على الله بعزيز وهو حسبى ونعم الوكيل وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد واله واصحابه اجمعين.

عبدالمصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ

شب 27 / رمضان 1390ھ امجد آباد

علمیات

علم ہی جب نہیں تم میں تو عمل کیا ہو گا
جس خیابان میں شجر ہی نہیں پھل کیا ہو گا

فرشتوں کی بولی

حافظ الحدیث عامر بن شرجیل متوفی 109ھ جو امام شعبی رحمتہ اللہ علیہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ بہت ہی عظیم الشان تابعی محدث ہیں۔ ان کی علمی جلالت اور عظمت شان کے لئے یہی کافی ہے کہ امام زہری رحمتہ اللہ علیہ ببانگ دہل فرمایا کرتے تھے کہ عالم حدیث کہلانے کے مستحق صرف چار ہی شخص ہیں۔ امام شعبی رحمتہ اللہ علیہ کوفہ میں، حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ بصرہ میں، سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ مدینہ میں، مکحول رحمتہ اللہ علیہ شام میں۔

امام شعبی رحمتہ اللہ علیہ اپنی عظمت اور عالمانہ وجاہت کے باوجود بہت ہی متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا تو آپ نے جواب میں لَاۤ اَعْلَمُ فرمایا۔ یعنی میں "نہیں جانتا" سائل نے طیش میں آکر کہا کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ فقیہ عراق ہو کر کہتے ہو کہ "میں نہیں جانتا۔"

آپ نے نہایت متانت سے فرمایا کہ میں ایسی بات کہنے سے کیوں شرم کروں گا جس بات کے کہنے سے فرشتے بھی نہیں شرمائے۔

کیا تمہیں معلوم نہیں؟ کہ جب باری تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ یعنی تم سب ان چیزوں کے نام بتاؤ؟ تو فرشتوں نے بھی تو یہی کہا لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا یعنی ہم نہیں جانتے بجز ان چیزوں کے جن کا علم تو نے ہمیں دیا ہے۔ سائل آپ کے

جواب سے شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا۔ (روح البیان ج2 ص91)

نتیجہ:۔ عالم کو چاہئے کہ اسے جس مسئلہ کا علم نہ ہو بلا جھجک اس کے بارے میں یہ کہہ دے کہ "مجھے معلوم نہیں"۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دیتا ہے اس پر زمین و آسمان کے تمام فرشتے لعنت کرتے ہیں اور سلف صالحین کا بھی یہی طریقہ ہے۔ چنانچہ ہیثم بن جمیل کا بیان ہے کہ میں امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر تھا۔ لوگوں نے آپ سے اس مجلس میں اڑتالیس مسائل دریافت کئے تو آپ نے بتیس سوالوں کے جواب میں یہی فرمایا کہ "لَا اَعْلَمُ" یعنی "میں نہیں جانتا" (مستطرف ص30) سبحان اللہ!

سچ ہے: ؎

موج دریا سے یہ کہتا ہے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

بڑے بول کا انجام

حضرت قتادہ بن دعامہ رحمتہ اللہ علیہ مادر زاد نابینا تھے مگر آپ کا سینہ علوم اسلامیہ کا خزینہ تھا۔ نہایت ہی بلند پایہ عالم اور جامع العلوم علامہ تھے بالخصوص علم حدیث اور تفسیر میں تو اپنا مثل نہیں رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ کوفہ تشریف لائے تو ان کی زیارت کے لئے عوام و خواص کا اژدہام عظیم جمع ہو گیا۔ آپ نے اس عظیم الشان مجمع کو خطاب کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:

"سَلُوْا عَمَّا شِئْتُمْ" (یعنی) مجھ سے جو چاہو پوچھ لو۔

حاضرین پر آپ کی علمی جلالت کا ایسا سکہ بیٹھا ہوا تھا اور لوگ آپ کی عظمت سے اس قدر مرعوب تھے کہ سب دم بخود ساکت و خاموش بیٹھے رہے مگر جب آپ نے بار بار للکارا تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ جو ابھی کمسن تھے خود تو کمال ادب سے کچھ عرض نہ کر سکے مگر لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ ان سے یہ پوچھئے کہ "وادیٔ نمل میں جس چیونٹی کی تقریر سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام مسکرا کر ہنس پڑے تھے۔" وہ چیونٹی نر تھی یا مادہ؟

چنانچہ جب لوگوں نے یہ سوال کیا تو حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ ایسے سٹ پٹائے کہ بالکل لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے۔ پھر لوگوں نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کا ثبوت؟ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس کا

ثبوت یہ ہے کہ قرآن مجید میں چیونٹی کے لئے وَقَالَتْ نَمْلَةٌ مؤنث کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے۔ اگر یہ چیونٹی نر ہوتی تو وَقَالَ نَمْلَةٌ مذکر کا صیغہ ذکر کیا گیا ہوتا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس دلیل کو تسلیم کرلیا اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دانائی اور قرآن فہمی پر حیران رہ گئے اور اپنے "بڑے بول" پر نادم ہوئے۔ (روح البیان ج6 ص333)

نتیجہ :۔ دولت علم ہو یا زر و جواہر کی دولت غرض کسی کمالِ نعمت پر دوسروں کو اپنے سے کم سمجھ کر "بڑا بول" ہرگز کبھی نہیں بولنا چاہئے بلکہ خداوند قدوس کے فرمان پر ایمان رکھنا چاہئے کہ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿ (یعنی ہر علم والے سے بڑھ کر علم والا ہے) اور فَضَّلَ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴿ (یعنی خداوند عالم نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے) اس کو نظر میں رکھ کر یہ دھیان رکھنا چاہئے کہ خداوند عالم نے مجھ سے کہیں زیادہ بڑے بڑے باکمالوں کو پیدا فرمایا۔ بڑے بول کا انجام ذلت و ندامت کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

حباب بحر کو دیکھو کہ کیسا سر اٹھاتا ہے
تکبر وہ بری شے ہے کہ فوراً ٹوٹ جاتا ہے

قرآن اور علم طب

خلیفہ بغداد ہارون رشید کے درباری حکیموں میں ایک نصرانی طبیب بھی تھا جو بادشاہ کا بہت ہی معتمد اور منہ چڑھا تھا۔ ایک دن اس نے برسرِ دربار ایک جید عالم علی بن حسین بن واقد سے یہ کہا کہ تمہاری کتاب قرآن شریف میں علم طب کا کہیں کوئی ذکر نہیں۔ حالانکہ تمام علوم میں سب سے زیادہ ممتاز اور بلند مرتبہ دو ہی علم ہیں۔ ایک ہے "علم الادیان" دوسرے "علم الابدان" علی بن حسین نے اس کے جواب میں برجستہ فرمایا کہ کیا تمہیں خبر؟ کہ پورا علم طب خداوند قدوس نے قرآن مجید کی صرف آدھی آیت میں جمع فرمادیا ہے۔ نصرانی طبیب نے حیران ہو کر پوچھا کہ بتایئے وہ کون سی آیت ہے؟ علی بن حسین نے فرمایا کہ "كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا" یعنی کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو۔ یہ سن کر نصرانی طبیب ہکا بکا رہ گیا۔ پھر کہنے لگا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ پیغمبر اسلام نے بھی اصولِ طب کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا ہے؟ علی بن حسین نے فرمایا کہ ہمارے پیغمبر اسلام نے تو بہت کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ مگر تم اس وقت صرف ایک حدیث سن لو "اَلْمِعْدَةُ بَيْتُ الدَّاءِ وَالْحِمْيَةُ رَأْسُ كُلِّ دَوَاءٍ وَعَوِّدُوْا كُلَّ جِسْمٍ مَا

اَعْتَادَ" یعنی معدہ تمام امراض کی کوٹھڑی ہے اور پرہیز تمام دواؤں کا سردار ہے اور ہر جسم سے وہی کام لو جس کا وہ عادی ہے۔ یہ سن کر نصرانی طبیب فرط حیرت سے علی بن حسین کا منہ تکنے لگا اور یہ کہا کہ "مَا تَرَكَ كِتَابُكُمْ وَلَا نَبِيُّكُمْ لِجَالِيْنُوْسَ طِبًّا" یعنی تمہاری کتاب اور تمہارے نبی نے تو "جالینوس" کے لئے کوئی طب چھوڑی ہی نہیں۔ (روح البیان ج3 ص155)

نتیجہ:۔ قرآن مجید تمام علوم کا جامع ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ہے کہ: ؎

جَمِيْعُ الْعِلْمِ فِي الْقُرْاٰنِ لٰكِنْ
تَقَاصَرَ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ

یعنی قرآن مجید میں تمام علوم موجود ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے سمجھنے سے لوگوں کی عقلیں قاصر ہیں اور نبی کریم ﷺ کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ جب بھی کفار نے اس قسم کے سوالات کئے تو اللہ تعالیٰ علماء حق کو قرآن مجید سے ایسے جوابات کا الہام فرماتا ہے کہ قرآن کا بول بالا اور کفار کا منہ کالا ہو جاتا ہے۔

ہاتھ گراں اور ارزاں کیوں؟

قاضی عبدالوہاب بغدادی بہت ہی ذہین اور حاضر جواب علماء کبائر میں سے تھے۔ ایک مرتبہ کسی یہودی نے آپ کے سامنے دین اسلام کے قانون پر اعتراض کرتے ہوئے نہایت طنز کے ساتھ یہ شعر پڑھا: ؎

يَدٌ بِخَمْسِ مِئِيْنَ عَسْجَدٍ وُدِيَتْ
مَا بَالُهَا قُطِعَتْ بِرُبْعِ دِيْنَارٍ

یعنی اگر کوئی کسی کا ہاتھ کاٹ لے تو اس کی دیت (عضو کا بدلہ) پانچ سو اشرفیاں دینی پڑتی ہیں لیکن اگر یہی شخص چوری کرے تو صرف ایک چوتھائی دینار کی چوری پر اس کا ہاتھ کاٹ لیا جاتا ہے تو کیا معاملہ ہے؟ کہ قانون اسلام میں یہی ہاتھ کبھی اتنا مہنگا سمجھا گیا کہ پانچ سو اشرفی اس کی قیمت ٹھہری اور کبھی اتنا سستا ہو گیا کہ صرف ایک چوتھائی دینار اس کی قیمت رہ گئی۔ یہودی کا یہ طنزیہ شعر سنتے ہی قاضی عبدالوہاب نے جواب میں فی البدیہہ یہ شعر پڑھ دیا کہ: ؎

عِزُّ الْاَ مَانَةِ اَغْلَاهَا وَاَرْخَصَهَا
ذُلُّ الْخِيَانَةِ فَافْهَمْ حِكْمَةُ الْبَارِیْ

یعنی ہاتھ جب تک امانت دار تھا عزت امانت نے اس کو بیش قیمت بنا رکھا تھا لیکن جب چوری کر کے یہ ہاتھ خائن بن گیا تو خیانت کی ذلت نے اس کی اس قدر قیمت گھٹا دی کہ صرف چوتھائی دینار اس کی قیمت رہ گئی یہ ہاتھ کبھی اتنا گراں اور کبھی اتنا ارزاں کیوں ہو جاتا ہے؟ اس میں باری تعالیٰ کی یہی حکمت ہے۔ اس کو خوب ذہن نشین کر لیں۔ (صاوی ج2 ص283)

نتیجہ:۔ مومن کو یہ ایمان رکھنا چاہئے کہ شریعت کے ہر حکم میں باری تعالیٰ کی عقل کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ مگر ہمارے فہم ناقص اور عقل کی کوتاہی کا قصور ہے کہ ہم ان حکمتوں کو سمجھ نہیں سکتے۔ ہاں البتہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنے خاص بندوں کو مطلع فرما دیتا ہے پھر وہ خوش نصیب بندے ایقان و ایمان کی اتنی بلند منزل پر فائز ہو جاتے ہیں کہ ملکوتِ عالیہ کے فرشتے بھی ان کی رفعت درجات کے شیدائی اور ان کے مراتب علیا کے تمنائی بن جاتے ہیں کیوں نہ ہو؟

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر "روح الامیں" پیدا

نصرانی طبیب کا اسلام

ہارون رشید کا خصوصی ڈاکٹر ایک نصرانی طبیب تھا۔ جو بہت ہی عقلمند اور خوبصورت آدمی تھا اور بادشاہ اس کے کمال سیرت و جمالِ صورت پر دل سے فریفتہ تھا۔ ایک دن ہارون رشید نے اس سے کہا کہ کاش تم مسلمان ہو جاتے تو میں تم کو اپنے دربار کا سب سے بڑا اعزاز عطا کرتا۔ طبیب نے جواب دیا کہ امیر المومنین آپ کے قرآن کی ایک آیت مجھے اسلام قبول کرنے سے منع کرتی ہے۔ ورنہ میں ضرور مسلمان ہو جاتا۔

ہارون رشید نے حیران ہو کر دریافت کیا کہ وہ کونسی آیت ہے؟ طبیب نے کہا کہ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ ہیں جس کو اللہ نے بی بی مریم کی طرف ڈال دیا اور وہ اللہ کی روح ہیں دیکھئے اس آیت میں "رُوْحٌ مِّنْهُ" کا لفظ آیا ہے اور یہ مِنْ تبعیض کے لئے ہے جس کا حاصل یہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کا جزو اور اس کا ایک ٹکڑا ہیں۔ طبیب کی یہ تقریر سن کر ہارون الرشید کو بڑا رنج و صدمہ ہوا اور اس نے اپنے دربار کے تمام

علماء کو طلب کیا تاکہ طبیب کے اس شبہ کا ازالہ کریں مگر درباری علماء اس شبہ کا جواب دینے سے قاصر رہے اور ہارون رشید رنج و قلق سے بے قرار ہو گیا۔ اتنے میں پتہ چلا کہ مفسر علی بن الحسین مروزی حج سے واپس ہوتے ہوئے بغداد میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ہارون رشید نے فوراً ہی انہیں بھی دربار میں بلایا وہ بھی ناگہاں یہ سوال سن کر چکرا گئے اور فوراً جواب نہ دے سکے مگر انہوں نے فرمایا کہ اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ یہ خبیث نصرانی آپ کے دربار میں مجھ سے یہ سوال کرے گا۔ لہٰذا میرا ایمان ہے کہ ضرور اس نے اپنی مقدس کتاب میں اس شبہ کا جواب دیا ہوگا۔ جو اس وقت میرے خیال میں نہیں آرہا ہے مگر میں انشاء اللہ تعالیٰ جب تک اس کا جواب قرآن ہی سے نہ دوں گا خدا کی قسم میرے لئے کچھ کھانا پینا حرام ہے۔ یہ کہہ کر وہ ایک اندھیری کوٹھری میں داخل ہو گئے اور دروازہ بند کر کے قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگے۔ یہاں تک کہ سورۃ "جاثیہ" کی آیت "سَخَّرَلَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط" زبان پر آئی تو مارے خوشی کے اچھل پڑے اور فوراً دروازہ کھول کر باہر نکلے اور دربار میں جا کر ہارون رشید کے سامنے نصرانی طبیب کو یہ آیت پڑھ کر سنائی اور فرمایا کہ دیکھ لے۔ یہاں بھی رُوْحٌ مِّنْهُ کی طرح جَمِيْعًا مِّنْهُ آیا ہے تو اگر اس مِنْ کو تبعیض کے لئے مانا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ زمین و آسمان بھی خدا کے جزو قرار پائیں۔ لہٰذا تم خوب سمجھ لو کہ رُوْحٌ مِّنْهُ میں مِنْ تبعیض کے لئے نہیں ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہرگز ہرگز خدا کے جزو نہیں ہیں بلکہ وہ زمین و آسمان کی طرح خدا کی مخلوق ہیں۔ علی بن الحسین کی یہ نورانی تقریر سن کر کر نصرانی طبیب کا سینہ کھل گیا اور اس کا شبہ بالکل رفع ہو گیا اور وہ اسی مجلس میں کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ ہارون رشید کو اس قدر خوشی ہوئی کہ اس نے علی بن الحسین مروزی کو بڑے گرانقدر انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔

علی بن الحسین مروزی نے اپنے وطن پہنچ کر نہایت عرق ریزی اور محنت کے ساتھ اسی موضوع پر "النظائر فی القرآن" ایک ایسی کتاب تصنیف کر دی کہ تمام روئے زمین میں اس کی مثال نہیں اس کتاب میں اس فاضل جلیل نے مخالفین اسلام کی طرف سے اس قسم کے پیش ہونے والے تمام شبہات کا قلع قمع کر دیا اور کسی کی مجال نہیں کہ قیامت تک قرآن کریم پر کوئی اس قسم کا اعتراض کر سکے۔ (روح البیان ج2 ص328)

نتیجہ:۔ علمائے سلف نے مخالفین اسلام کے اعتراضوں کو دفع کرنے اور اسلام کے دامن عصمت کو شبہات کے گرد و غبار سے پاک و صاف رکھنے کے لئے کیسی کیسی جد و جہد کی ہے اور اپنی زبان و قلم کی تلواروں سے کیسے کیسے مجاہدانہ کارنامے انجام دے کر حق و باطل کے اس معرکہ میں فتح مبین حاصل کی ہے۔ کاش زمانہ حال کے علماء اس سے سبق حاصل کرتے اور ان مقدس روحوں کی خدمات جلیلہ کی قدر کر کے ان کے انمول شاہکاروں کو زندہ رکھتے۔ مگر افسوس کہ آج کل کے سیاسی مولویوں کا تو یہ حال ہے کہ:

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

دنیا قید خانہ ہے

قاضی سہل محدث رحمتہ اللہ علیہ ایک دن بڑے تزک و احتشام کے ساتھ گھوڑے پر سوار کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ ناگہاں ایک حمام سلگانے والا یہودی دھوئیں اور غبار کی کثافت سے میلا کچیلا حضرت سہل رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ قاضی صاحب! آپ کے پیغمبر نے فرمایا کہ "دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔" مجھے اس کا مطلب سمجھا دیجئے کہ آپ مومن ہو کر اس عیش و آرام اور کر و فر کے ساتھ رہتے ہیں اور میں کافر ہو کر اتنا خستہ حال اور آلام و مصائب میں گرفتار ہوں۔ میں یہ کس طرح تسلیم کر لوں؟ کہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔ قاضی سہل نے برجستہ یہ جواب دیا کہ جب تو قیامت کے دن دوزخ میں چلا جائے گا تو اس عذاب جحیم کے لحاظ سے تیری یہ دنیا تیرے لئے جنت معلوم ہو گی اور میں جب جنت کی بے شمار نعمتوں سے نوازا جاؤں گا تو میری یہی دنیا جنت کی عظیم نعمتوں کے مقابلے میں میرے لئے قید خانہ محسوس ہونے لگے گی۔

(روح البیان ج2 ص204)

نتیجہ:۔ یہ ایک بہت ہی حکیمانہ فلسفہ ہے کہ ہر آرام اپنے سے بڑے آرام کے مقابلہ میں تکلیف نظر آتا ہے اور ہر تکلیف اپنے سے بڑی تکلیف کے اعتبار سے آرام دہ محسوس ہونے لگتی ہے۔ اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ تم اپنے سے گرے ہوئے لوگوں کے حال پر رہو تو تم شکر گزار بنے رہو گے۔ ظاہر ہے کہ جب کانا اندھے کو دیکھے گا تو اس کے مقابلہ میں اپنے کو بہتر

سمجھ کر خدا کا شکر ادا کرے گا کہ الحمد للہ! میری ایک آنکھ تو سلامت ہے۔ اندھے کی تو دونوں آنکھیں غائب ہیں اور کانا جب دو آنکھوں والے کو دیکھے گا تو ضرور اس کے دل میں چوٹ لگے گی کہ افسوس میری ایک آنکھ نہیں ہے اور اس کی دونوں آنکھیں سلامت ہیں۔ اس طرح وہ ناشکری کا مرتکب ہو جائے گا۔

غلامانِ اسلام

امام محمد بن مسلم رحمتہ اللہ علیہ (متوفی 124ھ) جو عام طور پر "ابن شہاب" اور "امام زہری" کے لقب سے مشہور ہیں۔ دور تابعین کے انتہائی جلیل القدر اور عظیم المرتبت محدث ہیں اور امام مالک اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ جیسے ائمہ فقہ و حدیث کے استاد ہیں۔ یہ اپنی علمی جلالت کے ساتھ ساتھ حق گوئی میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ ایک مرتبہ خلیفہ دمشق عبدالملک بن مروان نے ان کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ عبدالملک خود بھی بہت زیادہ صاحب علم تھے لیکن نہایت ہی متعصب عرب تھا اور عجمی غلاموں کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا۔ دربار میں عبدالملک اور امام زہری رحمتہ اللہ علیہ کے درمیان جو مکالمہ ہوا اسے سنئے اور عبرت سے سر دھنئے۔

عبدالملک: کیوں امام زہری کہئے اس وقت آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟

امام زہری: مکہ مکرمہ سے۔

عبدالملک: آج کل اہل مکہ کا پیشوا کون ہے؟

امام زہری: عطاء بن رَباح محدث۔

عبدالملک: یہ عربی ہیں یا عجمی؟

امام زہری: یہ ایک عجمی غلام ہیں جنہیں کسی عرب نے خرید کر آزاد کر دیا ہے۔

عبدالملک: تو پھر مکہ کے اشراف عرب نے انہیں اپنا سردار کیسے بنالیا؟

امام زہری: اس لئے کہ وہ دینداری اور روایت حدیث میں تمام اہل مکہ سے بڑھ کر ہیں۔

عبدالملک: بجا ہے۔ واقعی اہل دیانت و روایت اسی قابل ہیں کہ انہیں سزاوار بنایا جائے۔ اچھا یمن کا مذہبی پیشوا کون ہے؟۔

امام زہری: طاؤس بن کیسان محدث!

عبدالملک: یہ کون ہیں؟ عرب ہیں یا عجمی غلام؟

امام زہری: یہ بھی عجمی غلام ہی ہیں۔

عبدالملک: ان کی سرداری کا راز کیا ہے؟

امام زہری: وہی دینداری اور روایت حدیث کا کمال جس نے عطاء بن رباح کو مکہ مکرمہ کا سردار بنادیا!

عبدالملک: واقعی ایسے لوگوں کو سردار قوم ہی ہونا چاہئے۔ اچھا مصر کا حال کہئے وہاں کس کے سر، سرداری کا سہرا ہے؟

امام زہری: یزید بن حبیب محدث!

عبدالملک: ان کو مصریوں نے کس بناء پر اپنا سردار بنالیا؟

امام زہری: جس بنا پر اہل مکہ نے عطاء بن رباح کو اور اہل یمن نے طاؤس کو اپنا امام بنالیا۔

عبدالملک: اچھا اہل شام کا امام کون ہے؟

امام زہری: مکحول محدث!

عبدالملک: یہ کون ہیں؟

امام زہری: یہ ایک عجمی ہیں جن کو قبیلہ ہذیل کی ایک عورت نے آزاد کر دیا تھا۔

عبدالملک: اچھا اہل جزیرہ کا مقتدی کون ہے؟

امام زہری: میمون بن مہران محدث۔

عبدالملک: ان کا حال بتائیے؟

امام زہری: جی! یہ بھی غلام ہی ہیں۔

عبدالملک: ارے امام زہری! یہ تو بتاؤ کہ اس وقت حرم محترم مدینہ منورہ کی سرداری کا تاج کس کے سر پر ہے؟ غالباً یہاں کا پیشوا تو ضرور کوئی عرب ہی ہوگا؟

امام زہری: جی نہیں۔ مدینہ منورہ کے پیشوا بھی غلام ہی ہیں جن کا نام ضحاک بن مزاحم ہے!

عبدالملک: اچھا بصرہ کا کیا حال ہے؟ کیا وہاں کسی عرب کو مذہبی قیادت کا شرف حاصل ہے؟

امام زہری: بصرہ کے پیشوا تو خواجہ حسن بصری ہیں جو غلام خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

عبدالملک: ہائے افسوس! اللہ! کوفہ کا حال بتائیے؟ وہ لوگ کس کی امامت کا دم بھرتے ہیں؟

امام زہری: کوفہ میں تو ابراہیم نخعی امامت قوم کے تاجدار ہیں۔

عبدالملک: ان کا حسب نسب بتائیے؟

امام زہری: یہ عرب ہیں!

عبدالملک: امام زہری خدا کی قسم! تم نے میرے دل کے بند دریچوں کو کھول دیا۔ واللہ! مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ مستقبل میں یہی عجمی غلام امام و مقتدیٰ بن کر "منبر" پر خطبہ پڑھیں گے اور اشراف عرب منبروں کے نیچے بیٹھے ہوں گے۔ ہائے افسوس! یہ کتنا بڑا انقلاب ہوگا۔

امام زہری: امیر المومنین! اس میں تعجب یا افسوس کی کونسی بات ہے؟ "تعلیم اسلام" خدا کا دین ہے۔ جو علم دین حاصل کر کے اسلام کی خدمت و حفاظت کرے گا وہ یقیناً بلند مرتبہ ہو کر سرداری کا تاج پہنے گا اور جو اس کو ضائع کر دے گا وہ بلا شبہ ذلت و پستی کے عمیق غار میں گر کر ذلیل و خوار ہو جائے گا! (روح البیان ج2 ص321)

نتیجہ:۔ علماء حق کو ہر ایک کے سامنے کلمہ حق کہہ دینے میں ہرگز کوئی خوف و ہراس نہیں رکھنا چاہئے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ظالم بادشاہ کے منہ پر حق بات کہہ دینا ایک افضل قسم کا جہاد ہے۔ اسی لئے علماء سلف کا یہی طریقہ رہا کہ وہ پھولوں کے ہار کے نیچے ہوں یا تلوار کی دھار کے نیچے ہر حال میں وہ کلمۃ الحق کہتے رہے کیوں؟ اس لئے کہ:

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں "رُوباہی"

ابو حازم کی حق گوئی

سلیمان بن عبدالملک جو بنی امیہ کا بادشاہ تھا۔ ایک مرتبہ شیخ الحدیث ابو حازم سے دریافت کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ کہ ہم لوگ دنیا کو پسند اور آخرت کو ناپسند کرتے ہیں۔ آپ نے برجستہ جواب دیا کہ تم لوگوں نے دنیا کو آباد اور آخرت کو برباد کیا اس لئے تم لوگ آبادی سے ویرانے کی طرف منتقل ہونے سے گھبراتے ہو۔ پھر سلیمان نے پوچھا کاش ہم کو معلوم ہو جاتا کہ آخرت میں ہمارا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ قرآن پڑھ لو تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ سلیمان نے کہا کون سی آیت پڑھوں؟ آپ نے فرمایا کہ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ۔ یعنی

نیکوکار یقیناً جنت میں اور بدکار یقیناً جہنم میں ہوں گے۔ پھر سلیمان نے یہ دریافت کیا کہ دربار الٰہی میں بندوں کی حاضری کا کیا منظر ہو گا؟ آپ نے جواب دیا کہ نیکوکار کا تو یہ حال ہو گا کہ جیسے برسوں کا بچھڑا ہوا مسافر خوشی خوشی اپنے اہل و عیال میں آتا ہے اور بدکار کا یہ حال ہو گا کہ جیسے بھاگا ہوا غلام گرفتار کر کے آقا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

شیخ ابو حازم کی یہ حق گوئی تاثیر کا تیر بن کر سلیمان کے قلب میں پیوستہ ہو گئی اور وہ چیخ مار کر رونے لگا۔ (روح البیان ج2 ص253)

نتیجہ :۔ ایک عالم ربانی کے اخلاص میں ڈوبے ہوئے کلمات کی تاثیر کا یہ عالم ہوتا ہے کہ پتھر سے زیادہ سخت دل بھی موم سے زیادہ نرم ہو جاتے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ "از دل خیز د بر دل ریزد" یعنی:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

جرأتِ رندانہ

خلیفہ بغداد "مامون رشید" کو کچھ تو "خاندان برامکہ" کی صحبت اور کچھ "فضل بن سہل" شیعہ وزیر کے اثرات نے شیعہ مذہب کی طرف مائل کر دیا تھا۔ چنانچہ اچانک اس نے ایک دن فرمان شاہی کے ذریعے یہ اعلان کرا دیا کہ "متعہ حلال ہے" اس وحشت انگیز منادی نے تمام شہر کے سکون کو درہم برہم کر دیا اور علمائے حق انتہائی برافروختہ ہو گئے۔ لیکن ایک جابر حکومت کی آواز کو کون دبا سکتا تھا؟ یہ ایک بڑا کٹھن سوال تھا۔ اس پر خطر موقع پر قاضی بن اکثم نے جس جرأت رندانہ کا مظاہرہ کیا۔ وہ علمائے حق کی تاریخ میں ایک ایسے عظیم شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے جس کے نقش و نگار کو قیامت تک گردش لیل و نہار بھی نہیں مٹا سکتی۔ آپ ایک دم دندناتے ہوئے دربار شاہی میں پہنچ گئے اور نہایت مغموم چہرہ بنائے ہوئے مامون رشید کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ امیر المومنین! بڑا غضب ہو گیا کہ اسلام میں ایک نیا رخنہ پڑ گیا!

مامون رشید: وہ کیا؟ خیر تو ہے؟

قاضی یحییٰ: زنا حلال کر دیا گیا!۔

مامون رشید: یہ کس طرح؟

قاضی یحییٰ: متعہ زنا ہی تو ہے!

مامون رشید: یہ کس دلیل سے؟

قاضی یحییٰ: کیا جس عورت سے متعہ کیا جائے وہ باندی ہے؟

مامون رشید: جی نہیں!

قاضی یحییٰ: پھر کیا وہ بیوی ہے؟ کیا اس کو میراث مل سکتی ہے؟

مامون رشید: نہیں۔ وہ بیوی تو نہیں ہے اور اس کو میراث بھی نہیں مل سکتی!

قاضی یحییٰ: تو اے امیر المومنین! قرآن نے تو دو ہی عورتوں کو حلال کیا ہے۔ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ "بیوی" اور "باندی" پھر یہ تیسری عورت کہاں سے حلال ہو گئی؟ جو آپ نے متعہ حلال ہونے کی منادی کرا دی!

قاضی یحییٰ کا قرآن سے منطقی استدلال سن کر مامون رشید کے ہوش اڑ گئے اور اس نے جواب سے عاجز ہو کر اپنی خود رائی پر کف افسوس ملتے ہوئے یہ حکم دے دیا کہ تمام حدود سلطنت میں فرمان شاہی کے ذریعے اعلان عام کرا دیا جائے کہ "متعہ" "یقیناً" "زنا" ہے اور قطعاً حرام ہے۔ (ابن خلکان تذکرہ قاضی یحییٰ)

نتیجہ:۔ کتنا ہی پر خطر اور نازک سے نازک تر موقع کیوں نہ ہو لیکن جب ایک عالم ربانی حق کی نصرت و حمایت کے لئے ڈٹ کر کھڑا ہو جاتا ہے تو آسمان سے اس کے لئے نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ کا سامان اتر پڑتا ہے۔ سچ ہے:

مثل کلیم ہوا اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لَا تَخَفْ

خدا مکان سے پاک ہے

"امام الحرمین" کسی امیر کی دعوت میں تشریف لے گئے تو وہاں بڑے بڑے اکابر علماء آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ناگہاں ایک شخص نے آپ سے یہ سوال کیا کہ خداوند تعالیٰ مکان سے پاک ہے اس کی کیا دلیل ہے؟ قرآن میں تو اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی وارد ہوا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ "عرش" خدا کا مکان ہے "امام الحرمین" نے فرمایا کہ خدا کے لئے کوئی مکان نہیں ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو جب دریا کی

گہرائی میں ایک مچھلی نگل گئی تو آپ نے مچھلی کے پیٹ میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ● کہا اور خدا کو حاضر کی ضمیر "اَنْتَ" سے پکارا اور عرض کی کہ اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ بیشک میں حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا اور ہمارے حضور نبی اکرم ﷺ جب شب معراج میں عرش مجید کی بلندی پر تشریف لے گئے تو آپ نے بھی "لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ" کہہ کر خدا کی ضمیر حاضر "اَنْتَ" سے پکارا اور عرض کیا کہ اے اللہ! میں تیری تعریف کی طاقت نہیں رکھتا۔ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر خدا کا کوئی خاص مکان ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عرش پر اور حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ میں دونوں جگہ خداوند تعالیٰ کو "اَنْتَ" (تو) کہہ کر پکارنا صحیح نہیں ہوتا لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص مکان نہیں ہے بلکہ عرش و فرش مکان و لامکاں بلکہ کائنات عالم کے ذرے ذرے میں اس کی ذات کی تجلی ہر جگہ یکساں ہیں۔ (روح البیان ج1 ص211)

نتیجہ:۔ اہل سنت و جماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ خداوند قدوس مکان، زمان، جہت وغیرہ تمام جسمانی لوازم سے پاک ہے اور کائنات عالم کی ہر شے میں اس کی ذات پاک کے جلوؤں کی تجلیاں موجود ہیں۔ حضرت آسی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے:

بے حجابی یہ کہ ہر ذرے میں جلوہ آشکار
اس پہ یہ گھونگھٹ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مناظرہ

ایک مرتبہ "قرأت خلف الامام" یعنی نماز میں امام کے پیچھے قرأت پڑھنے کے مسئلے میں مناظرہ کرنے کے لئے "محدثین" کا ایک گروہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا کہ پوری جماعت سے بیک وقت مناظرہ غیر ممکن ہے لہٰذا آپ لوگ اپنی جماعت میں سے کسی ایک ایسے شخص کو منتخب کر دیں جو آپ لوگوں میں سے زیادہ صاحب علم ہو تاکہ میں اس سے مناظرہ کروں۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایک شخص کو منتخب کر کے مناظرہ کے لئے پیش کر دیا۔ حضرت امام نے فرمایا کہ کیا یہ شخص جو کچھ کہے گا وہ آپ سب لوگوں کا کہنا ہوا مانا جائے گا؟ لوگوں نے کہا جی ہاں۔ پھر حضرت امام نے فرمایا کہ اس کی ہار جیت آپ سب لوگوں کی ہار جیت

شمار کی جائے گی؟ لوگوں نے جواب دیا کہ جی ہاں۔
حضرت امام نے فرمایا کہ یہ کیوں کر؟ لوگوں نے کہا کہ اس لئے کہ ہم نے اس شخص کو اپنا امام منتخب کر لیا ہے۔ لہٰذا اس کا کہا ہوا ہمارا کہا ہوا۔ اس کی ہار جیت ہماری ہار جیت ہو گی۔ حضرت امام نے فرمایا کہ بس مناظرہ ختم ہو گیا۔ یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ ہم نے نماز میں جب ایک شخص کو اپنا امام بنا دیا تو اس کی قرأت ہماری قرأت ہو گی۔ لہٰذا مقتدیوں کو امام کے پیچھے قرأت کی ضرورت نہیں۔ محدثین حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرز استدلال سے حیران ہو کر لاجواب ہو گئے۔ (روح البیان ج3 ص303)

نتیجہ :۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے دولت علم و عمل کے ساتھ ذہانت و دانائی اور عقل کا کمال بھی بے مثال عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔ اگر وہ اس پتھر کے ستون کو سونا ثابت کرنے کے لئے دلائل پر اتر آتے تو وہ اپنی دلیلوں سے اس کو سونا ثابت کر دیتے۔ (تبصرہ)

حاسد کا انجام

خلیفہ بغداد "ابو جعفر منصور عباسی" حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا انتہائی معتقد تھا اور آپ کو سلطنت بھر کے علماء پر فضیلت دیتا تھا۔ امام ممدوح کا اعزاز دیکھ کر محمد بن اسحٰق (صاحب المغازی) کو حسد ہونے لگا۔ چنانچہ ایک دن انہوں نے دربار شاہی میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے یہ کہہ دیا کہ "تجھ پر تین طلاق" پھر تھوڑی دیر ٹھہر کر کہا کہ انشاء اللہ تو کیا اس عورت پر طلاق پڑ جائے گی؟
حضرت امام نے فرمایا کہ ہاں ضرور طلاق پڑ جائے گی۔ اس لئے کہ اس نے انشاء اللہ کو اپنے طلاق والے جملے سے الگ کر دیا۔ اس لئے یہ استثناء مفید نہیں ہو گا۔ یہ سن کر محمد بن اسحٰق نے کہا کہ اے امیر المومنین! ذرا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جرأت دیکھئے کہ آپ کے دربار میں آپ کے سامنے، آپ کے جد امجد حضرت عبداللہ بن عباس کے مسلک کی مخالفت کر رہے ہیں۔ آپ کے جد امجد کا یہ قول ہے کہ انشاء اللہ اگر کلام سے الگ کر کے کہا جائے جب بھی یہ استثناء مفید ہوتا ہے۔ یہ سنتے ہی ابو جعفر منصور مارے غصے کے آگ بگولہ ہو گیا اور کہا کہ جی کیوں؟ ابو حنیفہ! تمہاری یہ جرأت ہے کہ تم میرے دربار میں میرے جد کریم کے قول کی

مخالفت کرتے ہو؟ حضرت امام نے بڑے سکون و اطمینان کے ساتھ فرمایا کہ امیر المومنین! حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کا مطلب کچھ اور ہے اور محمد بن اسحٰق کا منشاء کچھ اور ہے۔ محمد بن اسحٰق یہ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کی بیعت کر کے باہر نکلیں اور انشاءاللہ کہہ دیں تو آپ کی بیعت ختم ہو جائے۔ یہ سنتے ہی ابو جعفر منصور مارے غصہ کے سرخ ہو گیا اور جلادوں کو حکم دے دیا کہ محمد بن اسحٰق کے گلے میں ان کی چادر کا پھندا ڈال کر گھسیٹتے ہوئے لے جاؤ اور ان کو قید کر دو۔

(روح البیان ج5 ص235)

نتیجہ:۔ حسد کتنی بری بلا ہے کہ محمد بن اسحٰق جیسی شخصیت جو فن مغازی کے امام کہلاتے ہیں اسی حسد کی نحوست سے دربار شاہی کی اعزازی کرسی سے جیل خانہ کی ذلت میں گرفتار ہو گئے۔ اگر امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذہانت اور دانائی بر وقت ان کا دفاع نہ کرتی تو محمد بن اسحٰق نے تو امام ممدوح کے قتل ہی کا سامان کر دیا تھا۔ مگر یہ مثل کتنی سچی ہے کہ "چاہ کن را چاہ در پیش" یعنی جو دوسروں کے گرنے کے لئے کنواں کھودتا ہے وہ خود ہی اس کنوئیں میں گر پڑتا ہے اسی لئے قرآن مجید میں مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ط فرما کر حاسد سے خدا کی پناہ طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے:

بمیر تا برہی اے حسود کیں رنجے است
کہ از مشقت او جز بمرگ نتواں رست

یعنی اے حاسد! تو مر جا۔ اس لئے کہ حسد ایک ایسا رنج ہے کہ بغیر مرے ہوئے تو اس سے چھٹکارا نہیں حاصل کر سکتا۔

عراق شہر نفاق

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی درسگاہ میں تشریف فرما ہوئے تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو پہچانا نہیں اور دریافت فرمایا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرا وطن عراق (کوفہ) ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہی عراق جو شہر نفاق ہے۔ حضرت امام اعظم نے یہ سن کر فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو میں آپ کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کروں۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہاں ہاں! ضرور

پڑھو۔ حضرت امام اعظم نے اس طرح تلاوت فرمائی۔ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْعِرَاقِ وقف مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ط حضرت مالک یہ سن کر تڑپ اٹھے اور کہا کہ قرآن صحیح صحیح پڑھو! غلط کیوں پڑھتے ہو؟ حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ یہ آیت کس طور پر ہے تو حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا ۞ عَلَى النِّفَاقِ ۞ حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ بے شک یہی صحیح ہے۔ الحمد للہ! آپ نے خود ہی فیصلہ فرمادیا کہ کون شہر نفاق کا رہنے والا ہے؟ یہ سن کر حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ چونک پڑے اور جب لوگوں نے بتایا کہ یہ فقیہ عراق امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں تو امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کو بڑی ندامت ہوئی اور انہوں نے آپ کا بے حد اعزاز و اکرام فرمایا۔ (نزہتہ المجالس ج2 ص3)

نتیجہ:۔ کسی نووارد شخص کے بارے میں بغیر پوری معلومات حاصل کئے ہوئے جلدی سے کوئی تبصرہ کردینا بعض وقت بڑی ندامت کا باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں احتیاط سے کام لینا چاہئے اور کسی نووارد شخص کے بارے میں پوری تحقیقات کے جلدی میں کوئی رائے بھی نہیں قائم کرلینی چاہئے۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے بڑے پتہ کی بات فرمائی ہے کہ: ؎

ہر بیشہ گمان مبر کہ خالی است

شاید کہ پلنگ خفتہ باشد!

ہر جنگل کے بارے میں یہی گمان نہیں کرلینا چاہئے کہ یہ خالی ہی ہے ممکن ہے کہ اس میں کوئی چیتا سو رہا ہو۔ یعنی ہر فرسودہ حال کے بارے میں یہ گمان نہیں کرلینا چاہئے کہ یہ کمال سے خالی ہوگا۔ کبھی کبھی گدڑی میں "لعل" بھی ہوتا ہے!

امام شعبی رحمتہ اللہ علیہ اور حجاج

حجاج بن یوسف ثقفی ظالم کی عادت تھی کہ وہ علماء کو دربار میں بلا کر سوالات کرتا اور علماء کے کسی جواب کو بہانہ بنا کر ان کو قتل کرادیتا۔ چنانچہ ہزاروں علماء حق کو اس ظالم نے شہید کردیا۔ جب یہ عراق کا گورنر بن کر آیا تو تو اس نے امام شعبی رحمتہ اللہ علیہ کو دربار میں طلب کیا۔ امام موصوف حجاج کے دربار میں ڈرتے ہوئے تشریف لے گئے اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ کی جان کا خطرہ محسوس ہونے لگا۔ مگر امام موصوف جب دربار میں پہنچے تو حجاج سے آپ کا حسب ذیل مکالمہ شروع ہوا۔

حجاج: کہیے ؟امام شعبی!علوم قرآن میں آپ کا مبلغ علم کہاں تک ہے؟

امام شعبی: اس علم میں تمام اکابر علماء عراق کا میں "استاد" ہوں۔

حجاج: علم فرائض میں بھی آپ کی کچھ معلومات ہیں؟

امام شعبی: اس علم میں بھی مجھے پوری پوری مہارت حاصل ہے۔

حجاج: کیا "علم الانساب" میں بھی آپ کو کچھ دخل ہے۔

امام شعبی: اس علم کا تو میں اتنا ماہر ہوں کہ اس فن میں میرا فیصلہ "قول فیصل" کی حیثیت رکھتا ہے!

حجاج: اچھا یہ بتائیے کہ آپ کو شعر و شاعری سے بھی کچھ لگاؤ ہے؟

امام شعبی: میں شعراء عرب کا چلتا پھرتا دیوان ہوں۔ جس شاعر کا کلام آپ چاہیں۔ میں سنا سکتا ہوں اور ہر ایک کے کلام کا عیب و ہنر بھی بتا سکتا ہوں۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے ان کمالات علمی کو سن کر حجاج حیران رہ گیا اور اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے انعام و اکرام سے مالا مال کر کے آپ کو "ہمدان" کا حاکم مقرر کر دیا۔

(مستطرف ج1ص21)

نتیجہ:۔ جب مولیٰ تعالیٰ کا کسی بندے پر فضل ہوتا ہے تو اس کے لئے خطرات کی آگ کے شعلوں میں بھی سلامتی جان و مال کا گلشن و گلزار نمودار ہو جاتا ہے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو کر اور سر ہتھیلی پر رکھ کر گئے تھے مگر سلامتی جان و مال کے ساتھ اعزاز حکومت اور زر و جواہر کی دولت سے مالا مال ہو کر اپنے گھر آئے۔ کیا خوب کہا ہے کسی شاعر نے۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

ہر فن مولیٰ

خلیفہ بغداد "مہدی" نے ایک مرتبہ اپنی سلطنت کے تمام باکمال ماہرین فنون کو جمع کیا اور ہر ایک کو دس دس ہزار درہم انعام تقسیم کرنے لگا۔ چنانچہ سب سے پہلے دربار میں قاریوں کو بلایا گیا تو تمام قاریوں کے ساتھ (عبداللہ بن مسلم ہزلی) بھی حاضر ہوئے اور دس ہزار درہم لے کر دربار سے باہر نکلے۔ پھر واعظین کو طلب کیا گیا تو عبداللہ بن مسلم ان لوگوں کے ساتھ دربار میں

داخل ہوئے اور دس ہزار درہم انعام وصول کیا۔ پھر نشانہ باز تیر اندازوں کی طلبی ہوئی تو عبداللہ بن مسلم اس گروہ کے ساتھ بھی دربار میں گئے اور دس ہزار درہم لائے۔ پھر جب قوالوں اور ستار بجانے والوں کی دربار میں حاضری کی باری آئی تو عبداللہ بن مسلم اس پارٹی کے ساتھ بھی دربار میں جاکر دس ہزار درہم پاگئے غرض ہر فن کے باکمالوں کے ساتھ دربار میں جاتے رہے اور انعام پاتے رہے کیونکہ یہ ہر فن میں باکمال ہونے کی حیثیت سے مشہور تھے۔

"خلیفہ مہدی" عبداللہ بن مسلم کے اس کمال ہمہ دانی پر حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ میں نے عبداللہ بن مسلم جیسا (ہر فن مولا) آج تک کسی کو نہیں دیکھا۔ (مستطرف ج1 ص21)

نتیجہ:۔ علمائے سلف میں ایسی بہت سی مثالیں ملیں گی کہ وہ چند علوم و فنون کے ماہر ہوتے تھے۔ اس سے علماء متقدمین کی جامعیت اور علوم و فنون کی تحصیل میں ان کی رغبت اور بے پناہ محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جو دور حاضر کے علماء و طلبہ کے لئے تازیانہ عبرت ہے۔ افسوس، صد ہزار افسوس! ؎

مسلمانو! کبھی ہنگامہ آرائے جہاں تم تھے
فروغ بزم ہستی، رونق کون و مکان تم تھے
جنہیں تھمنا نہ آتا تھا جہاد زندگانی میں
وہ سرگرم سفر، وہ جادہ پیماں کارواں تم تھے
مگر اب آہ! ہو محروم ذوق زندگی ایسے
یقین آتا نہیں پہلے کبھی ارباب جاں تم تھے

علم کا شوق

حضرت امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کو لوگوں نے خبر دی کہ آپ کا بچہ انتقال کر گیا ہے۔ اس وقت آپ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی درس گاہ میں سبق پڑھ رہے تھے۔ یہ خیال کر کے کہ اگر میں بچے کی تجہیز و تکفین کے لئے چلا گیا تو میرا یہ سبق چھوٹ جائے گا آپ نے ایک دوسرے شخص کو بچے کے کفن دفن کا انتظام سونپ دیا اور خود درس گاہ سے اٹھے نہیں اور ایک سبق کا بھی ناغہ نہیں کیا۔ (مستطرف ج1 ص22)

ہاتھی نہیں دیکھا

امام یحیٰی بن یحیٰی (ناقل موطاشریف) ایک دن حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں حاضر تھے کہ ایک دم یہ شور مچ گیا کہ "ہاتھی آیا! ہاتھی آیا" غوغا سنتے ہی درس گاہ سے تمام طلبہ درس چھوڑ کر ہاتھی دیکھنے کے لئے دوڑ پڑے مگر امام یحیٰی اسی سکون واطمینان کے ساتھ بیٹھے ہوئے اپنا سبق لکھتے رہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "یحیٰی"! تمہارے ملک "اندلس" میں ہاتھی نہیں ہوتا تم بھی جاکر دیکھ آؤ۔ امام یحیٰی نے عرض کیا کہ حضرت! میں اندلس سے آپ کو دیکھنے اور علم حاصل کرنے کے لئے یہاں آیا ہوں۔ ہاتھی دیکھنے کے لئے میں نے اپنا وطن نہیں چھوڑا ہے۔

(ابن خلکان ج2 ص216)

کتابیں سوکنوں سے بڑھ کر

مشہور محدث امام محمد بن مسلم جو عام طور پر "ابن شہاب زہری" کہلاتے ہیں۔ ان کی کتب بنی کا یہ عالم تھا کہ یہ کتابوں کے انبار میں بیٹھ کر اس طرح مطالعہ میں مصروف ہو جاتے تھے کہ دنیاومافیہا کی خبر نہیں رہتی تھی اور ساری رات مطالعہ میں بسر ہو جاتی تھی۔ ان کی بیوی صاحبہ ہر رات بناؤ سنگار کر کے انتظار میں بیٹھی رہتی تھی کہ میری طرف متوجہ ہوں گے مگر یہاں تو علمی انہماک اور ذوق مطالعہ میں کیف کا یہ عالم ہوتا تھا کہ:

میں کس کی لوں خبر! مجھے اپنی خبر نہیں

آخر بیوی صاحبہ ایک دن بگڑ کر کہنے لگیں کہ "وَاللّٰهِ لِهٰذِهِ الْكُتُبُ اَشَدُّ عَلَيَّ مِنْ ثَلٰثِ ضَرَائِرَ" یعنی خدا کی قسم یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے بھی زیادہ گراں ہیں۔

(ابن خلکان ج1 ص451)

نتیجہ :۔ قوموں کے "عروج وزوال" کی تاریخ میں یہ بہت ہی اہم اور درخشاں باب ہے کہ جب کسی قوم کا ستارۂ اقبال چمکنے والا ہوتا ہے تو اس قوم کے نوجوان عیش وعشرت سے متنفر اور آرام طلبی سے بیزار ہو کر علوم وفنون کی تحصیل میں انتہائی جدوجہد، سخت کوشی، اور محنت شاقہ کے عادی بن کر بامِ عروج اور ترقی کی ایسی منزلِ بلند پر پہنچتے ہیں کہ آسمانِ شہرت وسربلندی پر

ستاروں کی طرح چمکتے ہیں یعنی ؎

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

اور جب کسی قوم کے سر پر ادبار و نکبت کا عفریت مسلط ہونے والا ہوتا ہے تو اس قوم کے نوجوان، عیش پسند، آرام طلب اور کاہل بن کر قعر مذلت کے ایسے ایسے اسفل السافلین میں گرتے ہیں کہ پھر اس قوم کی ترقی و عروج کی داستان بھی دنیا سے نیست و نابود ہو کر مٹ جاتی ہے: ؎

آ تجھ کو بتا دوں میں "تقدیر امم" کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

تعلیمی سفر کے لئے بیقراری

امام الحدیث "اسمٰعیلی" کو جب یہ خبر ملی کہ شیخ الحدیث "محمد بن ایوب رازی" کی وفات ہو گئی ہے تو انہوں نے رنج و غم سے گریہ وزاری اور جوش بے قراری میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اپنے سر پر خاک ڈالنے لگے اور اس قدر زور زور سے چیخ چلا کر رونے لگے کہ تمام گھر والے ان کی آہ وزاری کو دیکھ کر حواس باختہ ہو گئے۔ جب لوگوں نے ان سے رنج و غم کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے روتے بلبلاتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگ مجھ کو ہمیشہ سفر سے منع کرتے رہے آخر شیخ الحدیث محمد بن ایوب رازی وفات پا گئے۔ ہائے! اب تمہیں بتاؤ کہ میں انہیں کہاں پاؤں گا؟ اور میں علم حدیث کس سے پڑھوں گا؟ گھر والوں نے ان کو تسلی و تشفی دے کر فوراً ہی ان کے تعلیمی سفر کا انتظام کیا اور ان کے ماموں کے ہمراہ شہر "نساء" میں ایک دوسرے شیخ وقت "ابوسفیان" محدث کی درسگاہ میں بھیج دیا تو انہیں سکون اور قرار نصیب ہوا۔ اس وقت "امام اسمٰعیلی" کی عمر صرف سترہ برس کی تھی۔ مگر اتنی عمر تک بھی گھر میں بیٹھے رہنا اور علم حدیث سے محروم رہنا گوارا نہیں ہوا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج 3 ص 161)

نتیجہ:۔ اللہ اکبر! صرف سترہ برس کا کم سن نوجوان تحصیل علم کے لئے اتنے کٹھن اور پر مشقت سفر کے لئے اس قدر بے قرار ہے۔ جب کہ ذریعہ سفر پا پیادہ تھا یا زیادہ سے زیادہ اونٹ، گھوڑے، گدھے کی سواریوں کا ذریعہ تھا اور راستے انتہائی پر خطر ہے۔ نہ راستوں میں کہیں خورد و نوش کا انتظام، نہ آرام و راحت کا کوئی سامان تھا۔ مگر خدا کی قسم! مادر اسلام کے یہی وہ سپوت بیٹے تھے جو

"علم دین" کی شمع کے پروانے بن کر پر خطر وادیوں اور خار دار جھاڑیوں میں دیوانہ وار گرتے پڑتے دور دراز شہروں میں پہنچے اور مشکوٰۃ نبوت کی تعلیمی روشنی سے اپنے سینوں کو مخزن انوار بنا کر واپس لوٹے تو اپنے علم و عمل کی تجلیات اور ضیاء پاشیوں سے ہزاروں قلوب کے ظلمت کدوں کو مطلع نور و رشک طور بنا دیا اور قیامت تک آنے والے مسلم نوجوانوں کو اپنے کردار علم و عمل سے یہ پیغام دے کر عالم اسفل سے بام بالا کو روانہ ہو گئے کہ:

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

کاش میں طبرانی ہوتا

استاد "ابن عمید" جو سلطنت کا وزیر تھا کہنے لگا کہ میں سمجھتا تھا کہ وزارت سے بڑھ کر کوئی چیز دنیا میں لطف پر نہیں ہے مگر جب میں نے "طبرانی" اور جعابی کا مناظرہ سنا تو میں وزارت کے لطف و مزہ کو بھول گیا۔ اس مناظرہ میں "طبرانی" اپنی قوت حافظہ کے زور سے اور "جعابی" اپنے ذہن کی جولانی سے اپنے اپنے مقابل پر غالب آنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ دونوں کافی بلند آوازوں سے بحث کرنے لگے۔ اتنے میں "جعابی" نے انتہائی طیش اور جوش میں آ کر کہا کہ میرے پاس ایک ایسی حدیث ہے جو دنیا میں کسی محدث کے پاس نہیں ہے "طبرانی" نے کہا بسم اللہ! ذرا سنایئے تو؟ "جعابی" نے سند پڑھی۔ حدثنی ابو خلیفۃ قال حدثنی سلیمٰن بن ایوب طبرانی چمک کر بولے بس خاموش ہو جایئے "سلیمان بن ایوب میرا ہی نام ہے اور آپ کا استاد "ابو خلیفہ" میرا ہی شاگرد ہے۔" اب آپ اس حدیث کو مجھ سے سن لیجئے۔ تاکہ اسناد میں ایک واسطہ کم ہو جائے اور آپ کی سند عالی ہو جائے۔ یہ سنتے ہی "جعابی" دم بخود ہو کر خاموش ہو گئے استاد ابن عمید کا بیان ہے کہ مجھ کو اس وقت "طبرانی" کی فرحت و مسرت دیکھ کر یہ تمنا ہوئی کہ کاش میں طبرانی ہوتا تاکہ یہ لطف مجھ کو نصیب ہوتا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج3 ص121)

نتیجہ:۔ ایک عالم کو فقیری میں چٹائی پر بیٹھ کر علم کا جو کیف و سرور محسوس ہوتا ہے وہ وزیروں اور بادشاہوں کو تخت شاہی پر کہاں نصیب ہو سکتا ہے مگر ہم اہل دنیا کو یہ نکتہ بھلا کس طرح سمجھا سکتے ہیں؟ ان حیوانیت مآب مادیت پرستوں سے تو ہم غریب علماء اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ:

لطف مے بادہ خوارے پوچھو
یہ مزا پاک باز کیا جانیں

منقول ہے کہ امام محمد بن حسن شیبانی (شاگرد امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ) جب رات میں کوئی مشکل مسئلہ حل کر لیتے تھے تو خوشی سے اچھل اچھل کر زور زور سے کہتے تھے۔ کہاں ہیں؟ بادشاہ بغداد کے صاحبزادے "امین و مامون"؟ کوئی ان سے پوچھے کہ کیا تم کو کبھی اس فرح و سرور کی لذت بھی نصیب ہوئی جو اس وقت میری روح کو بالیدگی اور جسم کی توانائی کے لئے آب حیات کا ساغر اور کوثر و سبیل کا جام بنی ہوئی ہے۔ ہزاروں تخت و تاج میری اس فقیری کی چٹائی پر قربان جو میرے لئے علمی فرحت و مسرت کا ایک پر کیف جہان بنی ہوئی ہے۔ سبحان اللہ! بالکل سچ فرمایا امام محمد بن حسن نے:

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے؟
خراج کی جو گدا ہو، وہ قیصری کیا ہے؟

گدڑی میں لعل

"داؤد ظاہری" کا بیان ہے کہ ایک روز میری مجلس میں ایک نہایت ہی شکستہ حال انسان انتہائی بوسیدہ لباس پہنے ہوئے آیا اور دفعۃً بغیر میری اجازت کے میری مسند پر براجمان ہو گیا۔ اپنا نام ابو یعقوب بصری بتایا اور میری طرف مخاطب ہو کر فخریہ لہجے میں کہا کہ سَلْ یافتیٰ عمّا بَدَالَكَ اے جوان! جو تیرے دل میں آئے مجھ سے پوچھ لے!" داؤد ظاہری" کہتے ہیں کہ مجھے اس کے اس فخر آمیز لب و لہجہ پر بڑا غصہ آیا اور میں نے طنز کے طور پر کہہ دیا کہ اگر حجامت (پچھنا لگانے) کے بارے میں جناب کو کچھ معلومات ہوں تو ارشاد فرمایئے؟ یہ سن کر ایک دم وہ شخص سنبھل کر بیٹھ گیا اور حدیث "اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ" کی تمام روایات کو بیان کر کے بتانے لگا کہ کن کن سندوں سے یہ حدیث مسند ہے اور کن کن سندوں سے یہ حدیث موقوف و مرسل ہے اور کون کون سے فقہاء کا اس پر عمل ہے۔ پھر اس نے حضور اکرم ﷺ کے پچھنا لگانے کے مختلف مقامات، مختلف طریقے پچھنا لگانے والوں کے نام پچھنا لگانے کی اجرتوں اور ان کے احکام کا مفصل بیان کیا۔ حدیث و فقہ کی تمام بحثوں کے بعد وہ اطباء کے اقوال کی طرف رجوع ہوا تو ان تمام طبیبوں کے اقوال بیان کرنے لگا۔ جو مختلف زمانوں میں مختلف اطباء کہتے رہے۔ پھر

حجامت کے فوائد اس کے مختلف طریقوں، اس کے مختلف آلات پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد تاریخ کا نمبر آیا۔ تو اس نے بہت سے شواہد اور دلائل سے یہ ثابت کر دیا کہ "عمل حجامت" کے موجد اہل اصفہان ہیں "داؤد ظاہری" کہتے ہیں کہ اس شخص کی معلومات کی وسعت اور اس کے سیلاب تقریر کی جولانی و روانی دیکھ کر میں دریائے حیرت و استعجاب میں غرقاب ہو گیا۔ یہاں تک کہ میں نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہہ دیا کہ اے شخص! بس کر۔ مجھے معاف کر دے میں وعدہ کرتا ہوں کہ خدا کی قسم اب تیرے بعد میں کسی شخص کو بھی حقارت کی نظر سے نہیں دیکھوں گا! (ابن خلکان ج1 ص176)

نتیجہ:۔ "داؤد ظاہری" کا فیصلہ بالکل صحیح ہے کہ کسی کو شکستہ حالی اور بوسیدہ لباس میں دیکھ کر ہرگز کبھی حقیر نہیں سمجھنا چاہئے۔ بہت سے باکمال پھٹے پرانے کپڑوں میں شکستہ حال ہیں مگر اپنے علم و فضل کی مستی میں تمام دنیا سے فارغ البال ایسے خوش حال ہیں کہ:

پھٹے کپڑوں میں خنداں مثل گل ہیں
شرافت کیا بہار بے خزاں ہے

بزرگوں نے ایسے لوگوں کو "گدڑی میں لعل" کہا ہے اور بڑی سخت تاکید اور تنبیہ کی ہے کہ:

خاکساران جہاں را بحقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

یعنی دنیا کے خاکساروں کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو۔ تم کو کیا معلوم؟ کہ اس گرد میں کوئی سوار چھپا ہے اور پھٹے پرانے لباس میں کوئی باکمال شخص ہو۔ صرف صورت و لباس دیکھ کر کسی کے عیب و ہنر کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ انسان کے فضل و کمال کا جوہر تو گفتگو کے بعد ہی ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی نے اس فلسفہ کو اپنے ایک شعر میں بیان کر دیا ہے:

تامرد سخن نگفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

یعنی جب تک آدمی بات نہیں کرتا۔ اس وقت تک اس کا عیب و ہنر دونوں چھپے رہتے ہیں۔

استغفار اور اولاد

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات

کے لئے تشریف لے گئے تو آپ سے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک ملازم نے عرض کیا کہ اے شہزادۂ رسول! میں بہت دولت مند آدمی ہوں لیکن میرے کوئی اولاد نہیں ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ مجھے کوئی ایسا عمل تعلیم فرمائیے جس سے اللہ تعالیٰ مجھے اولاد عطا فرمائے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم استغفار پڑھا کرو اس شخص نے استغفار کی یہاں تک کثرت کی کہ روزانہ سات سو مرتبہ استغفار پڑھنے لگا۔ اس عمل کی برکت سے اس شخص کے مختلف بیویوں سے دس بیٹے ہوئے۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ تم نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ کیوں نہیں دریافت کیا کہ یہ عمل حضور نے کہاں سے دریافت فرمایا؟ چنانچہ جب دوسری مرتبہ اس شخص کو حضرت امام ممدوح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو اس نے یہ سوال دریافت کیا؟

حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے قرآن مجید میں حضرت ہود علیہ السلام کا یہ قول نہیں سنا؟ کہ **يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ.** (ہود) "یعنی اے میری قوم! تم اپنے رب سے استغفار کرو۔ پھر اس کی طرف رجوع ہو جاؤ تو وہ تم پر زور دار بارش بھیجے گا اور تم میں جتنی قوت ہے اس سے زیادہ دے گا۔" اور تم نے قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کا ارشاد نہیں سنا؟ **اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ.** (نوح) یعنی تم لوگ اپنے رب سے استغفار کرو بیشک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ تم پر زور دار بارش بھیجے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا! (روح البیان ج4 ص147)

ایک عمل چار حاجتیں

منقول ہے کہ ایک بار حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چار شخص حاضر ہوئے۔ ایک نے قحط کی شکایت کی۔ دوسرے نے کہا میں محتاجی سے تنگ ہوں۔ تیسرے نے کہا میرے کوئی اولاد نہیں ہے۔ چوتھے نے عرض کیا کہ میری زمین کھیتی اور باغ نہیں اگاتی۔ چاروں کی فریاد سن کر امام ممدوح رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگ استغفار پڑھا کرو۔ ربیع بن صبیح رضی اللہ عنہ حاضر خدمت تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا ابن رسول اللہ! لوگ مختلف قسم کی حاجتیں

لے کر آئے ہیں اور حضور نے سب کو ایک ہی دعا تعلیم فرمائی۔ یہ کیا معاملہ ہے؟ حضرت امام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ط یعنی تم لوگ اپنے رب سے استغفار کرو! بیشک وہ معاف فرمانے والا ہے۔ وہ تم پر زوردار بارش بھیجے گا اور مالوں سے اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لئے باغ اور نہریں تیار فرمادے گا۔

ربیع بن صبیح! دیکھ لو! اس آیت میں استغفار کے یہ چاروں فائدے بیان کئے گئے ہیں۔ بارش ہونا، مال ملنا، اولاد ہونا، باغ اگنا یہی چاروں کی حاجتیں تھیں اس لئے میں نے چاروں کو استغفار کا ایک ہی علم تعلیم کر دیا۔ (تفسیر صاوی ج2 ص250)

نتیجہ:۔ مذکورہ بالا دونوں حکایات سے حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی ایمان افروز دانائی بے مثال قرآن فہمی اور مجتہدانہ شان کا اعلان ہوتا ہے۔ کیوں نہ ہو؟ کہ جس گھر میں قرآن نازل ہوا اور جو صاحب قرآن کی آغوش میں پلا بڑھا ہو اس سے زیادہ قرآن کے رموز و اسرار کو کون جان سکتا ہے؟ مثل مشہور ہے کہ "صاحب البیت ادریٰ بما فی البیت" یعنی گھر والا ہی سب سے زیادہ اس بات کو جانتا ہے کہ گھر میں کیا ہے؟ سبحان اللہ!

ختم نبوت شاہِ زمن پر، ختم خلافت ذات حسن پر
دونوں مصحف حق کے خاتم ﷺ

نجومی گدھا

نصیر الدین طوسی جو عام طور پر "محقق طوسی" کے نام سے مشہور ہیں اور منطق و فلسفہ میں مسلم الثبوت علامہ شمار کئے جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ یہ کسی عالم ربانی کی زیارت کے لئے گئے۔ حاضرین مجلس نے ان کا بڑا احترام کیا اور لوگوں نے عالم ربانی سے ان کا تعارف اس طرح کرایا کہ یہ اس وقت سب سے زیادہ باکمال اور صاحب علم ہیں۔ عالم ربانی نے دریافت فرمایا کہ سب سے زیادہ ان کو کس علم میں کمال حاصل ہے؟

لوگوں نے کہا "علم نجوم" میں۔ یہ سنتے ہی عالم ربانی کو بڑی کوفت ہوئی اور انہوں نے ارشاد فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ سفید گدھا ان سے زیادہ علم نجوم کا ماہر ہوتا ہے۔ عالم ربانی کی اس گفتگو

سے انتہائی برہم ہو کر نصیر الدین طوسی اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے گھر کو روانہ ہو گئے۔ اتفاق سے اس سفر میں ایک گدھے والے کے مکان پر رات بسر کرنی پڑی۔ نصیر الدین طوسی نے مکان کے باہر صحن میں اپنا بستر جمایا تو ایک دم گدھے والا کہنے لگا کہ آپ مکان کے اندر بستر لگائیں کیونکہ عنقریب بڑی خوفناک بارش ہونے والی ہے؟ نصیر الدین طوسی نے پوچھا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ بارش ہونے والی ہے؟ گدھے والے نے یہ جواب دیا کہ صاحب! میرا یہ سفید گدھا جس رات تین مرتبہ اپنی دم آسمان کی طرف اٹھا دیتا ہے تو رات بھر بارش نہیں ہوتی اور جب یہ اپنی دم زمین کی طرف جھکا کر ہلاتا ہے تو میرا برسوں کا تجربہ ہے کہ اس رات ضرور زوردار بارش ہوتی ہے۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ہی شدید بارش شروع ہو گئی اور سیلاب آ گیا۔ اب نصیر الدین طوسی کو خیال آیا کہ واقعی عالم ربانی نے سچ ہی فرمایا تھا کہ سفید گدھا نصیر الدین طوسی سے زیادہ علم نجوم جانتا ہے۔ (روح البیان ج1 ص 197)

نتیجہ:۔ علماء ربانیین کی زبانوں سے نکلے ہوئے کلمات بے معنی نہیں ہوا کرتے وہ جو کچھ فرماتے ہیں اپنے نور بصیرت کی روشنی سے دیکھ کر اپنے مشاہدات بیان کرتے ہیں لہٰذا ان بزرگوں کی پرنور مجالس میں حاضر ہو کر ان کے کلمات طیبات کو بہت غور سے سننا چاہئے اور اگر کوئی بات اپنی فہم سے بالاتر نظر آئے تو اس کے ردّ و انکار میں نہ جلدی کرنی چاہئے نہ کبیدہ خاطر ہونا چاہئے بلکہ پورے سکون کے ساتھ انتہائی غور و فکر کر کے ہمیشہ اس بات پر دھیان رکھنا چاہئے! کیوں؟ اس لئے کہ: ؎

جہاں میں بندۂ حر کے مشاہدات ہیں کیا
تیری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہیے

چند کتابوں کے پڑھ لینے سے ہر شخص "عالم ربانی" نہیں ہو جاتا۔ علم اور چیز ہے اور علم کے نور سے شرح صدر ہو کر صاحب فراست اور اہل بصیرت ہو جانا اور چیز ہے۔ یہ ایک فضل خداوندی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ جس پر اپنا فضل فرماتا ہے وہی اس رتبہ کی بلندی پر پہنچتا ہے تو وہ عالم ربانی کے جلیل القدر لقب سے سرفراز ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے ؎

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے   کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کر تو! کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

عالمانہ فراست

حضرت امام احمد بن حنبل اور حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہما دونوں جامع مسجد میں تھے کہ ناگہاں ایک اجنبی مسجد میں داخل ہوا تو حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میری فراست یہ کہتی ہے کہ یہ شخص "لوہار" ہے اور میری فراست یہ کہتی ہے کہ یہ شخص "بڑھئی" ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔

یہ شخص جب نماز سے فارغ ہو گیا تو لوگوں نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارا پیشہ کیا ہے، تو اس نے بتایا کہ سال گزشتہ تک تو میں بڑھئی کا کام کرتا رہا۔ مگر امسال سے میں نے "لوہاری" کا پیشہ اختیار کر لیا ہے۔ (نزہتہ المجالس ج1 ص120)

نتیجہ:۔ یہ وہی نور علم کی فراست ہے جس کا تذکرہ آپ نے پڑھا۔ علماء ربانیین کے ایسے سینکڑوں واقعات ملیں گے کہ وہ انسانوں کی صورت دیکھتے ہی پیشہ اور اعمال وافعال تو کجا؟ ان کے دلوں کے اندر چھپے ہوئے خطرات اور خیالات کو بھی اپنے نور فراست سے بھانپ لیتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ:

دل زندۂ و بیدار اگر ہو تو بتدریج بندے کو عطا کرتے ہیں چشم نگراں اور
احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور

گئے تو کنگال آئے تو مالا مال

حضرت نضر بن شمیل رحمتہ اللہ علیہ (متوفی 203ھ) حدیث و فقہ، نحو و شعر وغیرہ علوم و فنون کے مانے ہوئے استاد وقت تھے۔ لیکن بہت ہی سادہ مزاج تھے۔ ایک مرتبہ مدت کا بوسیدہ، میلا کچیلا لباس پہنے ہوئے بے دھڑک خلیفہ بغداد مامون رشید کے دربار شاہی میں داخل ہو گئے، مامون نے پہلے تو ان کے لباس پر اظہار حیرت کرتے ہوئے انہیں ٹوکا۔ لیکن پھر ایک استاد حدیث کی صحبت کو غنیمت جان کر علم حدیث کا تذکرہ شروع کر دیا اور اپنی سند سے ایک حدیث سنائی مگر "سداد" کے لفظ کو جو اس حدیث میں تھا۔ سداد زبر کے ساتھ پڑھ دیا۔ حضرت نضر بن شمیل رحمتہ اللہ علیہ نے مامون رشید کو اس کی غلطی پر متنبہ کرنے کے لئے اپنی سند سے اسی

حدیث کو پڑھا اور سداد کو زیر کے ساتھ پڑا۔ مامون دفعتاً چونکا اور سنبھل کر بیٹھ گیا اور حضرت نضر بن شمیل رحمتہ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ کیا سداد زبر کے ساتھ غلط ہے؟ حضرت نضر بن شمیل رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جی ہاں۔ آپ کے استاد "ہشیم" نے آپ کو غلط بتایا۔ مامون نے کہا کیا سِداد اور سَداد ان دونوں لفظوں کے معنی میں کچھ فرق ہے؟ حضرت نضر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جی ہاں سَداد زبر کے ساتھ سیدھا راستہ چلنے کے معنی میں ہے اور سداد زیر کے ساتھ رکاوٹ ڈالنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ مامون نے کہا کہ اس کی کوئی سند بھی آپ پیش کر سکتے ہیں؟ تو حضرت نضر رحمتہ اللہ علیہ نے فوراً عربی کا یہ شعر پڑھ دیا:

اَضَاعُوْنِیْ وَاَیَّ فَتًی اَضَاعُوْا

لِیَوْمِ کَرِیْهَةٍ وَّ سِدَادِ ثَغْرٍ

اور فرمایا کہ امیر المومنین! آپ ملاحظہ فرمائیے کہ اس شعر میں "سداد" کا لفظ آیا ہے جو سرحد پر دشمن کو روکنے والی چیز کے معنی میں ہے۔ مامون اپنی غلطی پر شرمندہ ہو گیا اور کہا خدا اس کا برا کرے جس کو فن ادب نہیں آتا۔ پھر مامون نے حضرت نضر رضی اللہ عنہ سے مختلف مضامین کے اشعار سنے اور رخصت ہونے کے وقت اپنے وزیر اعظم فضل بن سہل کو رقعہ لکھ دیا کہ پچاس ہزار درہم حضرت نضر رحمتہ اللہ علیہ کو عطا کیے جائیں۔ حضرت نضر یہ فرمان شاہی لے کر فضل کے پاس تشریف لے گئے۔ اس نے رقعہ دیکھ کر پوچھا کہ آپ نے امیر المومنین کی غلطی ثابت کی؟ حضرت نضر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غلطی تو ہشیم نے کی۔ امیر المومنین پر کیا الزام ہے؟ فضل نے یہ سن کر تیس ہزار درہم اپنی طرف سے مزید نذر کیے۔ اس طرح صرف ایک غلطی بتانے پر حضرت نضر بن شمیل کو اسی ہزار درہم ملے۔

(تاریخ الخلفاء سیوطی المامون جلد 2 ص 142)

نتیجہ:۔ علماء سلف کی یہ شان تھی کہ غلطیوں پر بادشاہوں کو ٹوک دینے میں بھی ان کو خوف و ہراس دامن گیر نہیں ہوتا تھا اور اسلامی حکومت کے سلاطین و امراء کا یہ طرز عمل بھی تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ وہ غلطیوں پر متنبہ کرنے سے برہم نہیں ہوتے تھے بلکہ نہایت جذبہ تشکر کے ساتھ اپنی غلطیوں کو تسلیم کر کے اپنی اصلاح کر لیتے تھے اور علماء دین کا ان کے دلوں میں کتنا عظیم احترام تھا؟ حضرت نضر بن شمیل رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ مامون اور فضل کا

یہ طرز عمل اس کی تابناک اور ناقابل فراموش مثال ہے۔ یہ تاریخی واقعہ اس دور کے متکبر مال داروں کے لئے تازیانہ عبرت ہے۔ جو علماء کرام کو حقارت کی نظروں سے دیکھنا اپنے لئے سرمایہ افتخار سمجھتے ہیں۔ خداوند کریم ان لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے کہ علماء حق کی قدر و منزلت در حقیقت علم دین کی عزت ہے اور علم دین کی تعظیم در حقیقت اللہ عزوجل اور اس کے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کی تعظیم ہے مگر افسوس کہ دولت کے نشہ اور سیاست کے چکر نے مسلمانوں کی دنیائے ایمان پر ایسی بمباری کر دی ہے کہ ایمانی محل کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور اب تو حال یہ ہے کہ: ۔

نہ احساس شریعت ہے، نہ اب تبلیغ سنت ہے — جدھر دیکھوں زبانوں پر سیاست ہی سیاست ہے

فقط اتنا سیاسی لیڈروں سے پوچھتا ہوں میں — حکومت سے ہے مذہب یا کہ مذہب سے حکومت ہے

ہُدہُد کی ولادت

حافظ الحدیث ابوقلابہ عبدالملک بن محمد رقاش کی والدہ ماجدہ نے حمل کی حالت میں یہ خواب دیکھا کہ ان کی گود میں ہدہد پرندہ تولد ہوا ہے۔ جب انہوں نے تعبیر دینے والوں سے اپنے اس خواب کی تعبیر دریافت کی تو معتبرین نے یہ تعبیر دی کہ تمہارے شکم سے ایک ایسا فرزند تولد ہوگا جو بہت بڑا عالم اور بہت ہی نمازی ہوگا۔ چنانچہ "ابوقلابہ" پیدا ہوئے۔ ان کی علمی جلالت کا یہ عالم تھا کہ ساٹھ ہزار حدیثیں ان کو زبانی یاد تھیں۔ جن کو یہ ہمیشہ اپنے درس حدیث میں زبانی فرما دیا کرتے تھے اور ان کے نمازی ہونے کی یہ کیفیت تھی کہ روزانہ چار سو رکعات نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔ 276ھ میں یہ علم و عمل کا آفتاب غروب ہو گیا۔ (روح البیان ج6 ص340)

نتیجہ :۔ ہدہد بہت ہی مبارک پرندہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں زمین کو دیکھ کر یہ بتا دیا تھا کہ یہاں کتنی گہرائی میں پانی ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط جو آپ نے بلقیس کے پاس روانہ فرمایا تھا۔ ہدہد ہی اس خط کو لے کر بلقیس کے پاس گیا تھا۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ ہدہد کو خواب میں دیکھنا بہت ہی مبارک ہے!

میں ہدہد سے چھوٹا نہیں

حسن بن الفضل جو ابھی بہت ہی کم عمر تھے۔ ایک مرتبہ خلیفہ بغداد کے دربار میں پہنچے تو

دیکھا کہ وہاں بڑے بڑے معمر باکمال علماء کا مجمع ہے۔ حسن بن الفضل نے کوئی گفتگو شروع کی تو خلیفہ نے بگڑ کر زور سے ڈانٹا کہ میرے سامنے اکابر علماء کی موجودگی میں ایک بچہ بولنے کی جرأت کر رہا ہے؟ حسن بن الفضل خلیفہ کی ڈانٹ سے نہ گھبرائے نہ ہی مرعوب ہوئے بلکہ برجستہ عرض کیا کہ اے امیر المومنین! میں ہدہد سے چھوٹا نہیں اور آپ سلیمان علیہ السلام سے بڑے نہیں۔ آخر ہدہد نے بھی تو حضرت سلیمان علیہ السلام یہ کہا تھا کہ اَحَطْتُّ بِمَالَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ۞ یعنی میں نے وہ بات دیکھی جو حضور نے نہیں دیکھی ہے اور میں ملک سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں اور اے امیر المومنین! کیا آپ نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ اللہ عزوجل نے ایک مقدمہ کا فیصلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو سمجھادیا جو ان کے والد حضرت داؤد علیہ السلام کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ اگر علم بوڑھے اور عمر دراز لوگوں کا ہی حصہ ہوتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے زیادہ حق دار حضرت داؤد علیہ السلام تھے۔ حسن بن الفضل کی اس حاضر جوابی پر خلیفہ اور حاضرین دربار حیران رہ گئے۔

(مستطرف ج1 ص45)

نتیجہ:۔ بزرگی کا دارومدار سن و سال پر نہیں ہے بلکہ علم و عقل کا کمال درحقیقت انسان کی بزرگی کا معیار ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مقولہ ہے کہ:

"سخاوت بہ دل است نہ بہ مال و بزرگی بہ عقل است نہ بسال"

حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ دمشق نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

تَعَلَّمْ فَلَيْسَ الْمَرْءُ يُوْلَدُ عَالِمًا
وَلَيْسَ اَخُوْعِلْمٍ كَمَنْ هُوَ جَاهِلٌ
فَاِنَّ كَبِيْرَ الْقَوْمِ لَا عِلْمَ عِنْدَهٗ
صَغِيْرٌ اِذَا لْتَفَّتْ عَلَيْهِ الْمَحَافِلُ

یعنی علم سیکھو۔ کیونکہ کوئی شخص اپنی ماں کے پیٹ سے علم لے کر نہیں آیا اور علم والا اور جاہل دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ پوری قوم میں بڑا بوڑھا آدمی اگر وہ صاحب علم نہیں ہے تو وہ تمام محفلوں میں چھوٹا شمار کیا جائے گا!

اس حکایت میں "حسن بن الفضل" کی جرأت رندانہ دور حاضر کے علماء حق کے لئے مشعل ہدایت ہے کہ علماء کو کبھی کسی مجلس میں بھی "احساس کمتری" میں مبتلا ہو کر ہر گز ہر گز مرعوب

نہیں ہونا چاہئے بلکہ اگر کوئی وزن دار بات خیال میں آئے تو سیٹھوں، مال داروں، لیڈروں سب کے سامنے بلا دھڑک اور بلا جھجک کے کہہ دینا چاہئے کیونکہ بات کا وزن بڑے بڑے سربلندوں کو پہاڑ بن کر کچل دیتا ہے۔ ڈاکٹر محمد اقبال نے کیا خوب کہا ہے: ؎

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ "حکیم سر بجیب ، ایک" کلیم سر بکف

عورت نے ٹھیک کہا مرد نے غلطی کی

علامہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب "المنتظم" میں تحریر فرمایا کہ ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں برسر منبر یہ اعلان فرمایا کہ چونکہ جگر گوشہ رسول حضرت فاطمہ بتول رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر چار سو درہم تھا اس لئے کوئی شخص اس سے زیادہ عورتوں کا مہر مقرر نہ کرے۔ اگر کسی نے اس سے زیادہ مہر مقرر کیا تو میں وہ رقم ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دوں گا۔ یہ فرمان فاروقی سن کر تمام حاضرین خاموش رہے مگر ایک علم والی عورت کھڑی ہو گئی اور اس نے کہا کہ اے امیر المومنین اللہ عزوجل نے تو قرآن مجید میں فرمایا کہ وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰھُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا ۝ یعنی اگر عورتوں کو تم لوگوں نے مہر میں کثیر مال دیا تو اس میں سے کچھ نہ لو۔ تو اے امیر المومنین! آپ کے لئے یہ کس طرح حلال ہو سکتا ہے؟ کہ چار سو درہم سے زیادہ جو مہر ہو گا اس کو آپ ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیں گے۔

امیر المومنین نے عورت کی یہ تقریر سن کر فرمایا کہ اِمْرَاَةٌ اَصَابَتْ وَرَجُلٌ اَخْطَاَ یعنی ایک عورت نے ٹھیک کہا اور ایک مرد (میں) نے غلطی کی۔ (منتظر ف ج1 ص56)

نتیجہ:۔ اس حکایت نے دور حاضر کی جمہوریت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا کہ "خلفائے راشدین" کے دور حکومت میں آزادی تقریر و اظہار خیال کی حریت کا یہ عالم تھا کہ ایک عورت مجمع عام میں حکومت کے سب سے بڑے سربراہ امیر المومنین کو اس کی غلطی پر ٹوک سکتی تھی اور خلفائے راشدین کی حق پسندی و حق پرستی کی یہ کیفیت تھی کہ ہزاروں لاکھوں عوام کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کر لینے کو وہ اپنے لئے اعزاز و اکرام کی سربلندی تصوری کرتے تھے اور خوش ہو کر بلا جھجک اپنی غلطی کا اقرار کر لیتے تھے مگر افسوس کہ آج تو اسی بات کا رونا ہے کہ: ؎

یہاں مرض کا سبب ہے "غلامی و تقلید" وہاں مرض کا سبب ہے "نظام جمہوری"
نہ مشرق اس سے بری ہے نہ مغرب اس سے بری جہاں میں عام ہے قلب و نظر کی "رنجوری"

ایک عورت کا ذوق علمی

امام مالک اور خواجہ حسن بصری رحمہما اللہ تعالیٰ کے استاد "ربیعۃ الرائے" ابھی اپنی والدہ کے شکم میں ہی تھے کہ ان کے والد "عبدالرحمٰن فروخ" جہاد کے لئے خراسان چلے گئے اور مسلسل ستائیس برس تک جہاد ہی میں رہے۔ جب وہ لوٹے تو جس بچے کو شکم مادر میں چھوڑ کر گئے تھے۔ وہ بڑا ہو کر اپنے دور کا امام الحدیث بن چکا تھا۔

عبدالرحمٰن فروخ ستائیس برس کے بعد جہاد سے لوٹ کر مدینہ منورہ اپنے مکان پر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب ربیعۃ الرائے نے دروازہ کھولا تو یہ دیکھا کہ ایک فوجی گھوڑے پر سوار نیزہ ہاتھ میں لئے کھڑا ہے جو دروازے کھلتے ہی میرے مکان میں بے تکلف داخل ہونے لگا۔ ربیعہ نے ڈانٹا تو کون ہے تو کس طرح مکان میں گھسا پڑتا ہے عبدالرحمٰن فروخ نے نیزہ تان کر کہا کہ میرا مکان ہے یہاں تیرا کیا کام؟ غرض بات بڑھ گئی تو پڑوسی جمع ہو گئے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی استاد کا معاملہ سمجھ کر دوڑ پڑے اور نہایت نرمی سے سمجھانے لگے کہ بڑے میاں! اگر آپ کو ٹھہرنا ہی مقصود ہے تو کسی اور مکان میں ٹھہر جایئے عبدالرحمٰن فروخ نے جواب دیا کہ جناب! یہ میرا ہی مکان ہے اور میرا نام عبدالرحمٰن فروخ ہے۔

ربیعہ کی والدہ نے نام سن کر جو اندر سے دیکھا تو پہچان کر بولیں کہ ارے یہ تو ربیعہ کے باپ ہیں۔ پھر تو کیا تھا؟ باپ بیٹے دونوں گلے مل کر خوب روئے اور دونوں گھر میں داخل ہوئے۔ عبدالرحمٰن فروخ جب اطمینان سے بیٹھ گئے تو ان کو وہ تیس ہزار اشرفیاں یاد آئیں جو جہاد کے لئے روانگی کے وقت بیوی کو سونپ گئے تھے۔ چنانچہ بیوی سے پوچھا کہ میری امانت کہاں ہے؟ ہوشیار بیوی نے کہا گھبرایئے مت! میں نے اس کو ضائع نہیں کیا ہے۔ ربیعہ اس عرصے میں مسجد نبوی پہنچ کر اپنے حلقہ درس میں بیٹھ چکے تھے اور تلامذہ کا ایک ہجوم جس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگ شامل تھے۔ شیخ کو گھیرے ہوئے تھا۔ عبدالرحمٰن فروخ جو نماز پڑھنے کے لئے مسجد نبوی میں گئے تو یہ منظر دیکھا اور بڑی دیر تک شوق کی نگاہوں

سے اس نورانی مجمع کو دیکھتے رہے۔ ربیعہ کے سر پر ایک اونچی ٹوپی تھی اور وہ سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے اس لئے عبدالرحمٰن فروخ انہیں پہچان نہیں سکے اور حاضرین سے پوچھا یہ شیخ الحدیث کون ہیں؟ سامعین نے جواب دیا کہ ربیعہ بن عبدالرحمٰن فروخ۔ یہ سن کر عبدالرحمٰن فروخ کو جو خوشی حاصل ہوئی ہوگی اس کو عالم الغیب کے سوا بھلا کون جان سکتا ہے؟ فرط مسرت میں ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا کہ لَقَدْ رَفَعَ اللّٰهُ اِبْنِیْ یقیناً خدا نے میرے بیٹے کو بہت بلند مرتبہ بنادیا۔ خوش خوش بیوی کے پاس آئے اور جو کچھ مسجد نبوی میں دیکھا تھا سارا ماجرا بیان کیا۔ اس وقت بیوی نے کہا کہ سچ سچ بتایئے؟ آپ کو کیا پسند ہے، بیٹے کی یہ شان یا تیس ہزار اشرفیاں؟ عبدالرحمٰن فروخ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں اپنے نور نظر کی شان کو لاکھوں اشرفیوں سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔ بیوی نے کہا کہ میں نے تمہاری وہ تیس ہزار اشرفیاں ربیعہ کی تعلیم پر صرف کردی ہیں۔ زندہ دل شوہر نے خوشی سے اچھل کر کہا کہ "وَاللّٰهِ مَا ضَیَّعْتَه" خدا کی قسم تم نے ان اشرفیوں کو ضائع نہیں کیا۔ (ابن خلکان ج1 ص183)

نتیجہ:۔ ایک مسلمان خاتون کا یہ علمی ذوق دور حاضر کی خواتین اسلام کے لئے رشد و ہدایت کا دفتر ہے۔ افسوس! "امت مسلمہ" اس دور میں کتنے خوف ناک دور کا شکار ہو گئی کہ آج کی مائیں اپنے بچوں کے نفیس لباس اور ان کی شادیوں کی دھوم دھام پر دولت لٹا کر خوش ہوتی ہیں اور بچوں کی تعلیم و تربیت کی انہیں کچھ فکر ہی نہیں رہتی۔ سلف صالحین کا وہ زمانہ کتنا بابرکت دور تھا۔ جب ربیعہ کی والدہ جیسی مائیں ہوا کرتی تھیں۔ اللہ اکبر! سچ ہے:۔

یہ وہ مائیں تھیں جن کی گود میں اسلام پلتا تھا! اسی غیرت سے انسان نور کے سانچے میں ڈھلتا تھا

مفلسی کا علاج

مشہور محدث ہدبہ بن خالد کو خلیفہ بغداد مامون رشید نے اپنے دستر خوان پر مدعو کیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب دستر خوان اٹھایا گیا تو طعام کے دو ٹکڑے جو زمین پر گر گئے تھے۔ محدث موصوف نے اٹھا اٹھا کر کھانا شروع کر دیئے۔ مامون نے حیران ہو کر کہا کہ اے شیخ! کیا آپ ابھی آسودہ نہیں ہوئے؟ آپ نے فرمایا کہ کیوں نہیں! لیکن مجھ سے حماد بن سلمہ نے ایک حدیث بیان فرمائی ہے "قَالَ سَمِعْتُ عن انس بن مالك قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من التَقَطَ مَا تَحْتَ مَائِدَتِهٖ اَمِنَ الْفَقْرَ" یعنی جو شخص دستر خوان کے

نیچے گرے ہوئے ٹکڑوں کو چن چن کر کھائے گا۔ وہ مفلسی وفاقہ کشی سے بے خوف ہو جائے گا۔ میں اسی حدیث پر عمل کر رہا ہوں۔ یہ سن کر مامون بے حد متاثر ہوا اور اپنے ایک خدام کی طرف اشارہ کیا تو اچانک ایک ہزار دینار رومال میں باندھ کر لایا۔ مامون نے اس کو ہدبہ بن خالد کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کر دیا۔ ہدبہ بن خالد نے فرمایا کہ یہ اسی حدیث پر عمل کی برکت ہے۔ (ثمرات الاوراق ج1 ص8)

نتیجہ :۔ بعض وہ سنتیں ہیں جن کو مغرب زدہ ذہنیت والے مال دار اپنی فرعونیت سے خلاف تہذیب سمجھتے ہیں۔ مثلاً کھانے کے بعد برتن صاف کرنا، انگلیاں چاٹنا، ڈھیلوں سے استنجا کرنا، دیندار مسلمان خصوصاً علماء ومشائخ کو چاہئے کہ وہ پابندی کے ساتھ ان سنتوں پر عمل کریں اور ہرگز ہرگز متکبرین سے مرعوب ہو کر ان سنتوں کو ترک نہ کریں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس سنتوں پر عمل کرنے سے صرف آخرت کا ہی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ ثواب آخرت کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی خداوند عالم اس کو دنیاوی منفعت کا ذریعہ بھی بنا دیتا ہے۔ جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ہدبہ بن خالد نے ایک بادشاہ کے دربار میں بھی ایک ایسی سنت پر عمل کرنے کو ترک نہیں فرمایا جس کو اہل دنیا اپنی جہالت وحماقت سے خلاف تہذیب سمجھتے رہے ہیں۔ مولیٰ عزوجل نے ان کے اس سنت پر عمل کو ان کی مالداری کا ذریعہ بنا دیا کہ انہیں ایک ہزار دینار مل گئے۔ سچ ہے: ؎

ہمیں کرنی ہے شہنشاہِ بطحا کی رضا جوئی
وہ اپنے ہو گئے تو رحمت پروردگار اپنی

ایک محدث اور طفیلی

ایک مشہور محدث ابو عمرو جہضمی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ میرے پڑوس میں ایک طفیلی رہتا تھا میں جہاں بھی دعوت ولیمہ میں جاتا یہ شخص نہایت بہترین پوشاک پہن کر میرے ساتھ لگ جاتا۔ میرا خاص آدمی سمجھ کر لوگ اس کا بے حد احترام واکرام کرتے تھے۔

اتفاق سے ایک دن بصرہ کے گورنر جعفر بن قاسم ہاشمی کے یہاں ختنہ کی تقریب میں میری دعوت تھی۔ جیسے ہی گورنر کا قاصد مجھے بلانے کے لئے آیا۔ یہ طفیلی صاحب نہایت نفیس لباس پہن کر میرے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ اس دن مجھے بڑا غصہ آیا اور میں نے عزم کر لیا کہ آج اس کو ذلیل کر دوں تا کہ کسی طرح سے میرا پیچھا چھوٹ جائے۔ چنانچہ جب دستر خوان لگ گیا اور

تمام علماء و مشائخ اور اکابر بصرہ تناول فرمانے لگے تو میں نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث پڑھ دی کہ حدثنی درستۃ بن زیاد عن ابان طارق عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من دخل دار قوم بغیر اذنھم فاکل طعامھم دخل سارقاً وخرج مغیراً ● یعنی جو شخص بلا اجازت کسی کے گھر میں داخل ہوا اور ان کا کھانا کھالیا تو وہ چور بن کر داخل ہوا اور ڈاکو بن کر نکلا۔ یہ حدیث سن کر طفیلی ایک دم غصہ سے برہم ہو گیا اور مجھ پر بگڑ کر کہنے لگا کہ اے ابو عمرو! خدا کی قسم یہ حدیث صرف مجھے رسوا کرنے کے لئے پڑھی ہے جس کا ایک راوی "درسہ بن زیاد" ضعیف ہے اور ایک راوی ابان بن شارق متروک ہے اور پھر یہ حدیث اجماع مسلمین کے بھی خلاف ہے کیونکہ کسی امام کا بھی یہ مذہب نہیں ہے کہ بغیر دعوت اور بلا اجازت کسی کے گھر میں داخل ہو کر اس کے مہمانوں کے ساتھ کھانا کھا لینے والے کو چور قرار دے کر اس کا ہاتھ کاٹا جائے یا اس کو ڈاکو کی سزا دی جائے۔

اے ابو عمرو! آخر تم کو اس وقت یہ حدیث کیوں نہیں یاد آئی؟

حدثنا ابوعاصم عن ابن جریج عن الزبیر عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعام الواحد یکفی الاثنین وطعام الاثنین یکفی الاربعۃ وطعام الاربۃ یکفی الثمانیۃ۔

یعنی ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کو اور دو آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کو اور چار آدمیوں کا آٹھ آدمیوں کو کافی ہوتا ہے۔ اس حدیث کا متن اور سند بالکل صحیح ہے۔ ابو عمر جہضمی فرماتے ہیں کہ اس طفیلی نے حاضر جوابی اور چرب زبانی سے مجھے حیران اور لاجواب کر دیا مگر کھانے کے بعد جب ہم گورنر کے محل سے روانہ ہوئے تو میرے پیچھے پیچھے چلنے کے بجائے مجھ سے دور دور سڑک کی دوسری جانب چلنے لگا اور مجھے سنا سنا کر بار بار وہ یہ شعر پڑھتا رہا:

وَمَنْ ظَنَّ مِمَّنْ يُلَاقِي الْعُرُوْبَ
بِاَنْ لَا يُصَابَ فَقَدْ ظَنَّ عَجْزاً

یعنی جو شخص یہ خیال کر کے جنگ میں کود پڑے کہ مجھے چوٹ نہیں لگے گی تو اس کا یہ گمان بہت بڑی کم عقلی کی بات ہے۔ (ثمرات الاوراق ج1 ص155)

نتیجہ:۔ اس حکایت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگلے مسلمانوں میں علم حدیث کا اس قدر چرچا

اور ذوق تھا کہ معمولی کلاس کے مسلمان بھی سینکڑوں احادیث زبانی یاد رکھتے تھے اور معانی حدیث پر انہیں اس قدر عبور حاصل تھا کہ وہ بر محل احادیث کو پڑھ کر اس سے اپنے مدعا پر استدلال بھی کرتے تھے اور راویوں کے جرح و تعدیل کا بھی انہیں ملکہ حاصل رہتا تھا۔ مگر افسوس! کہ آج وہ دن آگئے کہ عوام تو عوام، بعض علماء کرام بھی علم حدیث کے اس نورانی ذوق سے محروم نظر آتے ہیں اور دور حاضر کے بعض علماء کہلانے والوں کے مبلغ علم کو دیکھ کر بے اختیار زبان پر یہ شعر آجاتا ہے کہ ؎

ہوا حریف مہ و آفتاب تو جس سے
رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ درخشانی

امام فریابی رحمۃ اللہ علیہ کا استقبال

مشہور امام الحدیث ابو بکر جعفر بن الحسن ترکی جو عام طور پر امام فریابی رحمتہ اللہ علیہ کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ یہ ترکستان سے سفر کر کے تحصیل علم کے لئے مصر گئے اور فن حدیث کے امام بن گئے "ابو حفص زیات محدث کہتے ہیں کہ جب امام فریابی رحمتہ اللہ علیہ بغداد میں تشریف لائے تو طبل و طنبورہ بجا کر عوام و خواص نے ان کا نہایت ہی پر شکوہ اور شاندار استقبال کیا اور بغداد میں ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جب شارع المنار نامی جگہ پر یہ درس حدیث کے لئے بیٹھے تو ان کے حلقہ درس میں روزانہ تقریباً بیس ہزار کا مجمع ہوتا تھا اور درس میں تین سو مستملی ہوتے تھے۔ جو شیخ کی آواز کو حاضرین تک پہنچاتے رہتے۔ 301ھ میں یہ فضل و کمال کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ اپنی زندگی ہی میں قبر تیار کرا لی تھی اور اسی قبر میں مدفون ہیں۔"

(تذکرۃ الحفاظ ج2 ص337)

ابو مسلم کجی کی درس گاہ

احمد بن جعفر ناقل ہیں کہ جب ابو مسلم بصری محدث بغداد میں تشریف لائے اور رحبہ غسان کے وسیع میدان میں انہوں نے حدیث کا درس شروع کیا تو ان کے درس میں حاضرین کی کثرت کا یہ حال تھا کہ سات مستملی کھڑے ہوتے جن میں سے ہر ایک دوسرے کو شیخ کی آواز پہنچاتا تھا اور لوگ کھڑے کھڑے حدیثیں لکھنے میں مصروف تھے آدمیوں کی تعداد کا اندازہ لگانے

کے لئے اس میدان کی پیائش کی گئی اور دواتیں گنی گئیں تو کچھ اور چالیس ہزار ہوئیں۔ جو لوگ لکھتے نہیں تھے صرف حدیثیں سن رہے ہیں۔ وہ اس گنتی سے الگ ہیں۔ 292ھ میں تقریباً سو برس کی عمر پاکر وصال فرمایا اور لوگوں نے ان کے جنازہ کو بغداد سے بصرہ لا کر دفن کیا۔

(تذکرۃ الحافظ ج2 ص177)

نتیجہ :۔ محدثین سلف کی درس گاہوں میں کثرت ہجوم کی ہزاروں مثالوں میں سے مذکورہ بالا دو واقعات ناظرین کی عبرت کے لئے نقل کر دیئے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ جب مسلمانوں کے سینوں کے صندوق اور دلوں کی تجوریاں ایمان اور اعمال صالحہ کی دولتوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اس وقت کے مسلمانوں کو علم دین اور حدیث کی درس گاہوں اور علماء اسلام سے کتنا گہرا اور والہانہ عشق و لگاؤ تھا کہ شہر میں کسی نئے محدث کی آمد پر اتنی چہل پہل ہو جایا کرتی تھی اور لوگ پروانوں کی طرح اس محدث کی درس گاہ میں اپنا کام دھندا چھوڑ کر ٹوٹ پڑتے تھے۔ مگر آج جب کہ مسلمانوں کی تجوریاں نوٹوں کی گڈیوں سے بھری ہوئی ہیں لیکن دلوں کی دنیا میں عشق رسول ﷺ کا چراغ گل اور سینوں میں جذبات ایمان کی آگ بجھ چکی ہے تو اسی قوم مسلم کا یہ حال ہے کہ اندرا گاندھی اور دوسرے لیڈروں کے لیکچروں میں تو ایک ایک لاکھ کے اجتماع کی رپورٹیں ملتی ہیں مگر وعظ کے جلسوں اور حدیث کی درس گاہوں میں بجز چند غرباء اور چند مفلس طلبہ کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔

اکبر آلہ آبادی مرحوم نے اسی صورت حال پر طنز کرتے ہوئے برسوں پہلے فرمایا تھا کہ: ۔

رونق اسلام کا کیا حال کہوں تم سے
کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط جمن ۔

مگر اس انقلاب کا ثمرہ بھی یہ ہے کہ جب تک مسلمانوں کو اپنے دین سے والہانہ تعلق تھا اور خدا اور رسول ﷺ کے عشق و محبت میں دیوانہ وار، پروانوں کی طرح قرآن و حدیث کی شمع پر نثار و قربان رہتے تھے تو وہ تخت و تاج والے، سلطنت اور راج والے تھے۔ خداوند عالم کے حفظ و امان میں دونوں جہان کی دولت لازوال سے مالا مال تھے اور ہر قدم پر ان کی حمایت و نصرت کے لئے آسمان سے فرشتوں کی فوج فتح مبین کا تحفہ لے کر اتر پڑتی تھی لیکن آج جب مسلمان علوم و اعمال اسلام سے برگشتہ اور اللہ و رسول ﷺ سے منحرف ہو کر، دنیاداری کی گندی سیاست کے طاغوت

کا پجاری بن گئے ہیں اور علمائے حق کے دامن رحمت سے بچھڑ کر لیڈروں کی ٹھوکروں میں سر بسجود ہو کر ان کے بوٹ چاٹ رہے ہیں تو خدا اور رسول ﷺ کی رحمت بھی مسلمانوں سے روٹھ گئی اور آسمانی فوج نے بھی مسلمانوں کی حفاظت اور ان کی نصرت و حمایت سے ہاتھ کھینچ لیا اور آج مسلمان کا بچہ بچہ بے کسی اور بے بسی کے عالم میں ہر طرف زبان حال سے یہ کہتا پھرتا ہے کہ: ؎

شہر میں چین، نہ جنگل میں اماں ملتی ہے
دیکھئے؟ قبر مسلمانوں کو کہاں ملتی ہے

مسلمانو! خدا کے لئے ہوش میں آؤ! خدارا خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور اپنے سلف صالحین کی طرح علم دین سے والہانہ عشق پیدا کرو۔ خود بھی علم دین پڑھو اور اپنی اولاد کو بھی علم دین پڑھاؤ اور اعمال صالحہ کی دولت کما کر دولت ایمان و اسلام کے سچے خادم بن جاؤ اور خدا اور رسول کے دامان رحمت میں آکر اپنی حفاظت اور فتح و نصرت کا سامان کرلو۔ ورنہ یاد رکھو کہ تم سنو یا نہ سنو مگر وقت کا منادی چلا چلا کر یہ اعلان کر رہا ہے کہ ؎

نہ سنبھلو گے تو مٹ جاؤ گے اے غافل مسلمانو!
تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

کم عُمر قاضی

قاضی یحییٰ بن اکثم کو خلیفہ بغداد نے بیس برس کی عمر بصرہ کا قاضی بنا کر بھیج دیا تو وہاں کے عوام نے ان کو کم عمر قاضی کہنا شروع کر دیا۔ چنانچہ کسی منہ پھٹ نے بھرے مجمع میں ان سے سوال کر دیا کہ قاضی صاحب! آپ کی عمر کتنی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ سے بڑا ہوں جن کو حضور اقدس ﷺ نے فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ کا قاضی بنا دیا تھا اور میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے بھی عمر دراز ہوں جن کو حضور اکرم ﷺ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیج دیا تھا اور حضرت کعب بن مسور سے بھی میری عمر کچھ زیادہ ہی ہے جن کو امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسی بصرہ کا قاضی بنایا تھا۔

قاضی یحییٰ بن اکثم کا یہ جواب سن کر لوگوں نے آپ کو کم عمر قاضی کہنا چھوڑ دیا اور آپ اہل بصرہ کی نظروں میں معزز و مکرم ہو گئے! (ثمرات الاوراق ج1 ص146)

قاضی ایاس کی دانائی

قاضی ایاس بن معاویہ نے کم سنی کی حالت میں قاضی دمشق کی کچہری میں ایک بوڑھے آدمی پر اپنے حق کا دعویٰ کر دیا اور قاضی دمشق کے سامنے یہ کہا کہ اس بوڑھے نے میرے اوپر ظلم کیا ہے اور میرا مال کھا ڈالا ہے۔ قاضی دمشق نے ایاس بن معاویہ کو بڑے زور سے ڈانٹا کہ تم اتنے بوڑھے آدمی کے مقابلہ میں ایک کم عمر لڑکے ہو کر اس زور شور سے کام کرتے ہو؟ ایاس بن معاویہ نے عرض کیا کہ قاضی صاحب میں اگرچہ چھوٹا ہوں مگر حق مجھ سے، ان سے، آپ سے، سب سے بڑا ہے۔ قاضی دمشق نے کہا کہ تم چپ ہو جاؤ ایاس بن معاویہ نے کہا کہ حضرت والا اگر میں چپ ہو جاؤں تو میں اپنے دعویٰ کو کس طرح پایہ ثبوت تک پہنچاؤں گا؟ قاضی دمشق نے غصہ میں بھر کر کہا کہ اچھا تو بولو، مگر خدا کی قسم! تم کوئی اچھی بات نہیں کرو گے۔ یہ سن کر ایاس بن معاویہ نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ پڑھا اور کہا کہ قاضی صاحب! آپ کی قسم ٹوٹ گئی۔ لیجئے میں جو بات بولا ہوں یہ کلمہ حق ہے۔ اس سے اچھی اور کون سی بات ہو سکتی ہے۔ آپ اپنی قسم کا کفارہ ادا کیجئے؟

قاضی دمشق لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے۔ جب خلیفہ دمشق کو اس واقعہ کی خبر پہنچی تو اس نے قاضی دمشق کو معزول کر کے ایاس بن معاویہ کو ان کی جگہ قاضی مقرر کر دیا۔

(ثمرات الاوراق ج1 ص157)

نتیجہ:۔ مذکورہ بالا دونوں واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر آدمی میں علم اور دانائی کا کمال موجود ہو تو ایک کم عمر آدمی بھی بڑے بڑے عہدہ پر پہنچ سکتا ہے اور ترقی جاہ کی بڑی سے بڑی منزلیں بھی طے کر سکتا ہے۔

طاقت ہو نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے
اے مرد خدا! ملک خدا تنگ نہیں ہے

کنویں کے اندر سے خطبہ

ایک دن خلیفہ بغداد متوکل باللہ اپنے درباریوں سے کہنے لگا کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے چند باتیں ایسی ہو گئیں کہ عام مسلمان ان سے ناراض ہو گئے۔ ان میں سے ایک

بات یہ بھی ہے کہ حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے منبر پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک سیڑھی نیچے اتر کر خطبہ پڑھا اور جب حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے دو سیڑھی نیچے اتر کر خطبہ ارشاد فرمایا مگر حضرت امیر المومنین عثمان غنی خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اسی سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ یہ سن کر حاضرین میں سے ایک زندہ دل درباری عالم نے فرمایا کہ اے امیر المومنین در حقیقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا آپ پر تو بہت ہی بڑا احسان ہے کیونکہ اگر وہ بھی منبر نبوی میں نیچے ایک سیڑھی لگوا کر اس پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے اور یہ دستور ہو جاتا کہ ہر پچھلا خلیفہ اپنے پہلے خلیفہ سے ایک سیڑھی نیچے اتر جائے اور زمین کھود کر منبر کے نیچے ایک سیڑھی کا اضافہ کر کے اس پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا کرے تو اب تک اتنے خلیفہ ہو چکے ہیں کہ آپ تو کنوئیں کے اندر سے خطبہ پڑھتے۔ یہ سن کر متوکل باللہ اور تمام مصاحبین ہنس پڑے اور قہقہوں کی آندھی میں متوکل باللہ کا اعتراض غبار بن کر اڑ گیا۔

(ثمرات الاوراق ج 1 ص 153)

نتیجہ:۔ اس سوال کا تحقیقی جواب تو یہ تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو اوپر والی سیڑھی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جگہ پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اس میں ایک بڑا راز تھا جس کو امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود کسی موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ منبر نبوی ﷺ میں کل تین ہی سیڑھیاں تھیں۔ اگر میں تیسری سیڑھی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جگہ پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتا تو لوگوں کو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید میں اپنے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے برابر سمجھتا ہوں اور اگر میں درمیان والی سیڑھی پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جگہ پر کھڑے ہو کر خطبہ بیان کرتا تو کسی کو یہ گمان ہو سکتا تھا کہ شاید میں اپنے آپ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہم مثل سمجھتا ہوں۔ حالانکہ میں نہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر ہوں نہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے۔ اس لئے میں اوپر والی سیڑھی پر حضور اقدس ﷺ کی جگہ پر کھڑا ہو گیا کہ اب کسی کو یہ وہم ہی نہیں ہو سکتا کہ میں رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برابری کا مدعی ہوں! درباری عالم متوکل باللہ کے سامنے یہ جواب بھی پیش کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے ظریفانہ رنگ میں نہایت ہی مختصر اور انتہائی دلچسپ جواب دے کر ہنسی ہنسی

میں متوکل باللہ کی بات ہی کاٹ دی۔ نہ کوئی تلخی پیدا ہوئی نہ ہی بحث و تکرار کی نوبت آئی۔ یہ درحقیقت ان کا بہت ہی حکیمانہ طرز تکلم تھا جو صورت حال اور موقع کی نزاکت کے لحاظ سے انتہائی برمحل اور بے حد مناسب تھا کیونکہ ایک علم مجلسی کے ماہر متکلم کا یہ بہت ہی بڑا کمال ہے کہ وہ اپنی گفتگو میں "ہر سخن نکتہ، و ہر نکتہ مقامے دارد" کے انمول اصول کو مد نظر رکھے۔ کہیں سخت کلامی و تلخ نوائی کی ضرورت ہوتی ہے اور کہیں نرم گفتاری و شیریں کلامی تلوار کی دھار سے بڑھ کر کام کرتی ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے اسی نکتہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ؂

درشتی و نرمی بہم در بہ است
چو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است

یعنی نرمی اور سختی دونوں ساتھ ساتھ بہترین ہیں۔ جیسے آپریشن کرنے والا زخم بھی لگاتا ہے اور مرہم بھی رکھ دیتا ہے۔ دور حاضر کے علماء کو بھی اپنی گفتگو میں ہمیشہ ہمیشہ یہ نکتہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ؂

گزر جا بن کے سیل تندرو کوہ بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں بن جا

علم کے لئے مالی قربانی

مسند العراق علی بن عاصم جب علم حدیث پڑھنے کے لئے چلے تو ان کے والد نے ایک لاکھ درہم دے کر فرمایا کہ نور نظر! یہ ایک لاکھ درہم لے لو اور علم کی طلب میں یہ سب خرچ کر ڈالو۔ مگر یاد رکھو کہ ان ایک لاکھ درہموں کا معاوضہ تم کو اس طرح ادا کرنا ہوگا کہ ان کے بدلے ایک لاکھ حدیثیں اپنے سینے میں محفوظ کر کے مجھے منہ دکھانا۔ ہونہار اور اطاعت شعار بیٹے نے اپنے باپ کی امیدوں کو برباد نہیں کیا بلکہ اتنی محنت اور عرق ریزی سے علم حاصل کیا کہ ایک لاکھ سے زیادہ حدیثوں کو زبانی یاد کر لیا اور اپنے محدثانہ علمی کمال کی بدولت تمام دنیائے اسلام سے خراج تحسین حاصل کیا اور مسند العراق کے معزز لقب سے سرفراز ہوئے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج 1 ص 189)

اسی طرح ہشام بن عبداللہ محدث نے علم حدیث کی تحصیل میں بڑے لمبے لمبے سفر کئے اور

مشہور مشہور درسگاہوں کے شیوخ سے علم حدیث پڑھااور اپنی طالب علمی میں سات لاکھ درہم خرچ کیے۔اسی طرح حافظ کبیر الدین بن سنجر نے نو ہزار اشرفیاں اور حافظ ابن رستم نے تین لاکھ درہم اور امام ذہبی رحمتہ اللہ علیہ نے ڈیڑھ لاکھ درہم علم حدیث کی طلب میں صرف کیے۔

(تذکرۃ الحفاظ) وغیرہ۔

نتیجہ :۔ علم دین کی طلب میں علماء سلف کی مالی قربانی کا یہ ریکارڈ زمانہ حال کے مسلمانوں کے لئے قابل عبرت ہے جو مالدار ہونے کے باوجود بھی چاہتے ہیں کہ مدارس اسلامیہ میں ان کے بچوں کو خورد و نوش کا بار مدرسہ ہی کے سر ڈالا جائے اور درسی کتابیں بھی مدرسہ ہی کی طرف سے فراہم کی جائیں اور مدارس اسلامیہ میں یہ ساری سہولتیں فراہم ہونے کے باوجود بھی مسلمان اپنے بچوں کو علم دین پڑھانے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ہائے افسوس! مسلمانو! میں تمہاری ذہنیت کے اس انقلاب عظیم پر رونے کے لئے کہاں سے آنسو لاؤں؟ اور کس کس طرح سے ماتم کروں؟ تم کل کیا تھے؟ اور آج کیا ہو گئے؟ آہ

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں

بغداد کا ایک مفلس طالب علم

حفاظ الحدیث حجاج بغدادی جب حضرت شبابہ محدث رحمتہ اللہ علیہ کے یہاں علم حدیث پڑھنے کے لئے جانے لگے تو ان کی پونجی کی کل کائنات اتنی ہی تھی کہ ان کی غریب ماں نے ایک سو کلچے پکادیئے تھے جن کو وہ ایک مٹی کے گھڑے میں بھر کر اپنے ساتھ لے گئے۔روٹیاں تو ماں نے پکادی تھیں۔ہونہار طالب علم نے سالن کا خود انتظام کر لیا اور سالن بھی اتنا کثیر و لطیف کہ سینکڑوں برس گزرنے کے باوجود کبھی کچھ نہیں ہوا اور ہمیشہ تازہ ہی رہا۔وہ کیا؟ دریائے دجلہ کا پانی۔روزانہ یہ ایک کلچہ دریا کے پانی میں تر کر کے کھا لیتے اور شبانہ روز انتہائی محنت کے ساتھ سبق پڑھتے رہتے۔یہاں تک کہ جب کلچے ختم ہو گئے تو مجبوراً استاد کی درسگاہ کو خیر باد کہنا پڑا۔

(تذکرہ الحفاظ ج2ص130)

تین بھوکے طلبہ دربار رسول میں

امام طبرانی، علامہ ابن المقری، امام ابوالشیخ رحمہما اللہ تعالیٰ یہ تینوں شیخ حدیث جو آسمان شہرت پر آفتاب وماہتاب بن کر چمک رہے ہیں۔ ان تینوں پر ایک ایسادور بھی گزرا ہے کہ یہ تینوں ایک ہی زمانہ میں مدینہ منورہ کی درس گاہ حدیث میں پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ ان تینوں ہونہار طلبہ پر مفلسی کاایسا حملہ ہواکہ ایک دانہ بھی کھانے کے لئے ان تینوں کے پاس نہیں رہا۔ روزہ پر روزہ رکھتے رہے مگر جب بھوک کی شدت نے بالکل ہی مضطرب کر دیااور طاقت جواب دینے لگی تو ان تینوں نے رحمت عالم ﷺ کے روضہ اطہر پر حاضر ہو کر فریاد کی کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم لوگ بھوک سے بے تاب ہیں۔ یہ عرض کر کے امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ تو آستانہ مبارک ہی پر بیٹھ رہے اور کہا کہ اس در پر یا موت آئے یا گی روزی۔ اب یہاں سے نہیں اٹھوں گا۔ مگر ابن المقری اور ابو شیخ رحمہما اللہ تعالیٰ لوٹ کر اپنی قیام گاہ پر چلے آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ دونوں نے جو دروازہ کھول کر دیکھا تو یہ نظر آیا کہ علوی خاندان کے ایک برگزیدہ بزرگ دو غلاموں کے ساتھ کھانا لے کر تشریف فرماہیں اور یہ فرمارہے ہیں کہ آپ لوگوں نے دربار رسول ﷺ میں بھوک کی شکایت کی تو رحمت دوعالم ﷺ نے ابھی ابھی مجھے خواب میں اپنی زیارت سے مشرف فرماکر حکم فرمایاکہ میں آپ لوگوں کے پاس کھانا پہنچادوں۔ چنانچہ جو کچھ بروقت مجھ سے ہوسکا حاضر ہے اس کو آپ لوگ قبول فرمالیجئے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج 1 ص 172)

نتیجہ:۔ مذکورہ بالا دونوں واقعات میں چند نہایت ہی عبرت خیز اور رقت انگیز نتائج کی تجلیاں ہیں:

1:۔ علماء سلف تحصیل علم میں اس طرح پروانہ وار جدوجہد فرماتے تھے کہ فقر وفاقہ اور بھوک پیاس کی حوصلہ شکن مصیبتیں بھی ان کے پائے استقلال کو متزلزل نہیں کر سکتی تھیں۔ نہ جیب میں ایک پیسہ ہوتا تھا نہ جھولی میں روٹی کاایک ٹکڑا فاقہ کرتے تھے مگر علم کی تلاش میں پاپیادہ سفر کرتے رہتے تھے۔ بھوک پیاس سے نڈھال ہو کر گر پڑتے بلکہ بعض اوقات بے ہوش ہو جاتے مگر پھر بھی کسی سے سوال نہیں کرتے تھے اور برابر والہانہ جذبہ عشق وشوق سے سرشار ہو کر درس گاہوں کا چکر لگاتے رہتے تھے اور احادیث لکھتے اور یاد کرتے رہتے تھے۔ اللہ رے تشنگان علم

کی پیاس اور عاشقان علم کا جوش و خروش اے زمین بتادے؟ اے آسمان بول؟ کیا تم نے اس دور میں بھی کسی طالب علم کے اندر اس جوش و خروش اور ہوشربا جدوجہد کا جذبہ دیکھا ہے؟ کہ ؎

دو قدم چلنے کی بھی نہیں طاقت مجھ میں
عشق کھینچے لئے جاتا ہے میں کیا جاتا ہوں

ان دونوں واقعات نے اس مسئلہ کو بھی حل کر دیا کہ علم دین کے ان پہاڑوں اور ملت اسلامیہ کے ان مضبوط ستونوں نے جن کے علم و عمل صالح کی مثال دور حاضر کے مولویوں نے خواب میں نہ دیکھی ہوگی۔ حل مشکلات کے لئے رحمت عالم کے مقدس دربار سے بڑھ کر کسی در کو نہیں سمجھا۔ اسی لئے بھوک پیاس کی مصیبت کو ٹالنے کے لئے ان برگزیدہ بزرگوں نے یارسول اللہ ﷺ کا نعرہ لگا کر دربار رسالت میں استغاثہ پیش کیا اور دفع بلیات و حل مشکلات کے لئے رحمت عالم ﷺ سے استعانت کی اور مدد مانگی روضہ اقدس پر کھڑے ہو کر دونوں عالم کے داتا سے کھانا پینا طلب کیا کہاں ہیں؟ وہ دیوبندی ملا جو اپنی تقریروں اور تحریروں میں یہ راگ الاپتے پھرتے ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ کا نعرہ لگانا اور رسول خدا سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگنا شرک ہے۔ للہ! وہ ہمیں بتائیں کہ امام طبرانی، ابن المقری، ابوالشیخ رحمہما اللہ تعالیٰ نے جو مسجد نبوی میں مصلّی پر بیٹھ کر رسولِ خدا سے کھانا پانی مانگا تو کیا ان علم و عمل کے قدسی صفت بزرگوں نے مدینۃ الرسول میں مسجد نبوی کے اندر شرک کیا، توبہ نعوذ باللہ! اگر آسمان امت کے ان ستاروں کو شرک کا مرتکب کہا جائے تو پھر وہ کون لوگ ہوں گے جنہیں ہم مسلمان کہہ سکیں گے؟

پھر غور کیجئے کہ دربارِ رسول ﷺ میں فریاد و استعانت کرتے ہی رحمت عالم کا دریائے رحمت اس طرح جوش میں آ گیا کہ اپنے ایک فرزند کو خواب میں حکم دے کر فوراً ہی کھانا عطا فرما دیا۔ یہ کھلی ہوئی دلیل ہے کہ رحمت عالم باذن اللہ اپنی امت کے حاجت روا مشکل کشا، دافع البلاء ہیں۔ اسی لئے علماء حق کا یہی عقیدہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو باذن اللہ اپنا حاجت روا جان کر دین و دنیا کی تمام حاجتیں اور مرادیں طلب کرنا، استمداد و استعانت کرنا یقیناً جائز اور درست ہے اور یہی اکابر علمائے امت اور صوفیاء ملت کا معمول ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ؎

مانگیں گے، مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ "لا" ہے، نہ حاجت "اگر" کی ہے

درحقیقت ایمان کی بات بھی یہی ہے کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں پروردگار عالم نے اپنے حبیب کے دست کرم میں عطا فرمادی ہیں۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنُ الْاَرْضِ یعنی زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا کردی گئی ہیں اور اَللّٰہُ یُعْطِیْ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ یعنی اللہ تعالیٰ ہر نعمت کا دینے والا ہے اور میں ہر نعمت خداوندی کا تقسیم کرنے والا ہوں۔ پھر کرنے والا ہوں۔ پھر بھلا وہ کون سی نعمت اور دولت ہے جو در رسول ﷺ سے نہیں مل سکتی؟ راز آلہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے

در رسول سے اے راز کیا نہیں ملتا
کوئی پلٹ کے نہ خالی گیا مدینے سے

رات بھر میں ایک ہزار مسائل

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک رات امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کے یہاں مہمان بن کر ٹھہرا۔ میں تو رات میں نماز پڑھتا رہا اور امام محمد رحمتہ اللہ علیہ رات بھر بستر پر لیٹے رہے۔ مجھے ان کا یہ طریقہ پسند نہیں آیا۔ پھر وہ صبح کو اٹھے تو بغیر وضو کئے فجر کی سنتیں پڑھنے کے لئے کھڑے ہوگئے۔ میں نے حیران ہو کر تعجب سے دریافت کیا کہ آپ رات بھر سوتے رہے اور بغیر وضو کئے نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوگئے؟ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں رات بھر سوتا رہا ہوں؟ استغفر اللہ میں نے اس رات ایک ہزار سے زیادہ مسائل قرآن مجید سے استنباط کئے ہیں۔ تم نے رات بھر جو نمازیں پڑھی ہیں ان کا فائدہ صرف تمہاری ہی ذات کو پہنچے گا اور میں نے جو عمل خیر کیا ہے اس کا نفع ساری امت کو پہنچے گا اور میں رات بھر بستر پر لیٹا اس لئے رہا کہ مجھے لیٹ کر مسائل کے سوچنے میں زیادہ دلجمعی حاصل رہتی ہے۔ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ حقیقت حال سے مطلع ہو کر اپنی بدگمانی پر شرمندہ ہوگئے۔

(روح البیان ج5 ص140)

نتیجہ:۔ اس تاریخ واقعہ سے اندازہ لگائیے کہ مجتہدین امت و فقہائے ملت نے مسائل کے حل کرنے ان کی ترتیب و تدوین میں کتنی محنت شاقہ اٹھائی ہے؟ تب جاکر فقہ کا انمول

ذخیرہ ہمارے ہاتھوں میں پہنچا ہے مگر افسوس کہ ہم بدشوق اور کم ہمت طلباء و علماء آج مسائل کو اچھی طرح پڑھ لینے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے۔ نہ علم کا جذبہ، نہ عمل کا شوق، آرام طلبی، تن پروری کا عفریت ہر ایک کے سر پر سوار ہے اور سب کے سب خوش پوشاکی اور تن آسانی کے نشہ میں مست الست بنے بیٹھے ہیں۔ جب طلبہ اور علماء کا یہ حال ہے تو پھر عوام الناس کی غفلت شعاری اور بد کرداری کا کیا عالم ہوگا؟ افسوس! قوم مسلم کا کیا حال ہو گیا؟ ؎

ہاتھ بے زور ہیں، الحاد سے دل خوگر ہیں　　امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں

ایک ہفتہ میں حافظ قرآن

منقول ہے کہ جب امام محمد بن حسن شیبانی رحمتہ اللہ علیہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں علم فقہ پڑھنے کے لئے گئے تو امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم پہلے قرآن مجید حفظ کر لو۔ پھر میرے پاس آؤ۔ چنانچہ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ ایک ہفتہ غائب رہے۔ پھر آٹھویں دن ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی درس گاہ میں حاضر ہو گئے۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے تم سے قرآن مجید حفظ کر لینے کو کہا تھا۔ تو پھر یہاں کیوں چلے آئے؟ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضور والا میں نے آپ کے حکم کے مطابق قرآن مجید حفظ کر لیا۔ اس لئے حاضر ہو گیا ہوں۔　　(روح البیان ج5 ص140)

نتیجہ:۔ اس خداداد قوت حافظہ کو فضل خداوندی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

علمائے سلف میں بہت سے ایسے خوش نصیب ہوئے ہیں جن کی قوت حافظہ کو کرامت کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے:۔

اصمعی کی یادداشت

خلیفہ مامون رشید کا وزیر حسن بن سہیل جب عراق میں آیا تو اس نے عراقی علماء ادباء سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ اصمعی، ابو عبیدہ، ابو بکر نحوی وغیرہ بارگاہ وزارت میں حاضر

کئے گئے۔ وزیر نے پہلے تو حاجت مندوں کی پچاس عرضیوں پر دستخط کئے۔ پھر ان علماء کی طرف متوجہ ہوا۔

جب گفتگو چلی تو دوران گفتگو میں امام زہری، ابو قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کی بے پناہ قوت حافظہ کا ذکر چھڑ گیا کہ لاکھوں احادیث اور لاکھوں اشعار عرب ان کو زبانی یاد تھے اور یہ لوگ ایک مرتبہ جو مضمون پڑھ لیتے یا سن لیتے تھے تو وہ عمر بھر کے لئے ان لوگوں کو یاد ہو جاتا تھا۔ یہ سن کر ابو عبیدہ نے کہا کہ وزارت مآب! یہ تو ان علمی جواہر پاروں کے تذکرے ہیں جو خزانہ زمین بن چکے اس وقت یہاں اور اسی مجلس میں ایسے ایسے قوتِ حافظہ کے بادشاہ موجود ہیں کہ کسی کتاب کو ایک مرتبہ پڑھ لینے کے بعد عمر بھر دوبارہ انہیں اس کتاب کو دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑی اور ایک مرتبہ جو بات ان کی قوتِ حافظہ کے خزانے میں محفوظ ہو گئی پھر کبھی نہیں نکلی۔ اتنے میں اصمعی بول اٹھے کہ عزت مآب! یہ میری طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ میں بڑے بول کا عادی نہیں۔ لیکن ابو عبیدہ نے میرا پردہ فاش کر دیا ہے تو میں اس مجلس میں ان کے دعویٰ کو اس طرح ثابت کرتا ہوں کہ اگر اجازت ہو تو وزارت مآب نے اب تک جتنی عرضیوں پر دستخط فرمائے ہیں۔ میں ان سب عرضیوں کا مضمون لفظ بہ لفظ زبانی سنا دوں چنانچہ سب عرضیاں واپس لوٹائی گئیں اور اصمعی نے ایک ایک عرضی کا ترتیب وار پورا پورا مضمون لفظ بہ لفظ زبانی سنانا شروع کر دیا اور بتانے لگا کہ فلاں عرضی کے سائل کا نام یہ ہے۔ کام یہ ہے اور اس پر وزارت مآب کا حکم یہ ہے۔ اسی طرح جب وہ چالیس عرضیوں کا مضمون سنا چکا تو حاضرین میں سے ابو نصر نے کہا کہ اصمعی! کیا کرتے ہو۔ بس کرو اپنی جان پر رحم کرو۔ کہیں نظر نہ لگ جائے۔ یہ سن کر وہ چہکتا بلبل خاموش ہو گیا اور حسن بن سہیل حیرت واستعجاب کا مجسمہ بن کر بڑی دیر تک اصمعی کا منہ تکتا رہا۔ (علماء سلف ص 44)

قوتِ حافظہ کا کمال

مولوی محمد حسین صاحب میرٹھی موجد طلسمی پریس بیان کرتے ہیں کہ میں بریلی میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کی ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ مزاج ناساز ہے اور ڈاکٹروں نے زیادہ ملاقات کا اور بات کرنے سے منع کر دیا ہے لیکن میں جب پہنچا تو مجھے ملاقات کا شرف بخشا گیا۔ میں نے یہ دیکھا کہ اعلیٰ حضرت نماز مغرب پڑھ کر اپنے پلنگ پر رونق افروز ہوئے اور ہم لوگ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ پھر حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خان

صاحب اور حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب اور جناب مولانا حشمت علی صاحب بریلوی اور ایک کوئی اور صاحب تشریف لائے اور پلنگ کے قریب کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے خطوط کی ایک گڈی حضرت مولانا امجد علی صاحب کو دے کر یہ فرمایا کہ آج تیس خطوط آئے تھے۔ ایک میں نے کھول لیا ہے۔ یہ 29 خطوط ہیں گن لیجئے۔ انہوں نے گن کر ایک لفافہ کھولا جس میں کئی ورق پر چند سوالات تھے۔ وہ سب پڑھ کر انہوں نے اعلیٰ حضرت کو سنائے۔ اعلیٰ حضرت نے پورا خط سن کر جواب تحریر کرنا شروع فرمادیا اور پہلے سوال کے جواب میں ایک فقرہ فرمادیا۔ وہ لکھنے لگے اور لکھ کر کہا جی حضور۔ اعلیٰ حضرت نے اس کے آگے کا فقرہ فرما دیا۔ وہ لکھ کر پھر جی حضور کہتے، اور اعلیٰ حضرت اس کے آگے کا فقرہ فرمادیا کرتے۔ اسی جی حضور کہنے کے درمیان ایک دوسرے صاحب نے اپنا خط سنانا شروع کر دیا۔ جب یہ جی حضور کہتے وہ رک جاتے اور جب یہ فقرہ سن کر لکھنے لگتے تو وہ اپنا خط سنانے لگتے۔ اسی طرح انہوں نے اپنا خط ختم کیا اور ان کو بھی ان کے پہلے سوال کے متعلق جو فقرہ مناسب تھا وہ ارشاد فرمادیا۔ اب دونوں صاحب اپنا فقرہ لکھ لینے کے بعد جی حضور، جی حضور کہتے اور جواب ملنے پر لکھنا شروع کر دیتے اسی حالت میں ان دو، جی حضور۔ جی حضور کے درمیان جتنا وقت بچتا اس میں تیسرے صاحب نے اپنا خط سنانا شروع کر دیا۔ اب چوتھے صاحب نے ان تین جی حضور۔ جی حضور کے درمیان جو وقت بچتا اس میں اپنا خط سنانا شروع کر دیا اور اسی طرح خط سنا کر انہوں نے بھی جواب لکھنا شروع کر دیا۔ اب اسی حالت میں جبکہ چار چار آدمیوں کو مختلف مسائل کے جوابات اعلیٰ حضرت تحریر کرا رہے تھے۔

اتنے میں ایک صاحب نے زبانی کچھ مسائل پوچھنے شروع کر دیئے۔ مجھے ان پر بڑا غصہ آیا کہ اس حالت میں بھلا سوال پوچھنے کا کیا موقع تھا؟ مگر اعلیٰ حضرت کو ذرہ برابر بھی ملال نہیں ہوا اور بہت اطمینان سے ان کے سوالات کا جواب دیتے رہے اسی طرح 29 خطوط کے جوابات اعلیٰ حضرت نے تحریر کرائے۔ یہ منظر دیکھ کر مجھے پسینہ آگیا کہ میں نے تمام عمر میں کبھی ایسے قوی حافظہ کا کوئی شخص نہیں دیکھا۔

(حیات اعلیٰ حضرت ج 1 ص 48)

نتیجہ:۔ قوت حافظہ علم کی جان اور علم کی آفت نسیان ہے۔ جس کا حافظہ جس قدر قوی ہو گا۔ ظاہر ہے کہ وہ علمی کمال میں بھی اتنی ہی بلند پایہ ہو گا اور جو نسیان کا مریض ہو گا وہ جو کچھ پڑھے گا بھولتا جائے گا۔ پھر اس کو بھلا علمی ترقی کہاں سے نصیب ہو گی؟ اب ان اکابر ملت کی قوت حافظہ

کے کمال کو دیکھ کر ان کے علمی تبحر اور وسعت معلومات کا اندازہ لگائیے کہ اگر ان بزرگوں کو علوم و معارف کا سمندر کہا جائے تو یہ ایک ایسی حقیقت کا اظہار ہو گا جو آفتاب سے کہیں زیادہ روشن و تابناک ہے مگر افسوس کہ اس دور جہالت میں ان نفوس قدسیہ کا دیدار بھلا کب ممکن ہے؟ ہائے رے انقلاب! ؎

رہا کوئی اُمت کا ملجانہ ماوئی
نہ قاضی نہ مفتی نہ صوفی نہ ملا!

نسیان کا علاج

حضرت وکیع بن الجراح محدث رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے عرض کیا کہ حضرت! میرا حافظہ بے حد خراب ہے جو کچھ پڑھتا ہوں بھول جاتا ہوں۔ میں نسیان کی بیماری سے تنگ آ چکا ہوں۔ اس کا کوئی علاج بتائیے؟ آپ نے فرمایا تم چھوٹے بڑے ہر قسم کے گناہوں سے بچو۔ تمہارا نسیان جاتا رہے گا اور قوت حافظہ قوی ہو جائے گی اس شخص نے فوراً ہی وکیع کی اس نصیحت کو دو شعروں میں قلم بند کر دیا ہے ؎

شَکَوْتُ اِلٰی وَکِیْعٍ سُوْءَ حِفْظِیْ ۔۔۔ فَاَوْصَانِیْ اِلٰی تَرْکِ الْمَعَاصِیْ
وَذٰلِکَ اَنَّ حِفْظَ الْعِلْمِ فَضْلٌ ۔۔۔ وَفَضْلُ اللّٰهِ لَا یُعْطٰی لِعَاصِیْ

یعنی میں نے حافظہ خراب ہونے کی حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی تو انہوں نے مجھے یہ وصیت فرمائی کہ تم گناہوں کو چھوڑ دو کیونکہ علم کو حفظ کرنا یہ فضل خداوندی ہے اور اللہ کا فضل نافرمان کو نہیں عطا کیا جاتا۔ (مستطرف ج1 ص21)

قوت حافظہ کی دعائیں

اس موقع پر قوت حافظہ کی چند مجرب دعائیں بھی تحریر کر دیتا ہوں تاکہ علماء اور طلبہ اس سے فیض یاب ہوں۔ مولیٰ تعالیٰ سب کو اپنے فضل سے سرفراز فرمائے۔ (آمین)

قرآن مجید یا کتاب پڑھنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لیا کریں: بِسْمِ اللّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَکْبَرُ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ عَدَدَ کُلِّ حَرْفٍ کُتِبَ وَیُکْتَبُ اَبَدَ الْاٰبِدِیْنَ وَدَهْرَ الدَّاهِرِیْنَ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ ۞

بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ اپنا پڑھا ہوا ایک حرف بھی فراموش نہ کرے تو وہ اپنا سبق پڑھتے یا کتاب کا مطالعہ شروع کرتے وقت ایک مرتبہ یہ دعا پڑھ لے: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ عَلَيْنَا حِكْمَتَكَ وَانْشُرْ عَلَيْنَا رَحْمَتَكَ يَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَام ط

سیدی شہاب الدین احمد بن موسیٰ بن عجیل علیہ الرحمہ نے دریافت فرمایا کہ قوت حافظہ کے لئے ہر نماز کے بعد دس مرتبہ یہ دعا پڑھ لے: فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ج وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ط وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ● يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا رَبَّ مُوْسٰى وَهَارُوْنَ يَا رَبَّ اِبْرَاهِيْمَ يَا رَبَّ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَلْزِمْنِى الْفَهْمَ وَارْزُقْنِى الْعِلْمَ وَالْحِكْمَةَ وَالْعَقْلَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ط (مستطرف ج1 ص22)

تیری داڑھی میں کتنے بال؟

ایک شخص نے کرسی پر بیٹھ کر نہایت گھمنڈ کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ فرش سے عرش تک جس چیز کے بارے میں تم لوگ چاہو مجھ سے پوچھ لو۔ اتفاق سے وہاں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گزر ہوا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے غرور کو توڑنے کے لئے فرمایا کہ اچھا بتا تیری داڑھی میں جو بال ہیں وہ طاق ہیں یا جفت؟ وہ لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا۔ پھر لوگوں نے دریافت کیا کہ اے امام! آپ ارشاد فرمائیے؟ تو آپ نے فرمایا کہ داڑھی کے بال جفت ہیں۔ مغرور نے کہا کہ اس کی دلیل؟ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے کہ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ ہر مخلوق زوج یعنی جفت ہے اور اللہ تعالیٰ طاق ہے۔ یہ سن کر وہ گھمنڈی بے حد شرمندہ ہوا۔ (نزہۃ المجالس)

نتیجہ:۔ اس واقعہ سے جہاں یہ نکلا کہ مغرور اور گھمنڈی شخص کا انجام ذلت و رسوائی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہاں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذہانت و دانائی کا قرآن فہمی و قوت استنباط کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سبحان اللہ! مولیٰ کائنات کے سینہ وَلایت سے اکتساب فیض اور نبی رحمت کے مشکوٰۃ نبوت سے اقتباس نور کرنے والے فرزند بتول کے علوم اور معارف کا کیا کہنا۔ سچ ہے کہ ؎

علی کا گھر بھی وہ گھر ہے کہ جس گھر کا ہر اک بچہ
جہاں پیدا ہوا شیر خدا معلوم ہوتا ہے

ابو العیناء کے لطائف

ان کا نام محمد ہے۔ یہ ہواز میں پیدا ہوئے اور بصرہ میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ یہ بچپن ہی سے نابینا ہو گئے تھے مگر حافظہ نہایت ہی قوی تھا۔ پھر اصمعی جیسا باکمال استاد مل گیا۔ اس لئے علم ادب اور علم حدیث میں بہت ہی نامور عالم ہو گئے۔ حافظ قرآن بھی تھے اور لطیفہ گوئی اور حاضر جوابی میں تو اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ خلیفہ بغداد نے اپنے نو تعمیر محل میں پھرانے کے بعد پوچھا کہ کہو ابو العیناء ہمارا محل کیسا ہے؟ ابو العیناء نے جواب دیا کہ اِنَّ النَّاسَ سبوا الدَّارَ فِی الدُّنْیَا وَاَنْتَ بَنَیْتَ الدُّنْیَا فِی الدَّارِ. یعنی لوگوں نے دنیا میں گھر بنائے ہیں مگر آپ نے اپنے گھر میں دنیا بنا دی ہے۔

خلیفہ متوکل اس جواب سے بے حد محظوظ ہوا اور کہا کہ تم آج سے ہمارے مصاحبوں میں شامل ہو جاؤ۔ ابو العیناء نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! میں اندھا آدمی ہوں۔ جو لوگ بارگاہ خلافت میں حاضری سے باریاب ہوتے ہیں وہ امیر المومنین کی خدمت گزاری کرتے ہیں اور میں دوسروں کا محتاج ہوں۔ پھر بادشاہ کی نظر کا کوئی اعتبار نہیں۔ کسی دن نظر سیدھی ہوتی ہے دل میں ملال ہوتا ہے۔ کسی روز نظر پھری لیکن دل میں گنجائش ہوتی ہے۔ میں اندھا ہونے کے سبب سے ان حالتوں کو پہچان نہیں سکوں گا اور کسی دن مارا جاؤں گا۔

خلیفہ ابو العیناء کی اس صاف گوئی سے ایک دم ناراض ہو گیا اور کہا کہ ابو العیناء ہم نے سنا ہے کہ تم لوگوں کی ہجو میں اشعار لکھ دیا کرتے ہو؟ ابو العیناء نے جواب دیا کہ جی ہاں! آخر خداوند تعالیٰ نے بھی تو اچھوں کو اچھا اور بروں کو برا کہا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے لئے فرمایا کہ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ ط وہ بہت اچھے بندے ہیں اور خدا کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والے ہیں اور دشمن رسول ولید بن مغیرہ کے لئے فرمایا کہ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ط وہ عیب جو، چغل خور، بھلائی کو روکنے والا، سرکش گناہگار ہے!

اے امیر المومنین! اگر میں اچھوں کو اچھا اور بروں کو برا نہ کہوں تو بھلائی اور برائی یہ دو نام بیکار ٹھہرے، اور مجھ کو جو کان اور زبان ملی تو کیوں اور کس لئے؟ خلیفہ ابو العیناء کا یہ برجستہ جواب سن کر خاموش ہو گیا۔

اسی طرح 245ء میں یہ واقعہ ہوا کہ خلیفہ نے ابن سلمہ نامی ایک شخص کو خزانہ شاہی کا

مطالبہ وصول کرنے کے لئے موسیٰ اصفہانی کو قوال کے سپرد کر دیا۔ موسیٰ نے ابن سلمہ پر اتنی سختی کی کہ وہ بے چارہ جان سے جاتا رہا اور یہ خبر شہر بھر میں مشہور ہو گئی۔ کسی امیر نے ابو العیناء سے پوچھا کہ ابن سلمہ کی کیا خبر ہے۔

ابو العیناء نے جواب میں فوراً یہ آیت پڑھ دی کہ فَوَكَزَهُ مُوْسىٰ فَقَضٰى عَلَيْهِ یعنی موسیٰ نے اس کو ایسا مکہ مارا کہ اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ لطیفہ اتنا مشہور ہوا کہ سارے شہر میں پھیل گیا۔ یہاں تک کہ موسیٰ کو قوال کے کانوں تک پہنچ گیا۔

دوسرے دن موسیٰ کو قوال اور ابو العیناء نے اس ظالم کے سامنے بے ساختہ یہ آیت پڑھ دی کہ اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ کیا تو چاہتا ہے کہ مجھ کو بھی اسی طرح مار ڈالے جس طرح کل تو ایک شخص کو قتل کر چکا ہے۔ (نابینا علماء ص 15)

نتیجہ:۔ ابو العیناء کا نابینا اور مفلس ہوتے ہوئے خلیفہ بغداد سے اتنی بے لوث صاف گوئی سے گفتگو کرنا یہ بڑی عالی ظرفی، اونچے کردار اور کمال استغناء کی دلیل ہے جو ایک عالم حقانی کے لئے بڑا طرۂ امتیاز ہے اور انسانی عظمت کے لئے یہ وہ جوہر بے بہا ہے کہ تاج سلطانی اس کے مقابل مچھر کے پر سے بھی زیادہ حقیر و ذلیل ہے۔

نہ ڈھونڈا اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
کہ استغناء میں پایا میں نے "معراجِ مسلمانی"

علم کی عزت

خلیفہ بغداد ہارون رشید نے ایک مرتبہ مشہور عالم حدیث ابو معاویہ محمد بن ضریر کی دعوت کی۔ وہ آنکھوں سے معذور تھے۔ جب لوٹا اور چلمچی ہاتھ دھلانے کے لئے لائی گئی تو خلیفہ نے چلمچی تو خدمت گار کو دی اور خود لوٹا ہاتھ میں لے کر حضرت ممدوح کا ہاتھ دھلانے لگا اور کہا کہ اے ابو معاویہ! آپ نے پہچانا کہ کون آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ خلیفہ نے کہا ہارون! یہ سن کر ابو معاویہ کے دل سے یہ دعا نکلی کہ جیسی آپ نے علم کی عزت کی ایسی ہی اللہ تعالیٰ آپ کی عزت فرمائے۔ ہارون رشید نے کہا کہ اے ابو معاویہ! بس آپ کی اسی دعا کو حاصل کرنے کے لئے میں نے یہ کیا تھا۔ (حیات اعلیٰ حضرت ج1 ص216)

پگڑی کے نیچے بزرگی

امام لغت محمد بن عباد بہت ہی جید عالم تھے۔ لیکن شکل وصورت کے لحاظ سے بہت ہی غیر وجیہہ اور انتہائی بدشکل تھے۔ یہ خلیفہ بغداد مامون رشید کے دربار میں پہنچے تو خلیفہ نے ان کا انتہائی اعزاز واکرام کیا۔ یہاں تک کہ اپنے ہاتھ سے ان کے سر پر عمامہ باندھنے لگا۔ خلیفہ کی ایک لونڈی یہ منظر دیکھ کر مسکرانے لگی۔

خلیفہ نے پوچھا تو ہنس کیوں رہی ہے؟ محمد بن عباد فوراً بول اٹھے کہ امیر المومنین! میں آپ کو بتاتا ہوں۔ یہ میری بدصورتی اور آپ کے اس اعزاز واکرام پر ہنس رہی ہے۔ یہ سن کر خلیفہ مامون نے کہا کہ اے نادان لونڈی! تو تعجب مت کر تجھے کیا خبر؟ کہ اس پگڑی کے نیچے ایک مجسم بزرگی ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

وَهَلْ يَنْفَعُ الْفِتْيَانَ حُسْنُ وَجُوْهِهِمْ
اِذَا كَانَتِ الْاِعْرَاضُ غَيْرَ حِسَانٍ
فَلَا تَجْعَلِ الْحُسْنَ الدَّلِيْلَ عَلَى الْفَتٰى
فَمَا كُلُّ مَصْقُوْلِ الْحَدِيْدِ يَمَانِيْ

یعنی اگر آبرو میں کوئی حسن وخوبی نہ ہو تو جوانوں کے چہروں کی خوبصورتی سے کیا فائدہ؟ خوبصورتی کسی جوان کے کمال کی دلیل نہیں۔ کیونکہ ہر صیقل کیا ہوا لوہا یمنی تلوار نہیں ہوتا خلیفہ مامون کی یہ حقیقت افروز گفتگو سن کر پورے دربار پر سکتہ طاری ہو گیا اور لونڈی شرم وغیرت سے پانی پانی ہو گئی۔ (مستطرف ج1 ص116)

نتیجہ:۔ مذکورہ بالا دونوں حکایات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قوم مسلم کا ستارۂ اقبال جب انتہائی عروج کی منزل میں تھا اور ساری دنیا میں اس قوم کی عظمت وشوکت کا ڈنکا بجتا تھا اور اقوام عالم کے دل ودماغ پر قوم مسلم کی برتری اور شاہانہ شان وشوکت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت عوام تو عوام، امراء تو امراء بادشاہوں کے دلوں میں بھی علماء دین کی عزت وعظمت تصور کرتے تھے اور علماء کرام کی خدمت کو اپنے لئے سرمایہ افتخار وعظمت تصور کرتے تھے اور ان باخدا بزرگوں کی دعاؤں سے اپنی جھولی کو گوہر مراد سے بھرتے تھے۔ مگر آج اسی قوم مسلم کا یہ حال ہے کہ مکان میں ہوں

یاد کان میں، ہوٹل میں ہوں یا بازار میں ہر جگہ علماء دین کی تذلیل و تحقیر، ان کا محبوب ترین مشغلہ اور علماء کے ساتھ استہزاء اور بے ادبی ان کی ضروریات زندگی میں داخل ہو گیا ہے اور در حقیقت اسی انقلاب کی یہ نحوست ہے کہ آج قوم مسلم کے سر پر ذلت و نکبت کا عفریت ہلاکت کا بھوت بن کر سوار ہو گیا ہے اور یہ قوم ذلت و خواری کے ایسے عمیق غار میں گرتی چلی جا رہی ہے جہاں عزت و عظمت کے آفتاب کی شعاعیں بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ اس غضب خداوندی کو قیامت انگیز سانحہ نہ کہا جائے کہ قوم مسلم کے وہ جاہل، بد عمل، بد کردار، سود خوار شرابی کبابی جن کے بدن کا رو نکٹا رو نکٹا پاپ کا ہمالیہ بنا ہوا ہے۔ محض اس لئے کہ وہ سیٹھ کہلانے لگے۔ علماء ملت کو جو اس دور میں بھی علوم و اعمال صالحہ کی دولت سے ایک حد تک مالا مال ہیں۔ اتنا ذلیل و حقیر سمجھتے ہیں کہ ان بزرگوں کو اتنی مسند پر بٹھانا گوارا نہیں کرتے بلکہ ملنا بھی پسند نہیں کرتے۔

ہاں البتہ تجربہ شاہد ہے کہ یہی سیٹھ صاحبان معمولی معمولی غیر مسلم اور ملحد قسم کے لیڈروں اور سینما کے ایکٹروں اور ایکٹرسوں سے ملاقات کرنے اور ان کی تعظیم و تکریم کو اپنے لئے معراج سربلندی تصور کرتے ہیں! مسلمانوں کا یہ طرز عمل اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ ان کے دلوں سے اللہ و رسول کی عظمت اور دین اسلام کی عزت رخصت ہو چکی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جس کے دل میں اللہ و رسول کی عظمت ہو گی وہ یقیناً دین کی شمع کا پروانہ ہو گا اور جو دیندار ہو گا وہ بلاشبہ علماء دین کا اکرام و احترام بھی کرے گا کیونکہ یہ ہی ہستیاں دین اسلام کا سر چشمہ ہدایت ہیں اور انہیں بزرگوں کا سینہ علوم قرآن و حدیث کا خزینہ اور مسائل دین کا گنجینہ ہے! حدیث شریف میں ہے کہ جو کسی عالم دین کی قدر و منزلت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو معزز اور صاحب وقار بنائے گا۔ جو کسی عالم دین کو توہین کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل و خوار کرے گا مگر افسوس صد افسوس کہ آج مسلمانوں کو نہ اپنا ماضی یاد رہا نہ ان کو اپنے مستقبل کی فکر ہے۔ نہ انہیں اپنی ذلت و خواری کا احساس ہے نہ اعزاز و اکرام کا ذوق افسوس!

غضب ہے بولہبی ظلمتوں کے طوفاں میں
نگاہ ''مصطفوی خط و خال'' بھول گئی

اخلاقیات

اس مرد مجاہد کی ضرورت ہے جہاں کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستی کردار

افضل الجہاد

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:۔
اَفۡضَلُ الۡجِہَادِ کَلِمَۃُ حَقٍّ عِنۡدَ السُّلۡطَانِ الۡجَائِرِ یعنی کسی ظالم بادشاہ کے منہ پر حق بات کہہ دینی بہت ہی افضل قسم کا جہاد ہے۔ اس معیار پر بھی اگر علماء حق کی اس معیار پر بھی اگر علماء حق کی مقدس زندگی کو جانچنے کا شوق ہو تو مندرجہ ذیل حکایات کو دیدۂ عبرت سے دیکھئے اور جبین عقیدت جھکا کر حقانی علماء کی مجاہدانہ شجاعت کو سلام کیجئے کہ کس طرح ان حق پرستوں نے شیر کے منہ میں گھس کر، تلوار کی دھار پر گردن رکھ کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا، ظالم بادشاہوں کے منہ پر کلمہ حق کہا اور علمی وجاہت، علمی سجاعت اور استغناء و قناعت کی روحانی طاقت سے ظالم، جابر بادشاہوں کے تاج شاہی کو ٹھکرایا۔

علمی جلالت

بادشاہ بغداد خلیفہ مہدی حج کے بعد جب مدینہ منورہ گیا اور مسجد نبوی میں حاضر ہوا تو مشہور امام الحدیث ابن ابی ذئب اپنے حلقہ درس میں حدیث شریف کا سبق پڑھا رہے تھے اور پوری مسجد حاضرین درس سے بھری ہوئی تھی۔ خلیفہ کو دیکھ کر تمام حاضرین مجلس خلیفہ کی تعظیم کے لئے سروقد کھڑے ہو گئے مگر محدث ابن ابی ذئب بدستور اپنی حالت پر بیٹھے رہے۔ چوبدار مسیب بن زبیر نے کہا کہ کھڑے ہو جاؤ۔ یہ امیر المومنین خلیفہ مہدی ہیں اس وقت محدث ابن ابی ذئب نے عالمانہ دبدبہ سے تڑپ کر فرمایا کہ اِنَّمَا یَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ ط آدمی صرف پروردگار

عالم کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ خلیفہ مہدی اس جواب کی جلالت سے کانپ اٹھا اور کہا اے میتب! خدا کے لئے ان کو مت چھیڑ! واللہ ان کا ایک ہی جملہ سن کر میرے سر کے بال کھڑے ہو گئے! خلیفہ حاضری دے کر چلا گیا اور آپ پھر اپنے درس میں مشغول ہو گئے۔

سبحان اللہ! ایک حقانی عالم کی علمی جلالت کا کیا کہنا؟ اللہ اکبر۔

نہ تخت و تاج میں، نہ لشکر وسپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

اسی طرح خلیفہ بغداد منصور جب حج کرنے آیا تو اس نے انہی محدث ابن ابی ذئب کو غروب آفتاب کے وقت کعبہ معظمہ کے قریب بلایا۔ اس وقت ایک چوبدار میتب کے ہاتھ میں تلوار تھی اور دوسرے چوبدار ابن ہثیم کے ہاتھ میں لاٹھی۔ منصور نے پوچھا کہ اے ابن ابی ذئب! حسن بن زید کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ عدل کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر دو تین مرتبہ یہ پوچھا کہ میرے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو ابن ابی ذئب نے عالمانہ وقار کے ساتھ برجستہ یہ جواب دیا کہ وَرَبِّ هٰذِهِ الْبَنِيَّةِ اِنَّكَ لَجَائِرٌ اس عمارت (کعبہ) کے رب کی قسم ہے کہ تمہارے ظالم ہونے میں کوئی شک نہیں۔ یہ سن کر ربیع صاحب نے مارے غصہ کے آپ کی داڑھی پکڑ لی۔ اس وقت منصور نے بگڑ کر ڈانٹتے ہوئے کہا کہ اے اوگندی عورت کے بیٹے۔ خبردار ان کو چھوڑ دے تو جانتا نہیں؟ کہ هٰذَا خَيْرُ اَهْلِ الْحِجَازِ. یہ تمام اہل حجاز میں سب سے زیادہ برگزیدہ بزرگ ہیں۔ (تبصرہ تاریخ بغداد ص 31)

نتیجہ:۔ خلیفہ مہدی اور خلیفہ منصور دونوں نہایت ہی ظالم اور سفاک بادشاہ تھے ایک انسان کو قتل کرا دینا ان دونوں کے نزدیک ایک مکھی یا مچھر کو مار ڈالنے سے بھی کمتر تھا۔ مگر ان دونوں سے ابن ابی ذئب بال برابر بھی مرعوب نہیں ہوئے اور دونوں کے منہ پر کلمہ حق کہہ دیا اور یہ ابن ابی ذئب کی علمی جلالت کی کرامت تھی کہ دونوں ظالم بادشاہ آپ کی خداداد عالمانہ ہیبت سے مرعوب ہو کر خوف سے لرزہ براندام ہو گئے اور آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے مگر ابن ابی ذئب کی عالمانہ جرأت اور مجاہدانہ شجاعت کی داد دیجئے کہ تلوار کی دھار پر گردن رکھ کر انہوں نے کلمہ حق کہہ دیا کیوں نہ ہو؟ کہ

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حسن بصری اور حجاج

حجاج بن یوسف ثقفی سلطنت بنو امیہ کا وہ ظالم و سفاک گورنر ہے جس نے ایک لاکھ آدمیوں کو اپنی تلوار سے قتل کیا اور جو لوگ اس کے حکم سے قتل کیے گئے ان کا تو شمار ہی نہیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ساری امتیں اپنے اپنے منافقوں کو لائیں اور ہم صرف ایک حجاج کو پیش کر دیں تو ہمارا ہی پلہ بھاری رہے گا!

ایک مرتبہ اسی حجاج بن یوسف کا قاصد حضرت خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کی درسگاہ حدیث میں آیا اور پوچھا کہ کیا آپ حجاج کی طرف اشارہ کر کے منبر پر یہ فرمایا کرتے ہیں؟ کہ پہلے نفاق نقاب اور برقع میں چھپا رہتا تھا مگر اب وہ عمامہ باندھ کر اور تلوار لٹکا کر گھومتا پھرتا رہتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں بے شک میں یہ بات لوگوں سے کہا کرتا ہوں۔ قاصد نے کہا کہ یہ بات آپ کو کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا آپ کو معلوم نہیں؟ کہ اس کلام سے حجاج گورنر کو بہت ناگواری ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس لئے یہ بات کہا کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل نے ہم عالموں سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم حق بات کو کبھی نہ چھپائیں اور کلمہ حق کو علی الاعلان بیان کرتے رہیں۔ قرآن میں خداوند عالم کا فرمان ہے لَتُبَیِّنُنَّہٗ وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ یعنی ضرور ضرور لوگوں سے حق بات کہہ دو اور حق کو کبھی نہ چھپاؤ۔ حجاج کا قاصد آپ کی اس عالمانہ جرأت اور مجاہدانہ شجاعت پر حیران رہ گیا۔

(روح البیان ج2 ص142)

ابن السکیت اور متوکل

علامہ یعقوب بن اسحاق جو عام طور پر علامہ ابن السکیت کہلاتے ہیں۔ بہت ہی جلیل القدر عالم دین تھے اور بادشاہ بغداد متوکل باللہ کے دونوں فرزند معتز باللہ اور مؤید باللہ کے معلم تھے اور دربار شاہی میں بڑا وقار و اعتبار رکھتے تھے۔ ایک دن متوکل باللہ نے اپنی سلطنت کے غرور میں آپ سے یہ سوال کیا کہ میرے یہ دونوں فرزند آپ کے نزدیک زیادہ محبوب ہیں یا حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہم؟

یہ سوال سنتے ہی علامہ ابن السکیت کے اسلامی خون میں ایمانی جذبات کا آتش فشاں پھٹ پڑا اور انہوں نے انتہائی جلال میں آکر فرمایا کہ اے متوکل! خدا کی قسم میرے نزدیک حضرت علی

رضی اللہ عنہ کا ادنیٰ غلام قنبر تجھ سے اور تیرے بیٹوں سے لاکھوں درجے بہتر اور محبوب تر ہے۔
یہ سنناتھا کہ متوکل مارے غصہ کے آگ بگولہ ہو گیا اور ظالم نے جلادوں کو حکم دیا کہ ابن السکیت کی زبان کھینچ کر نکال لی جائے چنانچہ اس حق گوئی اور حق پرور عالم حقانی کی زبان کھینچ لی گئی اور وہ شہید ہو گئے! (روح البیان ج2ص313)

مسلمانو! دیکھ لو۔ یہ ہے ایک حق پرست عالم دین کی شان۔ اللہ اکبر۔ کسی شاعر حق گو نے کیا خوب کہا ہے ؎

مرد حق باطل کے آگے مات کھا سکتا نہیں
سر کٹا سکتا ہے لیکن سر جھکا سکتا نہیں

حق پر استقامت

سہل بن مزاحم محدث بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ پر رحم فرمائے بار بار دنیا ان کے قدموں پر گری مگر ہر بار انہوں نے دنیا کو اپنی ٹھوکروں سے ٹھکرا دیا اور دنیاوی جاہ و جلال کو قبول نہیں فرمایا اور کوڑوں کی ضرب شدید کو گوارا فرمالیا دو مرتبہ آپ کو کوڑے لگائے گئے مگر حق پر استقامت سے آپ کے قدم نہیں ڈگمگائے۔
ایک مرتبہ اموی دور حکومت میں کوفہ کے گورنر عمر بن ہبیرہ نے آپ سے عہدہ قضا کرنے پر اصرار کیا۔ آپ نے نہایت حقارت کے ساتھ اس عہدہ کو ٹھکرایا تو اس ظالم نے آپ کو سو کوڑے لگوائے۔ بالآخر ہار مان کر آپ کو چھوڑ دیا۔ دس دن تک روزانہ جلاد آپ کو دس دس کوڑے مارتا رہا اور آپ ہر روز یہی فرماتے رہے کہ میں ایک ظالم حکومت کا جج بن کر اس کے ظلم میں شریک ہونے کا گناہ عظیم ہرگز ہرگز اپنے سر لینے کے لئے تیار نہیں۔ دوسری مرتبہ جب عباسی سلطنت کے زمانے میں خلیفہ بغداد منصور نے آپ کو دربار میں طلب کر کے عہدہ قاضی القضاۃ پیش کیا تو آپ برابر انکار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ خلیفہ نے جھلا کر کہا کہ خدا کی قسم تمہیں یہ عہدہ قبول کرنا پڑے گا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ خدا کی قسم میں کبھی بھی یہ عہدہ قبول نہیں کروں گا۔

ربیع دربان نے کہا کہ اے ابو حنیفہ! کیا غضب کر۔ تے ہو؟ تم امیر المومنین کے مقابلہ میں قسم کھاتے ہو؟ آپ نے فرمایا کہ امیر المومنین کو اپنی قسم کا کفارہ ادا کر لینا مجھ سے زیادہ آسان

ہے۔ خلیفہ منصور نے غضب ناک ہو کر آپ کو قید کر دیا اور جلاد کو حکم دیا کہ جب تک یہ عہدہ قضا قبول نہ کریں روزانہ ان کو دس کوڑے لگائے جائیں۔ دوران قید میں ایک دن دربار میں بلا کر پھر منصور نے کہا کہ اے ابو حنیفہ! اپنی جان پر رحم کرو اور یہ عہدہ قبول کر لو۔

آپ نے فرمایا کہ خدا امیر المومنین کا بھلا کرے میں اس عہدہ کے لائق نہیں ہوں' منصور نے بگڑ کر کہا کہ تم جھوٹے ہو۔ امام نے جواب دیا کہ اب تو امیر المومنین نے خود ہی میرے قول کی تصدیق کر دی کہ مجھ کو جھوٹا کہا۔ اگر واقعی میں جھوٹا ہوں تو ایک جھوٹا آدمی بھلا قاضی القضاۃ بننے کے لائق کیونکر ہو سکتا ہے اور اگر میں سچا ہوں تو میں کہہ چکا ہوں کہ میں اس عہدہ کے لائق نہیں ہوں۔ منصور نے آپ کا جواب سن کر پھر آپ کو جیل بھیج دیا۔ چنانچہ آپ اسی قید خانہ میں چھ دن بیمار رہ کر 150ھ میں ستر برس کی عمر پا کر وصال فرما گئے۔

امام الحدیث ابن جریج کو جب آپ کی وفات کی خبر ملی تو ایک سرد آہ کھینچ کر انہوں نے انا للہ پڑھا اور کہا کہ اَیُّ عِلْمٍ ذَھَبَ ہائے! کیسا علم اٹھ گیا۔ (تبصرہ تاریخ بغداد ص44)

نتیجہ:۔ اللہ اکبر! جیل خانہ اور کوڑوں کی ضرب شدید اور موت کو امام نے گوارا فرما لیا مگر حکومت کے سب سے بڑے معزز عہدہ کو قبول نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ اس مغرور بااقتدار عہدہ کو قبول کر لینے پر اگرچہ دنیاوی جاہ و جلال بہت ہی بڑا حاصل ہو جاتا ہے اور تنخواہ بھی زیادہ ملتی مگر مشکل یہ تھی کہ ظالم حکومت تھی۔ بادشاہ کے ہر ظالمانہ حکم کی بحیثیت چیف جسٹس آپ کو تصدیق و تائید کرنی پڑتی اور سینکڑوں بے گناہوں کے خون ناحق کے ظالمانہ فیصلہ پر آپ کو مہر تصدیق لگانی پڑتی۔ یہ وہ بلائیں تھیں جس کو امام اعظم کو تقویٰ ہرگز ہرگز قبول نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے امام ممدوح نے اپنی جان دے دی مگر اس عہدہ کو قبول نہیں فرمایا اور قیامت تک آنے والے علماء حق کے لئے اس عملی شاہکار امام اعظم نے یہ درس دے دیا کہ ؎

اے طاہر لا ہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی!

منصور بن معتمر اور ابن ہبیرہ

عمر بن ہبیرہ سلطنت بنو امیہ کا بڑا ہی ظالم و جابر گورنر تھا یہی وہ جلاد صفت شخص ہے جس نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کوڑے لگوائے تھے۔ اس نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کی طرح شیخ الحدیث حضرت منصور بن معتمر رحمتہ اللہ علیہ کو بھی دربار میں بلا کر جج کا عہدہ پیش کیا مگر اس پیکر علم و عمل محدثِ کبیر نے فرمایا کہ اے امیر! میں ہر گز ہر گز اس عہدہ کو قبول نہیں کر سکتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ظالموں اور ظالموں کے مددگاروں اور ظالموں کی پارٹیوں یہاں تک کہ ان لوگوں کو جنہوں نے ظالموں کو قلم بھی دیا ہوگا یا دوات پیش کی ہوگی۔ ان سب کو خدا کا منادی پکارے گا۔ پھر ان سب کو ایک ساتھ لوہے کے صندوق میں بند کر کے جہنم میں پھینک دے گا۔ عمر بن ہبیرہ نے آپ کو یہ حقانی کلام سن کر آپ کو دربار سے نکلوا دیا۔ (مستطرف ج1 ص105)

نتیجہ:۔ ان نورانی حکایات میں آج کل کے سیاسی مولویوں کے لئے بہت بڑی عبرت کا سامان ہے کہ محض ایک کرسی کے لئے یہ لوگ حکومت کے ظالمانہ فیصلوں پر ہاتھ اٹھا کر ہاں میں ہاں ملاتے رہتے ہیں اور حکومت کے بڑے سے بڑے ظلم پر بھی گونگے بہرے بنے ہوئے اپنی کرسیوں سے چمٹے ہوئے خدا اور رسول اور اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف ووٹ اور بیانات دیتے رہتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ان لعنتی کرسیوں کو ٹھوکر مار کر کلمہ حق کا اعلان کریں۔ ایک ایک کرسی کے لئے قرآن کی آیتہ الکرسی کو بیچتے رہتے ہیں اور حکومت کے مظالم کی تاویل کرتے پھرتے ہیں اور ملک اور بیرون ملک کے عوام کو جھوٹ بول بول کر گمراہ کرتے پھرتے ہیں اور قیامت کے دن اپنے برے انجام کی ذرا بھی فکر نہیں کرتے۔ افسوس! بالکل سچ کہا ہے ڈاکٹر اقبال نے ان سیاسی مولویوں کے بارے میں کہ:

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرام بے توفیق

حسن بصری کا کلمہ حق

عمر بن ہبیرہ جب یزید بن عبدالملک بادشاہ دمشق کی طرف سے عراق و خراسان کا گورنر بن کر آیا تو اس نے خواجہ حسن بصری و امام محمد بن سیرین، امام شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ کو اپنے دربار میں طلب کیا اور ان علماء حق کے سامنے یہ تقریر کی کہ یزید بن عبدالملک کو خداوند عالم نے اپنے بندوں پر خلیفہ مقرر فرمایا ہے اور مجھ کو خلیفہ کی طرف سے گورنری کا عہدہ ملا ہے لہٰذا مجھے خلیفہ کی طرف سے جو حکم ملتا ہے میں بلا چون و چرا اس کی تعمیل کرتا ہوں۔ اس بارے میں آپ

حضرات کی کیارائے ہے؟ گورنر کی اس پولیٹکل گفتگو کا خواجہ حسن بصری نے جو صاف اور سچا جواب دیا ہے وہ انتہائی عبرت انگیز ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابن ہبیرہ تو یزید بن عبدالملک کے بارے میں خدا سے ڈر اور خدا کے بارے میں ہرگز ہرگز یزید بن عبدالملک کا خوف مت کر کیونکہ خداوند تعالیٰ تجھ کو دونوں جہان میں یزید بن عبدالملک کے شر سے بچا سکتا ہے مگر یزید بن عبدالملک خدا کے قہر و عذاب سے تجھ کو ہرگز ہرگز نہیں بچا سکتا ہے۔

یاد رکھ وہ قہار و جبار عنقریب تیرے پاس ملک الموت کو بھیجے گا جو تجھ کو تیرے وسیع گورنمنٹ ہاؤس اور شاندار تخت سے یک لخت اندھیری اور تنگ قبر میں پہنچا دے گا۔ وہاں تجھ کو بجز تیرے اعمال کے کوئی کام آنے والا نہیں ہے۔ لہٰذا تو خدا کے فرمان کے خلاف کسی بادشاہ کے حکم سے جسارت مت کر کیونکہ خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی فرمانبرداری ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔

حسن بصری کی اس ولولہ انگیز اور ہدایت افروز تقریر سن کر گورنر ایک عالم ربانی کی مجاہدانہ جرأت پر مجبور حیرت ہو کر خاموش ہو گیا اور تینوں علماء حق دربار سے اٹھ کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ (ابن خلکان ج 1 ص 128)

فرمان شاہی بکری کے منہ میں

بنوامیہ کے بادشاہ ہشام بن عبدالملک نے اپنے ایک معتمد خاص کے ساتھ ایک شاہی فرمان امام الحدیث حضرت اعمش رحمتہ اللہ علیہ کے پاس اس مضمون کا بھیجا کہ آپ حضرت امیر المومنین جناب عثمان رضی اللہ عنہ کی خوبیاں اور حضرت امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی برائیاں لکھ کر میرے پاس روانہ کیجئے۔

امام اعمش رحمتہ اللہ علیہ نے سلطان کا خط پڑھ کر ایک بکری کے منہ میں دے دیا۔ جب بکری خط کو چبا چکی تو آپ نے شاہی قاصد سے فرمایا کہ اپنے بادشاہ سے کہہ دینا کہ یہی اس کے فرمان شاہی کا جواب ہے۔ سلطانی قاصد گڑگڑا کر کہنے لگا کہ حضرت! ہمیں تو آپ سے تحریری جواب لانے کا حکم ہے۔ اگر ہم خالی ہاتھ لوٹے تو ہماری جان کی خیر نہیں قاصد کی گریہ وزاری اور بے قراری دیکھ کر آپ کو رحم آ گیا تو آپ نے یہ خط تحریر فرما کر قاصد کے حوالے کر دیا۔

اے امیر المومنین! اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں تمام دنیا کی خوبیاں تھیں تو تجھ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ میں جہاں بھر کی خوبیاں تھیں تو اس سے تجھ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا تو خاص اپنے نفس کی خبر لے اور اپنے اچھے برے عمل کی فکر کر، والسلام (ابن خلکان ج1 ص213)

ابن طاؤس کی مجاہدانہ جرأت

خلیفہ بغداد ابو جعفر منصور نے مشہور امام الحدیث عبداللہ بن طاؤس کو دربار شاہی میں بلایا۔ اس وقت دربار میں چند جلاد ننگی تلواریں لئے کھڑے تھے جو بادشاہ کے حکم سے لوگوں کے سر اڑا دیتے تھے۔ خلیفہ نے عبداللہ بن طاؤس سے فرمائش کی کہ آپ اپنے والد کی سند سے کوئی حدیث سنایئے؟ اس فرمائش سے عبداللہ بن طاؤس کو گویا ایک بہترین موقع ہاتھ لگا کہ خلیفہ کو اس کی بے اعتدالیوں پر کچھ تنبیہ فرمائیں چنانچہ انہوں نے اس وقت منتخب کر کے یہ حدیث سنائی:

اَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَاباً یَوْمَ الْقِیٰمَةِ رَجُلٌ اَشْرَکَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ فِیْ سُلْطَانِهٖ فَاَدْخَلَ عَلَیْهِ الْجَوْرَ.

"یعنی قیامت کے دن سب سے بڑھ کر اس شخص کو عذاب ہو گا جس کو اللہ تعالیٰ اپنی سلطنت میں سے ایک حصہ فرمائے، پھر وہ ظلم کرے۔"

خلیفہ منصور جیسے ظالم و سفاک بادشاہ کے سامنے جلادوں کی موجودگی میں عبداللہ بن طاؤس کی یہ مجاہدانہ جرأت ایمانی دیکھ کر پورا دربار دہل گیا۔ اس وقت حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی دربار میں موجود تھے۔ ان کا بیان ہے کہ مجھے عبداللہ بن طاؤس کے قتل کا پورا پورا یقین ہو گیا۔ چنانچہ میں نے اپنے دامن کو سمیٹ لیا کہ کہیں ان پر خون کے قطرات نہ پڑ جائیں۔ منصور تھوڑی دیر خاموش رہا اور دربار میں سناٹا چھا گیا مگر اس خوفناک وقت میں بھی عبداللہ بن طاؤس کی پیشانی پر کوئی بل نہیں آیا اور وہ سکون و اطمینان کا پہاڑ بنے بیٹھے رہے۔ پھر منصور نے عبداللہ بن طاؤس کو حکم دیا کہ آپ ذرا دوات اٹھا کر مجھے دیجئے تو آپ نے نہایت بے رخی کے ساتھ انکار فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ تم اس دوات سے کوئی گناہ کی تحریر لکھو گے تو میں بھی تمہارے اس گناہ میں شامل ہو جاؤں گا۔ یہ سن کر منصور مارے غصے کے سرخ ہو گیا۔ پھر قہر آلود نگاہوں سے عبداللہ بن طاؤس اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھ کر بولا قُوْمَا

عَنِّیْ تم دونوں میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔

عبداللہ بن طاؤس بادشاہ کے قہر و غضب سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوئے اور نہایت اطمینان کے ساتھ فرمایا ذٰلِکَ مَا کُنَّا نَبْغِ یہی تو ہماری عین مراد ہے اور اٹھ کر چل دیئے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس دن سے میں عبداللہ بن طاؤس کے فضل و کمال کو مان گیا۔ (مستطرف ج1 ص79)

نتیجہ:۔ مذکورہ بالا تینوں حکایات میں خواجہ حسن بصری، امام اعمش، امام عبداللہ بن طاؤس رحمہما اللہ تعالیٰ کا گورنروں اور بادشاہوں کے مقابلے میں یہ مجاہدانہ اعلان حق اور انتہائی بے خوفی کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا دور حاضر کے مصلحت اندیش اور مالداروں کی چاپلوسی کرنے والے مولویوں کے لئے تازیانہ عبرت ہے۔ غور فرمائیے کہ ان حق گو، حق شناس اور حق پرست علماء سلف نے ظالم بادشاہوں کے مقابل میں اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر جس طرح حق کا بول بالا کیا ہے کیا یہ جوش ایمانی اور جذبہ ایمانی کی فراوانی یہ سرفروشانہ استقامت و استقلال، اس حقیقت کی نشانی نہیں ہے کہ علماء حق ملت اسلامیہ کی عمارت کے ستون اور حریت اسلام کی سلطنت کے تاجدار تھے۔ خدا شاہد ہے کہ ان علماء حق کا ہی کارنامہ ہے کہ آج تک بڑے بڑے ظلم و عدوان اور ضلالت و طغیان کے طوفان میں بھی ملت اسلامیہ کا جہاز غرقاب ہونے سے بچا رہا اور لا مذہبیت اور بے دینوں کی بڑی سے بڑی خوفناک آندھیوں میں بھی نور اسلام کا چراغ روشن ہی رہا۔ خداوند قدوس ان علماء حق اور مردان احرار کی مقدس قبروں کو بہشتی گلزار بنائے کہ ان باخدا بزرگوں نے حریت اسلام کا جو شاہکار پیش کر دیا۔ قیامت تک کی گردش لیل و نہار بھی اس کے نقش و نگار کو نہیں مٹا سکتی۔ سبحان اللہ سچ ہے ؎

وہی ہے بندۂ حر جس کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ حرب ہے جس کی تمام عیاری
زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
انہیں کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری

مچھر کا خون

تابعی محدث یزید بن حبیب ایک مرتبہ بیمار ہو گئے تو مصر کا گورنر ابن سہیل ان کی عیادت

کے لئے آیا۔ درمیان گفتگو میں گورنر نے یہ مسئلہ پوچھا کہ جس کپڑے پر مچھر کا خون لگ گیا ہو وہ کپڑا پہن کر نماز جائز ہے یا نہیں؟ امام ممدوح گورنر کا یہ سوال کر غصہ میں بھر گئے اور انتہائی غضب میں ہو کر حقارت کے ساتھ اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کوئی جواب نہیں دیا اور جب گورنر چلنے لگا تو اس کی طرف قہر بھری نگاہوں سے دیکھ کر فرمایا کہ تو روزانہ خدا کے بندوں کا خون ناحق بہاتا رہتا ہے اور آج مچھر کے خون کا فتویٰ پوچھنے چلا ہے۔ (ابن خلکان ج2 ص163)

نتیجہ :۔ ظالم و بدکار اور فساق و فجار کی تنبیہ کے لئے ان کے سوالوں کا اس طرح جواب دینا اور بلا خوف ان کی بداعمالیوں پر انہیں جھڑک کر جھنجھوڑ دینا اکثر علماء سلف کا طریقہ رہا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر صحابی رضی اللہ عنہما کا مشہور واقعہ ہے کہ حج کے ایام میں ایک کوفی ان سے یہ مسئلہ پوچھنے کے لئے آیا کہ احرام کی حالت میں مچھر مارنا جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ نے انتہائی غضب و جلال میں آکر یہ فرمایا کہ آج یہ کوفی مچھر مارنے کا فتویٰ پوچھنے چلے ہیں کل جب ان ہی کوفیوں نے جگر گوشہ رسول اور فرزند بتول حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کربلا میں خون بہایا تو اس وقت یہ لوگ مجھ سے کیوں نہیں مسئلہ پوچھنے کے لئے آئے تھے؟ (بخاری شریف)

دور حاضر کے علماء کرام کو بھی یہی طریق کار اختیار کرنا چاہئے کہ اکثر مالدار لوگ اپنی سیاہ کاریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے علماء کرام سے کبھی کبھی تقویٰ اور تقدس مآبی کے مسائل پوچھا کرتے ہیں تو علماء کرام کو چاہئے کہ بالکل نڈر ہو کر یہ کہہ دیں کہ گڑ کھانا اور گلگلوں سے پرہیز کرنا یہ تقویٰ اور پرہیزگاری کو منہ چڑاتا ہے۔

بڑے پاک صورت بڑے نیک سیرت
نیاز آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

مکھی کیوں پیدا کی گئی؟

ایک دن خلیفہ بغداد ابو جعفر منصور اپنے تخت شاہی پر انتہائی متکبرانہ ادا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور ایک مکھی بار بار اس کی ناک پر بیٹھتی رہی اور وہ بار بار اڑاتا رہا۔ جب تنگ آگیا تو اس نے جھلا کر ابن سلیمان مفسر سے پوچھا کہ آخر مکھی پیدا کرنے کی خدا کو کیا ضرورت تھی۔ اس حق گو عالم حقانی نے برجستہ جواب دیا کہ خلاق عالم نے متکبروں کا غرور اور گھمنڈ توڑنے کے لئے مکھی پیدا

فرمائی ہے خلیفہ منصور یہ جواب سن کر خاموش رہ گیا اور ابن سلیمان کا منہ تکنے لگا۔

(ابن خلکان ج2 ص112)

نتیجہ :۔ سبحان اللہ! علماء حق کی عالمانہ جرأت اور مجاہدانہ شجاعت کا کیا کہنا؟ ان کی بے نیازی اور استغناء کی ٹھوکروں سے بڑے بڑے بادشاہوں کے تاج پامال ہو گئے مگر افسوس کہ آج کل کے مولویوں نے مالداروں کی چاپلوسی اور خوشامد میں اپنے علم کے دامن عظمت کو ذلت ورسوائی کے بدترین داغوں سے داغدار بناڈالا اور اپنے تلامذہ اور شاگردوں کو بھی اپنے طرز عمل سے اسی ذلت وخواری کی دلدل میں پھنسارہے ہیں۔ افسوس صد ہزار افسوس ۔

شکایت ہے مجھے یا رب خداوندان مکتب سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

کاش میں تیری صورت نہ دیکھتا

خلیفہ بغداد ہارون رشید نے ایک دن مشہور حافظ حدیث عبداللہ بن ادریس کو دربار شاہی میں طلب کیا اور کہا کہ میں آپ کو عہدۂ قضا سونپتا ہوں۔ آپ نے نہایت حقارت کے ساتھ بادشاہ کی اس فرمائش کو ٹھکرا دیا اور اس عہدہ کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ خلیفہ نے انتہائی غیض و غضب میں آکر یہ کہا کہ کاش میں تیری صورت نہ دیکھتا۔ عبداللہ بن ادریس نے بھی نہایت ہی متانت کے ساتھ یہ جواب دیا کہ کاش میں بھی تیری صورت نہ دیکھتا۔ یہ فرمایا اور دربار سے اٹھ کر چلے گئے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج1 ص261)

نماز کا چور

مشہور ظالم حجاج بن یوسف ثقفی ایک مرتبہ حج کے لئے آیا اور اتفاق سے عالم مدینہ حضرت سعید بن مسیب تابعی کے برابر نماز کے لئے کھڑا ہوا اور امام سے پہلے رکوع و سجدہ کرنے لگا۔ حضرت سعید بن مسیب نے نماز سے فارغ ہوتے ہی اپنا جوتا اٹھا کر فرمایا کہ اے چور! اے خائن تو اس طرح نماز پڑھتا ہے؟ میرا جی چاہتا ہے کہ یہی جوتا تیرے منہ پر ماروں۔ اس کے بعد حجاج دمشق گیا تو حجاز کا گورنر بن کر مدینہ منورہ آیا اور فوراً مسجد نبوی میں حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ حدیث میں پہنچا اور کہنے لگا کہ آپ ہی نے حج کے موقع پر جوتا اٹھا کر مجھے نماز

کا چور اور خائن کہا تھا؟ سعید بن مسیب نے نہایت جرأت واستقلال کے ساتھ فرمایا کہ ہاں میں نے ہی کہا تھا اور بالکل حق کہا تھا۔ حجاج آپ کا عالمانہ تیور دیکھ کر آپ کی روحانی طاقت سے اس قدر مرعوب ہوا کہ بالکل ہی سہم گیا اور کہنے لگا کہ خداوند کریم آپ کو جزاء خیر دے کہ آپ نے مجھے بڑی اچھی تعلیم دی تھی۔ اب میرا یہ حال ہے کہ جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو آپ کا جوتا میری نظروں کے سامنے ہو جاتا ہے اور آپ کے کلمات مجھے یاد آجاتے ہیں تو میں بہت سنبھال سنبھال کر نماز پڑھتا ہوں۔ (روح البیان ج8 ص221)

بادشاہوں کا کھلونا

خلیفہ بغداد ہارون رشید نے ایک مرتبہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ میری تمنا ہے کہ میں حجاج بن یوسف ثقفی کا تعمیر کیا ہوا کعبہ شریف منہدم کر کے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بنائے کعبہ کے مطابق تعمیر کرادوں جس کی حضور اقدس ﷺ نے خواہش فرمائی تھی۔ یہ سن کر حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت جرأت وجلال کے ساتھ فرمایا کہ اے امیر المومنین! میں آپ کو قسم دلاتا ہوں کہ خبردار آپ ہر گز ہر گز کعبہ معظمہ کو بادشاہوں کا کھلونا نہ بنائیں۔ اگر یہ دستور نکل پڑا تو ہر آنے والا بادشاہ کعبہ کو توڑتا اور بناتا رہے گا۔ اس طرح کعبہ معظمہ کی ہیبت وعظمت لوگوں کے دلوں سے جاتی رہے گی۔ امام ممدوح کا یہ جواب سن کر ہارون رشید کا حوصلہ پست ہو گیا اور اس نے تعمیر کعبہ کا خیال چھوڑ دیا اور اس کے بعد سے آج تک کسی بادشاہ کی یہ ہمت وجرأت نہیں ہوئی کہ کعبہ مقدسہ کو منہدم کر کے اس کی تعمیر کرتا۔

(روح البیان ج1 ص232)

بادشاہ کو جھڑک دیا

شیخ الاسلام علامہ سلفی بڑے بارعب اور جاہ وجلال کے محدث تھے۔ مذہبی اختلافات کے باوجود شاہان مصر کے دربار میں آپ کا بڑا اثر واقتدار تھا۔ حضرت ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طریقہ تھا کہ باوجودیکہ عمر شریف سو برس سے زیادہ تھی مگر انتہائی وقار کے ساتھ حدیث بیان فرماتے تھے اور درمیان درس نہ پانی پیتے، نہ تھوکتے نہ پہلو بدلتے نہ کوئی دنیاوی گفتگو کرتے۔ ایک مرتبہ بادشاہ مصر اپنے بھائی کے ساتھ آپ کی درس گاہ میں آ گیا اور درس کے دوران میں بادشاہ نے

اپنے بھائی سے کوئی بات کہہ دی۔ تو آپ کو اس قدر جلال آگیا کہ آپ نے تڑپ کر بادشاہ کو جھڑک دیا اور فرمایا ہم اس لئے حدیث نہیں پڑھتے کہ تم دونوں باتیں کرتے رہو۔

آپ انتہائی مفلسی کی حالت میں اپنے وطن سے اسکندریہ میں جاکر آباد ہو گئے تھے مگر وہاں کی ایک مالدار خاتون نے آپ سے نکاح کر لیا۔ اس لئے آپ کی مالی حالت قدرے بہتر ہو گئی اور آپ تمام عمر حدیث شریف کے درس اور کتابیں جمع کرنے میں مصروف رہے۔ 576ھ میں ایک سو چھ برس کی عمر پا کر دار البقا کو روانہ ہو گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج4 ص95)

شہید کون ہے؟

تیمور لنگ بادشاہ کی یہ عادت تھی کہ وہ جب کسی شہر کو فتح کرتا تو وہاں کے علماء کو اپنے دربار میں بلا کر کچھ خاص قسم کے سوالات کرتا اور ان کے جوابات کو بہانہ بنا کر انہیں قتل کرا دیتا تھا۔ چنانچہ جب اس نے حلب کو فتح کیا تو شہر میں قتل عام کرایا اور ہزاروں مسلمانوں کو گرفتار کر لیا۔ پھر علماء شہر کو قلعہ میں بلا کر اپنے سامنے بٹھایا اور اپنے درباری مولوی عبدالجبار بن علامہ نعمان الدین حنفی سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ ان علماء سے کہہ دیجئے کہ میں ان سے ایک ایسا مسئلہ پوچھوں گا جو میں نے سمرقند، بخارا اور ہرات وغیرہ کے علماء سے بھی دریافت کیا مگر ان لوگوں نے اس کا شافی جواب نہیں دیا۔ لہٰذا ان علماء کی طرح یہ لوگ بھی میرے سوال کا مجمل اور گول مول جواب نہ دیں بلکہ صاف صاف وضاحت کے ساتھ جواب دیں اور ان علماء میں جو سب سے زیادہ صاحب ہو وہی جواب دے۔

چنانچہ درباری عالم عبدالجبار نے کہا کہ ہمارے سلطان آپ لوگوں سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کل کی جنگ میں ہمارے اور تمہارے آدمی بکثرت قتل ہوئے تو آپ لوگ یہ بتائیں کہ ہماری فوج کے مقتولین شہید ہوئے یا تمہاری فوج کے؟ یہ سوال سن کر تمام علماء گھبرا گئے۔ مگر علامہ ابن شحنہ جواب دینے کے لئے کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ مجھے اس وقت ایک حدیث یاد آگئی ہے۔

ایک اعرابی حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص مال غنیمت کے لالچ میں جنگ کرتا ہے اور ایک شخص شہرت اور ناموری کے لئے قتال کرتا ہے تو ان میں سے شہید کون ہے؟ تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے خدا کی راہ میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جنگ کی وہی شہید ہے۔ لہٰذا اے بادشاہ ہماری فوج کے مقتولین ہوں یا آپ کی فوج

کے جنہوں نے خدا کی راہ میں کلمہ حق کی بلندی کی نیت سے جنگ کی ہو گی وہ شہید ہو گے اور جو مال غنیمت یا ناموری کے لئے لڑتے ہوئے مارے گئے ہوں گے وہ شہید نہیں ہوں گے۔ علاوہ ابن شحنہ کا یہ مسکت اور شافی جواب سن کر تیمور حیران رہ گیا اور بے اختیار تیمور کی زبان سے نکلا۔ خوب خوب!

درباری عالم عبدالجبار نے بھی یہی کہا کہ مَا اَحْسَنَ مَا قُلْتُ یعنی آپ نے کیا ہی اچھا جواب دیا۔ (روح البیان ج4 ص279)

نتیجہ :۔ مذکورہ بالا پانچوں حکایات کو بغور پڑھئے تو ان سے صاف صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے اور سبق ملتا ہے کہ علماء سلف جن کا سینہ علوم اسلامیہ کا خزینہ تھا مقدس نفوس کتنے اونچے کیریکٹر کے انسان تھے اور امراء و سلاطین کے مقابلہ میں بے خوف اور بے دھڑک کلمہ حق کہہ دینا ان کی مقدس زندگی کا شعار ان کے عمل و کردار کا بے مثال شاہکار تھا اور خداوند قدوس پر ان بزرگوں کے توکل و اعتماد کا یہ عالم تھا کہ غیر اللہ کے خوف و ہراس کے داغ دھبوں سے ان کا سینہ آئینہ کی طرف صاف و شفاف تھا اور بلا شبہ یہ اللہ والوں کا گروہ لَا یَخَافُوْنَ اِلَّا اللّٰہ کی عملی تفسیر کا آئینہ دار تھا۔ اسلام کی عظمت اور کلمہ حق کی سربلندی کے لئے اپنی جان کی بازی لگا کر اور موت کے منہ میں کود کر اعلان کر دینا۔ بلکہ حق گوئی کے لئے اپنی جان کو قربان کر دینا۔ ان انبیاء کے وارثوں کا یہ وہ بے مثال اسلامی کارنامہ ہے جو یقیناً معراج انسانیت کی ایک بلند ترین منزل رفعت ہے۔ بڑے بڑے فرعون صفت، ہمالیہ جیسے سربلند امراء و سلاطین تخت نشین ہو کر ان بوریا نشین درویش صفت عالموں سے ٹکرائے مگر ان علماء حق کی اولعزمی، خودداری، بے نیازی اور حق گوئی کی ٹکر سے ان کے تخت و تاج کی عظمتیں پاش پاش ہو کر حقیر ذرات غبار کی طرح پامال خلائق بن گئیں۔ کیوں نہ ہو کہ ؎

غیر حق کے سامنے مسلم کا سر جھکتا نہیں
یہ وہ طوفان ہے پہاڑوں سے بھی جو رکتا نہیں

ساتھ ہی ان نورانی واقعات میں ان مسلم نما ملحدوں اور گندی سیاست کے پرستاروں اور جاہل و مغرور مالداروں کے لئے بھی درس عبرت اور سامان بصیرت ہے جو اپنی بدمذہبی، بداعمالی کو چھپانے اور اپنی دکان شہرت کو چمکانے کے لئے رات دن علماء حق پر طعن و تشنیع کر کے اور علماء

حق کو بے عمل لالچی، مفت خور، ضمیر فروش کہہ کر عوام کے دلوں سے ان اللہ والوں کی عظمت کا جنازہ نکالنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہتے ہیں۔ ان کی آنکھیں کھلنی چاہئیں کہ علماء سلف نے عوام تو عوام امراء و سلاطین کے سامنے انجام سے بے نیاز ہو کر جس طرح تبلیغ حقانیت کا شاندار ریکارڈ قائم کر دیا ہے کہ یہ شاندار کارنامے دور حاضر کے خدمت اسلام کا نعرہ لگانے والے لیڈروں کا کبھی خواب و خیال میں بھی نظر نہیں آسکتے۔

افسوس! کرسیوں کے لئے وزیروں کے بنگلوں کا طواف کرنے والے اور چھوٹے چھوٹے عہدوں کے لئے ضمیر فروشی کرنے والے اور ملت اسلامیہ کو دن کی روشنی میں چوراہے پر کھڑے ہوئے کرسیوں اور عہدوں کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دینے والے آج ان پیغمبروں کے جانشینوں پر طعن و تشنیع کرتے پھرتے ہیں۔

جنہوں نے دنیا کے جاہ و حشم کے تخت و تاج پر ٹھوکر مار کر خشک روٹی اور چٹائیوں پر زندگی بسر کر دی مگر اپنی زندگی کے آخری سانس تک ملت اسلامیہ کے سفید دامن پر ایک داغ تک لگنے نہیں دیا اور جب امراء اور سلاطین کے غرور گھمنڈ نے ان کو للکارا تو ان شیر ان حق نے یہ کہہ کر اپنے عمل سے ان کے غرور و تکبر کو پاش پاش کر کے رکھ دیا کہ

کیا تخت نے سمجھا ہے کیا تاج نے جانا ہے
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

کلمہ حق کی تاثیر

فضل بن ربیع کا بیان ہے کہ ایک سال حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں رات کو میرے سو جانے کے بعد اچانک خلیفہ ہارون رشید نے مجھ کو بیدار کیا اور فرمایا کہ تم مجھے ابھی ابھی کسی عالم ربانی کے پاس لے چلو کیونکہ میرے دل میں اس وقت ایک خیال کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے اور اس کو عالم ربانی کے سوا کوئی بھی میرے دل سے نہیں نکال سکتا چنانچہ میں خلیفہ کو سفیان بن عیینہ محدث کے پاس لے گیا۔ میں نے دروازے پر دستک دی تو وہ باہر نکلے۔ امیر المومنین کو ناگہاں رات گئے اپنے دروازے پر کھڑے دیکھ کر حیران رہ گئے اور کہا آپ نے ناحق تکلیف گوارا فرمائی کاش مجھے اطلاع دے دیتے تو میں خود حضورِ سلطانی میں حاضر ہو جاتا۔ خلیفہ نے تھوڑی دیر گفتگو کی پھر دریافت کیا کہ آپ مقروض بھی ہیں؟ سفیان نے جواب دیا۔ جی ہاں۔ خلیفہ نے حکم دیا

اے فضل! تم ان کا قرض ادا کرو پھر ہم وہاں سے واپس آئے تو خلیفہ نے کہا کہ اے فضل! تم مجھے کسی دوسرے عالم کے پاس لے چلو یہاں میرا کام نہیں بنا میں نے فوراً محدث عبدالرزاق کے مکان کا رخ کیا۔ ان کا دروازہ کھنکھٹایا تو وہ بھی امیر المومنین کا نام سن کر گھبرائے ہوئے مکان سے نکل پڑے اور یہ کہا امیر المومنین آپ نے بڑی تکلیف فرمائی ہے مجھے یاد فرمالیا ہوتا تو میں خود حاضر ہو جاتا۔ پھر ان سے بھی خلیفہ نے تھوڑی دیر بات کی اور پوچھا کہ آپ پر کچھ قرض کا بار ہے؟ عبدالرزاق محدث نے فرمایا کہ جی ہاں۔ میں قرض دار تو ہوں۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اے فضل! تم ان کا قرض ادا کرو!

پھر ہم وہاں سے چل پڑے۔ خلیفہ نے کہا۔ یہاں بھی میرا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اے فضل کسی دوسرے عالم کا دروازہ دیکھو۔ پھر ہم فضیل بن عیاض محدث کے گھر پہنچے تو مکان کے اندر سے تلاوت قرآن مجید کی آواز آرہی تھی۔ میں نے دروازہ کھنکھٹایا تو انہوں نے نہایت ہی قہر و غضب بھری آواز میں فرمایا کہ تم کون ہو اور رات میں یہاں کیوں آئے ہو؟ میں نے کہا! امیر المومنین آپ سے ملنے کے لئے دروازے پر کھڑے ہیں۔ انہوں نے اور بھی غصہ میں بھر کر زور سے چلا کو جواب دیا کہ مجھ کو امیر المومنین سے اور امیر المومنین کو مجھ سے کیا کام؟ میں نے کہا سبحان اللہ! کیا امیر المومنین کی اطاعت آپ پر لازم نہیں؟

یہ سن کر وہ اٹھے اور دروازہ کھول کر فوراً ہی چراغ بجھا دیا اور اوپر کی منزل میں جا کر کوٹھڑی کے ایک کونے میں دبک گئے۔ میں اور خلیفہ دونوں اندھیرے مکان میں داخل ہوئے۔ کوٹھڑی میں پہنچ کر ٹٹولنے لگے تو خلیفہ کا ہاتھ۔ فضیل کے بدن پر پڑا۔ فضیل رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ وہ واہ کتنا نرم و نازک ہاتھ ہے۔ کاش یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پا جاتا۔ پھر انہوں نے گفتگو شروع کی تو فرمایا۔

اے امیر المومنین! تمہارے بڑے بڑے دوست جو دنیا میں ہیں۔ اگر قیامت کے دن ان سے کہہ دیا جائے کہ وہ تمہارے گناہوں کا ایک ذرہ حصہ اپنے سر اٹھالیں تو وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگیں گے اور ہرگز ہرگز وہ تمہارے کام نہیں آئیں گے!

اے امیر المومنین تمہیں معلوم نہیں، جس دن حضرت عمر بن العزیز خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے سالم بن عبداللہ، محمد بن کعب قرظی اور رجاہ بن حیوہ تینوں جلیل القدر عالموں کو بلایا

اور یہ عرض کیا اے علماء امت! میں ایک بلا میں مبتلا کر دیا گیا ہوں۔ لہٰذا آپ لوگ مجھے اس حکومت کے چلانے میں دینی مشورہ دیتے رہیں۔ اے امیر المومنین! تم نے غور کیا؟ عمر بن عبدالعزیز اس خلافت کو ایک بلا اور مصیبت سمجھتے تھے اور تم اس کو ایک نعمت جان کر اس سے چمٹے ہوئے ہو۔ پھر ان تینوں علماء نے عمر بن عبدالعزیز کو ایسی ایسی نصیحتیں کیں کہ ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ حضرت سالم بن عبداللہ نے فرمایا۔ اے عمر بن عبدالعزیز! اگر تم اس بلا سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو دنیا سے روزہ رکھو اور موت سے افطار کرو۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے عمر بن عبدالعزیز نجات اسی میں ہے کہ تم اپنے بڑوں کو باپ، اپنے برابر والوں کو بھائی اور اپنے سے چھوٹوں کو بیٹا سمجھ کر باپ کے ساتھ نیک سلوک اور بھائی کے ساتھ رحم اور بیٹے کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرو اور حضرت رجاء بن حیوہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا اے عمر بن عبدالعزیز! اگر تمہیں نجات کی طلب ہے تو اپنے لئے جس چیز کو پسند کرتے ہو وہی ساری مخلوق کے لئے پسند کرو اور اپنے لئے جس چیز کو برا سمجھتے ہو اس کو تمام مخلوق کے لئے برا سمجھو۔

پھر فضیل نے خلیفہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے امیر المومنین! سچ سچ بولو! کیا تمہارے اردگرد بھی ایسے حقانی علماء ہیں جو؟ جو تمہیں ایسی نصیحتیں کرتے رہتے ہیں۔

اے امیر المومنین! خدا کی قسم مجھے قیامت کے لئے تمہارے لئے بڑا خطرہ نظر آرہا ہے کہ تم کس طرح نجات پاؤ گے؟ فضیل جوش میں بھرے ہوئے یہ کلمۃ الحق ارشاد فرما رہے تھے اور خلیفہ کا یہ حال تھا کہ خوف الٰہی سے اس کے جسم کا رونگٹا رونگٹا اور بدن کا بال بال لرزہ براندام ہوا تھا۔ یہاں تک کہ خلیفہ چیخ مار کر رونے لگا اور روتے روتے بے ہوش ہو گیا۔ فضل بن ربیع کہتے ہیں میں نے گھبرا کر کہا۔

اے فضیل رحمۃ اللہ علیہ! تم نے تو امیر المومنین کو قتل ہی کر ڈالا تو فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے غضب ناک ہو کر ڈانٹا اور تڑپ کر فرمایا کہ چپ۔ اے ربیع کے بیٹے! میں نے امیر المومنین کو قتل نہیں کیا ہے بلکہ امیر المومنین کے قاتل تم اور تمہارے ساتھی ہیں۔

پھر جب خلیفہ کو ہوش آیا تو وہ سنبھل کر بیٹھا۔ عرض کیا اے فضیل! رحمۃ اللہ علیہ کچھ اور مجھے نصیحت فرمائیے تو آپ نے فرمایا کے اے امیر المومنین! سنو عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ایک گورنر کے نام یہ فرمان تحریر کیا تھا کہ اگر تو اپنی نجات چاہتا ہے تو راتوں کو جاگ اور جہنمیوں کی

بیداری اور ان کی بے قراری کو یاد رکھ۔ یہ سن کر پھر خلیفہ کی چیخ نکل گئی اور وہ خوب رویا۔ جب کچھ سنبھلا تو پھر عرض کیا اے فضیل بن عیاض! کچھ اور فرمایئے تو آپ نے ایک حدیث سنائی جس میں حضور اکرم ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو یہ نصیحت فرمائی تھی کہ اے چچا! امارت و حکومت قیامت کے دن حسرت و ندامت کا سامان ہوگی خلیفہ پھر کچھ دیر روتا رہا اور پھر عرض کیا آپ کچھ اور ارشاد فرمایئے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اے خوب صورت چہرے والے! قیامت کے دن خداوند عالم تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پرسش فرمائے گا تو تم اس حسین و جمیل چہرے کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اور اس حالت میں صبح و شام کرو کہ اپنی رعیت میں کسی کی طرف سے کوئی بغض و کینہ تمہارے دل میں نہ رہے۔

خلیفہ پر پھر گریہ وزاری کی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ بہت دیر تک چلا چلا کر روتا رہا۔ جب اس کو کچھ سکون ہوا تو آنسو پونچھتے ہوئے عرض کیا کہ اے فضیل! کیا آپ پر کچھ قرض بھی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! میرے اوپر میرے خالق کا بہت بڑا قرض ہے کسی مخلوق کا مجھ پر کوئی قرض نہیں۔ چلتے وقت خلیفہ نے ایک ہزار دینار بطور نذرانہ پیش کئے تو آپ نے انتہائی برافروختہ ہو کر فرمایا کہ افسوس! میں نے تم کو ہدایت کا راستہ بتایا اور تم مجھے اس کا یہ بدلہ دیتے ہو۔ مجھے دنیا کے حرص و لالچ میں گرفتار کرتے ہو۔ یہ کہہ کر فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ بالکل خاموش ہو گئے اور ہم لوگوں نے بہت کوشش کی کہ وہ کچھ فرمائیں مگر پھر وہ ایک حرف بھی نہیں بولے۔ مجبوراً ہم لوگ ان کے پاس سے اٹھ کر چلے آئے۔

راستے میں خلیفہ ہارون رشید نے فرمایا کہ اے فضیل! اگر مجھے کسی عالم کے پاس لے چلا کرو تو ایسے ہی لوگوں کے پاس لے جایا کرو۔ میرے خیال میں یہ آج کل رتبہ سید السالکین پر ہے۔ (مستطرف ج1 ص80)

خلیفہ سلیمان رو پڑا

خلیفہ دمشق سلیمان بن عبدالملک اموی بڑے کروفر کا بادشاہ تھا۔ اس نے ایک مرتبہ مشہور محدث امام طاؤس رحمتہ اللہ علیہ کو دربار میں بلایا تو امام ممدوح نے فرمایا کہ امیر المومنین آپ کو معلوم ہے کہ سب سے زیادہ عذاب کس کو ہوگا؟ خلیفہ نے کہا۔ آپ ہی ارشاد فرمایئے تو آپ نے یہ حدیث پڑھ کر سنائی:

"جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی سلطنت میں بادشاہی عطا فرمائی۔ پھر اس نے ظلم کیا تو اس شخص کو قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب دیا جائے گا۔"

یہ سن کر خلیفہ لرز گیا اور چیخ مار کر رونے لگا۔ یہاں تک کہ روتے روتے تخت پر چت لیٹ گیا۔ اس کے تمام ہم نشین اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلے گئے۔ (مستطرف ج 1 ص 94)

نتیجہ :۔ ان دونوں حکایات سے یہ نتیجہ نکلا کہ تقریر کی تاثیر اور وعظ کے اثر کے لئے جہاں سامعین کے قلبی رجوع اور دلی توجہ کی ضرورت ہے وہاں مقرر اور واعظ کے لئے بھی انتہائی ضروری ہے کہ وہ عالم با عمل اور اخلاص کا پیکر ہو اور ہر قسم کے حرص اور غرض سے اس کا وعظ پاک ہو۔ جہاں یہ دونوں چیزیں جمع ہوں گی وہاں وعظ اور تقریر کا اثر ہونا لازم ہے اور اگر ان دونوں میں سے کوئی چیز بھی مفقود ہو گئی تو وعظ کی تاثیر بھی ناپید ہو جائے گی۔

ہارون رشید پر جو حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ کا اور سلیمان بن عبدالملک پر جو امام طاؤس کی تقریر کا اتنا بڑا اثر ہوا کہ پتھر سے زیادہ سخت دل موم سے بھی زیادہ نرم پڑ گئے۔ اس کا باعث یہی تھا کہ ان دونوں کو طلب صادق اور قلبی توجہ کی توفیق حاصل ہو گئی تھی اور حضرت فضیل اور امام طاؤس رحمہما اللہ تعالیٰ پیکر علم و عمل اور مجسمہ اخلاص تھے۔ آج کل واعظوں اور تقریروں میں جو اثر نہیں رہا اس کا سبب یہی ہے کہ نہ سامعین میں طلب صادق رہی نہ واعظین میں اخلاص عمل۔ سامعین کا تو یہ حال ہے کہ ؎

سجائی تو ہے بزم واعظ نے لیکن
دلوں کی کمی ہے نگاہیں بہت ہیں

اور واعظین و مقررین کا یہ عالم ہے کہ ان کے عمل و کردار اور صورت کو دیکھ کر بے اختیار زبان پر یہ شعر آجاتا ہے کہ ؎

واعظ کا ہر اک ارشاد بجا
تقریر بہت دلچسپ بھی ہے
آنکھوں میں سرور عشق نہیں
چہرے پہ یقین کا نور نہیں

لہٰذا ضرورت ہے کہ سامعین رجوع الی اللہ کے جذبے کے ساتھ طلب صادق لے کر وعظ

کی مجلسوں میں تشریف لائیں۔ کیونکہ یہ انتہائی ضروری ہے کہ ۔

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے

اور واعظین کے لئے بھی انتہائی ضروری ہے کہ جو کچھ کہیں جذبہ اخلاص کے ساتھ ہر قسم کے شائبہ حرص وغرض سے مبرا ہو کہ للّٰہیت کے ساتھ واعظ فرمائیں۔

فارسی کی مشہور کہاوت ہے کہ "از دل خیز بر دل ریزد" یعنی کہ ۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر، نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

ساتھ ہی علماء سلف کی طرح عالم باعمل بن کر امت مسلمہ کو وعظ سنائیں۔ ورنہ واعظ و تقریر کی بے اثری کو دیکھ کر دنیا یہ کہنے پر مجبور ہو گی کہ ۔

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی — برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں، روحِ بلالی نہ رہی — فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصافِ حجازی نہ رہے

غضب سلطانی کا سامنا

خلیفہ دمشق عبدالملک بن مروان ایک شخص پر انتہائی غضبناک ہو گیا اور یہ کہہ دیا کہ خدا کی قسم اگر مجھ کو اس شخص پر قابو مل گیا تو اس کو ہلاک و برباد کر ڈالوں گا۔ وہ غریب جب حضور سلطانی میں گرفتار ہو کر پیش ہوا تو خلیفہ اس کو دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گیا اور سلطانی ہیبت سے تمام درباری لرزہ براندام ہو کر خاموش بیٹھ رہے مگر ایسی حالت میں مشہور محدث رجاء بن حیوہ نے خلیفہ کو متوجہ کر کے فرمایا اے امیر المومنین! اس کی گرفتاری جو آپ کو پسند تھی وہ تو خداوند تعالیٰ نے کر دی کہ یہ شخص پابہ زنجیر آپ کے دربار میں حاضر ہے اب آپ کو وہ کرنا چاہئے جو خداوند تعالیٰ کو پسند ہے یعنی مجرم کو معاف کر دینا۔ امام ممدوح کے کلمات سن کر خلیفہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور جوش پر ہوش غالب آ گیا۔ خلیفہ نے اس کا قصور معاف کر دیا اور شاہانہ عطیہ سے اس کو مالا مال بھی کر دیا۔ (مستطرف ج1 ص192)

نتیجہ:۔ بنوامیہ اور بنو عباس کی حکومتیں اس دور کی آئینی حکومتیں نہیں تھیں کہ وزیر اعظم اور صدر جمہوریہ تک کو ایک ادنیٰ آدمی جواب دہی کے لئے سپریم کورٹ میں حاضر کرا سکتا ہے۔ یہ شخصی حکومتیں تھیں اور جو کچھ بادشاہ کے منہ سے نکل جاتا تھا وہ ناقابل ترمیم قانون کا درجہ رکھتا تھا۔ ان حکومتوں میں جیسے ظلم و جبر اور قہاری دور دورہ تھا۔

علماء کے بادشاہوں سے تعلقات

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر دور میں کچھ ایسے علماء گزرے ہیں جو بادشاہوں کی ملازمت تو کجا؟ ملاقات تک کو پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ امراء سلاطین کی صحبت کو اپنے علم دین کی توہین اور اپنے دین و تقویٰ کے لئے سم قاتل و زہر ہلاہل سمجھتے تھے مگر ساتھ ہی کچھ نہ کچھ علماء کرام ہر دور میں ایسے موجود رہے جو بادشاہوں کی صحبت و ملازمت اس نیت سے اختیار فرما لیتے تھے تاکہ اسلام اور مسلمانوں کی نفع رسانی اور بادشاہوں کی صلاح و فلاح کے لئے اپنے علم و عمل کی عظیم طاقت کو کام میں لا سکیں۔ چنانچہ بہت سے علماء کرام بادشاہوں کی وزارت اور سفارت کے منصب جلیل پر فائز ہوئے اور بہت سے علماء کرام شاہی ملازمتوں کے بڑے بڑے عہدوں کو قبول کر کے اپنی علمی و عملی صلاحیتوں کی بدولت اسلام و مسلمین کے لئے سرمایہ رحمت بنے اور بادشاہوں اور حکومتوں کے لئے اصلاح و ہدایت کا سامان فراہم کیا۔

بعض علماء اپنے اثر و رسوخ سے بساط سیاست کو الٹ پلٹ کر حکومت میں دخیل بلکہ بادشاہ گر بن گئے۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے دو مرتبہ کوڑوں کی مار کھائی۔ قید و بند کی مصیبت بھگتی مگر حکومت کے عہدۂ قضا کو قبول نہیں فرمایا مگر انہیں کے شاگرد رشید امام ابو یوسف تمام قاضیوں کے اعلیٰ افسر بنے اور ہارون رشید کی خلافت کو ہر قسم کی گمراہیوں سے بچایا۔

حضور اکرم کا ارشاد ان سب بزرگوں کے پیش نظر تھا کہ انما الاعمال بالنیات یعنی اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے۔

چنانچہ ایسے چند علماء کی بھی بعض حکایات سن لیجئے تاکہ تاریخی حقائق کی نقاب کشائی بھی ہو جائے اور اس دور کے مسٹروں کی بھی آنکھیں کھل جائیں کہ علم دین پڑھنے والوں کو یہ لوگ ملا کہہ کر حقیر سمجھتے ہیں۔ ان ملا لوگوں میں بھی کیسے کیسے جوہر قابل ہوتے رہے ہیں اور عظیم

الشان کارنامے سرانجام دیتے رہے ہیں۔

شاہی ملازمت

جن علماء سلف نے اپنی علمی شان کو باقی رکھتے ہوئے شاہی ملازمت کے اعلیٰ عہدوں کو سرفراز فرمایا۔ان کی ایک مختصر فہرست ملاحظہ فرمائیے:۔

علامہ ابن حزم خلیفہ بغداد مستظہر باللہ کے وزیراعظم رہے۔ علامہ کمال الدین فقیہ شافعی نے سلطان نورالدین والی شام و مصر کا قلمدانِ وزارت سنبھالا۔ مولانا تاج الدین ابراہیم پاشا رئیس الوزراء نے سلطان بایزید یلدرم کی وزارت عظمیٰ کو عزت بخشی۔

(علمائے سلف ص111)

اسی طرح حافظ ابن ماکولا جو بہت ہی نامور محدث گزرے ہیں۔ یہ وزیر سعد الملک کے نام سے مشہور تھے۔ خلیفہ بغدادی مقتدی باللہ نے ان کو طمغان خاں والی سمرقند کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج4 ص5)

امام ابوالمحاسن حافظ قریشی صرف 30/برس کی عمر میں دربار بغداد کی طرف سے سلطان نورالدین زنگی کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجے گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج4 ص154)

شیخ شہاب الدین سہروردی دربار میں بغداد کی جانب سے شاہ اربل کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجے گئے۔

(ابن خلکان جلد1 ص451)

امام ابویعقوب شیرازی محدث بہت سے درباروں میں سفیر بن کر پہنچے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج4 ص150)

امام زہری خلیفہ عبدالملک اور خلیفہ ہشام کے مقربین میں داخل تھے۔

(ابن خلکان ج1 ص451)

خطیب بغدادی عزالدولہ کے مقربین میں داخل تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج3 ص334)

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے جب امیرالمسلمین یوسف بن تاشقین کی تعریف سنی تو اس سے ملنے کے لئے افریقہ کو روانہ ہوئے مگر آپ ابھی منزل مقصود تک نہیں پہنچے تھے کہ امیر یوسف کا انتقال ہوگیا۔ یہ خبر امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اسکندریہ میں سنی تو وہیں سے واپس چلے آئے۔

(ابن خلکان ج2 ص370)

بادشاہ گر عالم

جب سلیمان بن عبدالملک خلیفہ دمشق بہت سخت بیمار ہو گیا تو اس کو اپنے جانشین کی فکر ہوئی۔ چنانچہ اس نے ایک دستاویز میں اپنے ولی عہد کا نام لکھ دیا مگر سلطنت کے اس نقلاب آفرین کام میں مشورہ کرنے کے لئے ایک مشہور عالم رجاء بن حیوہ محدث شامی رحمتہ اللہ علیہ کو بلایا۔ حضرت رجاء رحمتہ اللہ علیہ نے جو دستاویز پڑھی تو اس پر خلیفہ کے ایک نابالغ لڑکے کا نام درج تھا۔ آپ نے فرمایا کہ امیر المومنین! اگر آپ اپنی قبر میں سکون اور آسودگی چاہتے ہیں تو کسی ایسے شخص کو اپنا جانشین بنائیے جو اس سلطنت کے حسن و خوبی کو چار چاند لگا دے۔ یہ نابالغ بچہ بھلا کیا حکومت سنبھالے گا؟ حضرت رجاء رحمتہ اللہ علیہ کا یہ کلمہ حق تاثیر کا تیر بن کر خلیفہ کے دل میں چبھ گیا اور اس نے فوراً ہی دستاویز کو پھاڑ کر پرزے پرزے کر ڈالا پھر کہا کہ میرے بیٹے داؤد کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے۔

حضرت رجاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ اس وقت دارالخلافہ سے سینکڑوں میل دور قسطنطنیہ کے جہاد میں مصروف ہے اور یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں۔ خلیفہ نے کہا کہ پھر کس کو میں اپنا ولی عہد بناؤں؟ حضرت رجاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ کا بھتیجا عمر بن عبدالعزیز بہت ہی صالح، فاضل اور سلیم الطبع ہے۔ میرے خیال میں وہ آپ کی جانشینی کے لئے سب سے زیادہ بہتر ہے۔ خلیفہ نے فوراً ہی عمر بن عبدالعزیز کے لئے ولی عہدی کی دستاویز لکھ دی اور اس کو لفافہ میں بند کر کے کوتوال کو حکم دیا کہ خاندان خلافت کے کل ارکان دربار میں حاضر کئے جائیں۔ چنانچہ جب سب لوگ دربار میں آگئے تو حضرت رجاء رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کے حکم سے اس سربمہر لفافہ پر سب سے بیعت لے کر سب کو رخصت کر دیا۔ اس دستاویز کی تکمیل کے چند ہی گھنٹے بعد خلیفہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت رجاء رحمتہ اللہ علیہ نے دروازہ پر پہرہ بٹھا دیا کہ خبردار! کوئی اندر نہ جانے پائے۔ نہ اندر سے باہر نکلے تاکہ خلیفہ کی موت کا حال کسی کو معلوم نہ ہو سکے۔ پھر کوتوال کو بھیج کر خلافت کے خاندان کے تمام ذمہ داروں کو بلایا اور دوبارہ اس مہر بند لفافہ پر سب سے بیعت لے کر خلیفہ کی موت کا اعلان فرما دیا اور لفافہ کھول کر سب کو عمر بن عبدالعزیز کا نام دکھا دیا۔ جب ہشام بن عبدالملک نے عمر بن عبدالعزیز کا نام سنا تو بگڑ کر کہا کہ خدا کی قسم ہم ہرگز کبھی بھی ان کو خلیفہ تسلیم نہیں کریں گے۔ حضرت رجاء رحمتہ اللہ علیہ نے ڈانٹ

کر فرمایا کہ تم دو مرتبہ اس مہر بند لفافہ پر بیعت کر چکے ہو۔ اب خیریت اسی میں ہے کہ عمر بن عبد العزیز کی بیعت کر لو۔ ورنہ ابھی تلوار سے تمہارا سر اڑا دیا جائے گا۔ حضرت رجاء رحمتہ اللہ علیہ کا قہر آلود تیور دیکھ کر ہشام کانپ اٹھا اور فوراً بیعت کے بعد حضرت رجاء رحمتہ اللہ علیہ نے عمر بن عبد العزیز کا ہاتھ پکڑ کر منبر خلافت پر بٹھا دیا اور ان کی خلافت کا عملی دور شروع ہو گیا۔

(تذکرۃ الحفاظ ج1 ص111)

نتیجہ :۔ اس واقعہ سے ایک ملا یعنی حضرت رجاء بن حیوہ رحمتہ اللہ علیہ کی اعلیٰ سیاست قوت فیصلہ حسن تدبیر، اور استقلال طبیعت کا ناظرین خود ہی اندازہ لگا لیں ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

امام شعبی رحمتہ اللہ علیہ قیصر کے دربار میں

خلیفہ دمشق عبد الملک بن مروان کو ایک مرتبہ قیصر بادشاہ روم کے دربار میں سفیر بھیجنے کی ضرورت پڑی تو اس نے پوری سلطنت کے دانش مندوں میں سے ملا یعنی مشہور امام حدیث حضرت شعبی رحمتہ اللہ علیہ کو اس مہم کے لئے منتخب کیا۔ چنانچہ امام شعبی رحمتہ اللہ علیہ نے قیصر کے دربار میں پہنچ کر اپنی مدبرانہ سیاسی گفتگو سے قیصر کے دل پر ایسا سکہ بیٹھا دیا کہ وہ حیران رہ گیا بلکہ اس کو حسد ہونے لگا کہ اسلامی سلطنت کو ایسے ایسے ہوش مند اور دانا افراد مل گئے ہیں۔ چنانچہ قیصر نے عبد الملک بن مروان خلیفہ کو جو خط تحریر کیا اس میں یہ لکھ دیا کہ اے عبد الملک! مجھے تعجب ہے کہ امام شعبی رحمتہ اللہ علیہ جیسے سیاسی مدبر کے ہوتے ہوئے تجھ کو مسلمانوں نے کس طرح امیر المومنین بنالیا؟ عبد الملک بھی بڑا ہی ہوش مند اور چالاک آدمی تھا۔ اس نے جب قیصر کا خط پڑھا تو ہنستے ہوئے امام شعبی رحمتہ اللہ علیہ کو بلا کر فرمایا اے امام شعبی! کیا آپ کو پتہ ہے کہ قیصر نے آپ کے بارے میں کیا لکھا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ جی نہیں مجھے اس کی کچھ خبر نہیں۔

عبد الملک نے قیصر کا خط پڑھ کر سنایا تو امام شعبی سنانے میں آ گئے سنبھل کر فرمایا اور کیا خوب فرمایا کہ اے امیر المومنین! قیصر نے مجھے تو دیکھا مگر آپ کو نہیں دیکھا اس لئے ایسا لکھا ہے۔ اگر وہ آپ کو دیکھ لیتا تو ہر گز کبھی ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ عبد الملک نے ہنستے ہوئے کہا اے امام شعبی! آپ نے قیصر کا مطلب نہیں سمجھا اس نے مجھے اشتعال دلایا ہے کہ میں غصہ میں آ کر

آپ جیسے باکمال انسان کو قتل کرادوں تاکہ اسلامی سلطنت کے تاج کا ایک نہایت قیمتی اور چمک دار ہیرا برباد ہو جائے۔

چنانچہ جب قیصر کو معلوم ہوا کہ خلیفہ عبدالملک نے اس خط کا یہ مطلب سمجھا تو اس نے اقرار کر لیا کہ خدا کی قسم! جو کچھ خلیفہ عبدالملک نے سمجھا بالکل یہی میرے دل میں تھا۔

(تذکرۃ الحفاظ ج 1 ص 80)

نتیجہ :۔ ایک علم دین پڑھنے والا ملا یعنی امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سیاست، حسن تدبیر حاضر جوابی ہوش مندی صلاحیت حکومت کے آسمان پر جس طرح آفتاب بن کر چمک رہا ہے۔ اس حکایت سے اس کا اندازہ لگا لیجئے اور خدا کے لئے اس خیال سے توبہ کر لیجئے کہ ملا لوگ ہر زمانے میں مسجدوں کا لوٹا پھوڑنے اور زکوۃ خیرات کھانے کے سوا اور کسی کام کے نہیں رہے۔ یاد رکھئے کہ اس طبقے میں ایسے ایسے باکمال ہو چکے اور اب بھی موجود ہیں جنہوں نے اقوام عالم کے مدبرین پر اس طرح اپنے سیاسی تدبر کا سکہ بٹھایا ہے کہ

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحہ ہستی پہ صداقت ان کی!

استغناء اور بے نیازی

استغناء و بے نیازی اور صبر و قناعت، یہ کتاب اخلاقیات کے وہ روشن ابواب ہیں کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ "اخلاق علماء کی پوری عمارت انہی چار ستون پر قائم ہے تو یہ ایک ایسی حقیقت کا اظہار ہوگا جس کو آفتاب کی طرح ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔" اخلاق علماء کے اس رخ کی بھی چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے!

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بے نیازی

ایک مرتبہ ہارون رشید اپنے شاہزادوں امین و مامون کو ساتھ لے کر حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ میں حاضر ہوا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ کچھ احادیث سنائیں امام صاحب نے فرمایا! میں نے کچھ دنوں سے قرأت کا طریقہ چھوڑ دیا ہے لوگ مجھ کو احادیث سناتے ہیں اور میں سن لیتا ہوں۔ خلیفہ نے کہا کہ خیر میں پڑھتا ہوں آپ سن لیجئے مگر شرط یہ ہے کہ عام

آدمیوں کو درس گاہ سے باہر نکال دیجئے۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا یہ غیر ممکن ہے میں عوام کو درس گاہ سے باہر نکال دوں اور صرف خواص کو اپنے حلقہ درس میں شامل رکھوں۔ ایسا کرنے سے خواص کو بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ علم نبوت ہے اس میں شاہ و گدا سب برابر کے حقدار ہیں۔ یہ فرمایا اور اپنے شاگرد ابن عیسیٰ کو فوراً سبق شروع کر دینے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ ابن عیسیٰ نے قرأت شروع کر دی۔

خلیفہ ہارون الرشید اور اس کے دونوں شہزادے حیرت سے امام مالک رحمتہ اللہ کا منہ تکتے رہ گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج 1 ص 191)

نتیجہ :۔ کیا دور حاضر کے علماء ایک بادشاہ کے مقابلے میں ایسی بے نیازی استغناء اور خودداری کی کوئی مثال پیش کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ استغناء اور بے نیازی علماء حق کے لئے بہترین ڈھال ہے جس پر کوئی تلوار اثر نہیں کر سکتی!

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
ذرہ اگر محفوظ رکھتی ہے تو "استغناء"

قناعت کا سلطان

ایک دن کوہستانی علاقہ کے بادشاہ امیر ابو دلف کا شاہزادہ "دلف" اپنے خدم و چشم کے ساتھ قبیصہ بن عقبہ کے دروازے پر ملاقات کے لئے حاضر ہوا مگر قبیصہ نے مکان سے نکلنے میں بہت دیر لگا دی تو خادموں نے انہیں پکارا اور یہ کہا کہ ملک الجبال کا شاہزادہ دروازے پر کھڑا ہوا ہے اور آپ ہیں کہ گھر میں سے نکلتے ہی نہیں۔ یہ سن کر قبیصہ اپنے مکان سے اس حال میں نکلے کہ خشک روٹی کے چند ٹکڑے ان کے تہبند میں بندھے ہوئے تھے۔ ان ٹکڑوں کو دکھا کر فرمایا کہ جو شخص دنیا میں بس اتنے پر ہی قناعت کر کے راضی ہو چکا ہو اس کو ملک الجبال سے کیا کام؟ میں خدا کی قسم اس سے بات بھی نہ کروں گا یہ کہہ کر دروازہ بند کر لیا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج 1 ص 240)

نتیجہ :۔ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ عَزَّ مَنْ قَنَعَ وَذَلَّ مَنْ طَمَعَ یعنی جس نے قناعت کی اس نے عزت پائی اور جس نے لالچ کیا وہ ذلیل ہوا۔ واقعی اس میں کوئی شک نہیں کہ "قناعت" ایک اعلیٰ درجہ کی بادشاہی ہے اور حرص نہایت ہی ذلیل قسم کی گداگری۔ مگر افسوس کہ

نہ ایراں میں رہے باقی نہ توراں میں رہے باقی
وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاک قیصر و کسریٰ

خلیل کی خشک روٹی

نحو وادب کے امام خلیل بصری کے پاس اہواز سے امیر سلیمان بن علی کا معتمد قاصد آیا اور پیغام لایا کہ امیر نے اپنے شاہزادوں کی تعلیم کے لئے آپ کو اپنے شاہی دربار میں بلایا ہے۔ خلیل بصری خشک روٹی کا ایک ٹکڑا ہاتھ میں لئے باہر نکلے اور قاصد کو روٹی کا ٹکڑا دکھا کر فرمایا کہ میرے پاس جب تک یہ خشک روٹی کا ٹکڑا موجود ہے۔ مجھے امیر سلیمان کے دربار کی کوئی ضرورت نہیں۔ (علماء سلف ص76)

نتیجہ:۔ اللہ اللہ! اس استغناء اور صبر و قناعت کا کیا کہنا؟ آج علماء کے سینوں کے صندوقوں اور ان کے دلوں کی تجوریوں میں یہی صبر و قناعت اور استغناء کی دولت نہیں رہی تو علماء سو کی حرص و ہوس کا کیا عالم ہے؟ ۔

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرو دلق اویس و چادر زہرا؟

ابو غالب کی صداقت

مشہور امام لغت ابو غالب نے جب فن لغت میں اپنی کتاب تصنیف کی تو امیر مجاہد نے ایک ہزار اشرفیاں ان کے پاس بھیجیں اور یہ فرمائش کی کہ اپنی کتاب کے دیباچہ میں صرف یہ الفاظ درج کر دیں **مما الفه ابو غالب لا بی الجیش مجاهد** یعنی اس کتاب کو ابو غالب نے ابوالجیش امیر مجاہد کے لئے تصنیف کیا ہے ابو غالب نے ان اشرفیوں کو ٹھکرا دیا اور فرمایا اے قاصد تم اپنے بادشاہ سے کہہ دینا کہ اگر تمام دنیا کی دولت بھی وہ مجھے دے دے۔ جب بھی اپنی کتاب میں ایک جھوٹی بات نہیں لکھوں گا۔ میں نے یہ کتاب عام خلائق کے فائدے کے لئے لکھی ہے۔ خاص امیر مجاہد کے لئے نہیں لکھی ہے۔ (ابن خلکان ج1 ص97)

نتیجہ:۔ اس واقعہ میں ابو غالب کی صداقت، بے طمعی اور قناعت کا جو جلوہ نظر آ رہا ہے وہ دور حاضر کے علماء کے لئے سرمہ چشم بصیرت ہے۔

ان خشک روٹی اور ٹوٹی چٹائی پر قناعت کرنے والے علماء سلف کو کون ہے جو فقیر کہہ سکتا ہے!
واللہ یہ بادشاہ تھے۔ بخدا یہ شہنشاہ تھے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ؎

دارا و سکندر سے مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی

قلم کا بادشاہ اور شاہی عطیہ

امام العلوم حافظ محمد بن جریر طبری جن کی تصنیفات الکتاب الکبیر کتاب التفسیر کتاب تہذیب الآثار وغیرہ کی تمام دنیا میں مثال نہیں ملتی۔ علوم و فنون کی سلطانی کے ساتھ ساتھ خداوند عالم نے ان کو ملک قناعت کی بادشاہی بھی عطا فرمائی تھی۔ خلیفہ بغداد مکتفی باللہ نے ان سے ایک کتاب یعنی کتاب الوقف لکھنے کی فرمائش کی۔ چنانچہ آپ نے کتاب تصنیف فرمادی۔ خلیفہ کتاب پڑھ کر خوش ہو گیا اور ایک بہت ہی گراں قدر انعام پیش کیا مگر آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جب خلیفہ نے بہت زیادہ اصرار کیا کہ میں آپ کی کوئی نہ کوئی حاجت تو ضرور ہی پوری کروں گا تو آپ نے فرمایا کہ میری ایک حاجت یہ ہے کہ آپ بھیک مانگنے والوں کو جمعہ کے دن بھیک مانگنے سے شاہی فرمان کے ذریعے ممانعت کر دیں۔

اسی طرح بادشاہ کے وزیر علم فقہ میں ایک کتاب تصنیف کرنے کی آپ سے فرمائش کی تو آپ نے کتاب لکھ دی۔ وزیر نے خوش ہو کر ایک ہزار اشرفی انعام پیش کیا تو آپ نے صاف انکار فرمادیا۔

محمد بن جریر طبری بہت زیادہ لکھتے تھے۔ چالیس برس تک روزانہ چالیس ورق لکھتے رہے آپ کے شاگرد ابو محمد فرغانی کا بیان ہے کہ محمد بن جریر طبری کے وقت بلوغ سے ان کی وفات تک تصنیفات کا حساب لگایا گیا تو روزانہ چودہ ورق کا حساب پڑتا تھا۔ شوال 310ھ میں یہ فضل و کمال کا آفتاب غروب ہو گیا اور اپنے گھر کے اندر ہی دفن ہوئے۔ دفن کے بعد کئی ماہ تک آپ کی قبر پر خلق خدا نماز جنازہ پڑھتی رہی۔
(تذکرۃ الحفاظ ج2ص254)

نتیجہ :۔ اللہ اکبر! علماء حق نے استغناء اور بے نیازی کے لئے ایسے ایسے شاہکار پیش کر دیئے ہیں کہ اس دور میں اس کی نظیر ملنی غیر ممکن ہے۔ کاش اہل دنیا علماء حق کے ان انمول شاہکاروں پر نظر ڈالتے اور ان خوبیوں کا اعتراف کر کے علماء حق کی مقدس جناب میں سوء عقیدت سے باز رہتے۔

کاش دور حاضر کے علماء کرام ان بزرگان سلف کے طرز عمل کی اقتداء کر کے دونوں جہان میں سر بلند ہوتے مگر افسوس! کہ آج تو اختلاف کے ظالم ہاتھوں نے علماء سلف کے ان شاہکاروں کے محلات کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ آنکھیں انتہائی بے قراری کے ساتھ علم و عمل کے ان بلند اور روشن مناروں کو تلاش کرتی ہیں مگر زمین کا ذرہ ذرہ زبان حال سے یہ مرثیہ پڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔

مدارس وہ تعلیم دیں کے کہاں ہیں　　مراحل وہ علم و یقیں کے کہاں ہیں
وہ ارکان شرع متیں کے کہاں ہیں　　وہ وارث رسول امیں کے کہاں ہیں

رہا کوئی امت کا ملجا نہ ماویٰ
نہ قاضی نہ مفتی، نہ صوفی نہ مُلّا

بیت اللہ میں غیر اللہ سے سوال

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک بنو امیہ کے بادشاہوں میں بڑے بڑے کروفر اور جاہ و جلال کا بادشاہ گزرا ہے۔ یہ حج کے لئے گیا تو مکہ مکرمہ میں مدینہ منورہ کے مشہور عالم حضرت سالم بن عبداللہ سے خانہ کعبہ کے اندر ملاقات ہو گئی۔ خلیفہ ان کے نورانی چہرے کو دیکھتے ہی بے پناہ معتقد ہو گیا اور عرض کرنے لگا کہ آپ کی جو حاجت ہو مجھ سے فرمادیجئے۔ میں آپ کی ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔

حضرت سالم رحمتہ اللہ علیہ نے برجستہ جواب دیا کہ میں بیت اللہ میں غیر اللہ سے ہرگز ہرگز کوئی سوال نہیں کر سکتا۔ خلیفہ آپ کی اس بے نیازی اور شان استغناء کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور بڑی دیر تک آپ کا منہ تکتا رہا۔ (روح البیان ج6 ص66)

نتیجہ:۔ سوال اور بھیک مانگنا انتہائی ذلت کا کام ہے۔ پھر کعبہ شریف میں جہاں خداوند قدوس کے جلال و عظمت کی تجلیاں ایک مومن کے قلب و نگاہ کو جہاں کی دولت سے مالا مال کر رہی ہوں۔ وہاں بھلا غیر اللہ سے سوال کا کیا موقع ہے؟ حضرت سالم رحمتہ اللہ علیہ کے نورانی جواب کا کیا کہنا ہے؟ اس کو سوچ کر ایمانی بالیدگی اور روحانی سرور حاصل ہوتا ہے۔ بیت اللہ میں غیر اللہ سے سوال نہیں۔ سبحان اللہ! سچ ہے ؎

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

الٹی نذر کیسی؟

نواب حامد علی خان والی رام پور اسٹیٹ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہٗ کے علمی کمالات خصوصاً علم جفر کی مہارت دیکھ کر آپ کی ملاقات کا انتہائی مشتاق تھا اور برسوں بارہا اس نے کوشش کی کہ ایک مرتبہ ملاقات ہو جائے مگر اس کے رافضی ہونے کی وجہ سے آپ ہمیشہ انکار و اجتناب فرماتے رہے۔

ایک مرتبہ نواب صاحب اپنی اسپیشل ٹرین سے نینی تال جا رہے تھے اور مارہرہ شریف کے پیر زادہ حضرت سید شاہ مہدی میاں صاحب بھی نواب کے ہم سفر تھے۔ جب سپیشل ٹرین بریلی پہنچی تو نواب نے پیر زادہ صاحب ممدوح سے کہا کہ آپ اعلیٰ حضرت کے پیر زادے ہیں۔ اگر آپ کوشش کریں تو مجھے ملاقات کا شرف حاصل ہو جائے۔ چنانچہ حضرت سید شاہ مہدی میاں صاحب نے ڈیڑھ ہزار روپے مدار المہام کی معرفت اسٹیشن سے بطور نذر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھیج کر یہ استدعا فرمائی کہ آپ نواب رام پور کو چند منٹ کے لئے اپنی ملاقات سے مشرف فرمائیں۔

جب اعلیٰ حضرت کو مدار المہام کے آنے کی خبر ہوئی تو مکان کے اندر سے دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑے کھڑے مدار المہام سے فرمایا کہ آپ حضرت سید مہدی میاں صاحب سے میرا سلام عرض کیجئے اور یہ کہئے گا کہ یہ الٹی نذر کیسی؟ مجھے چاہئے کہ میں میاں کی خدمت میں نذر پیش کروں نہ کہ میاں مجھے نذر دیں۔ یہ ڈیڑھ ہزار ہوں یا جتنے بھی۔ ان کو واپس لے جائیے۔ نہ فقیر کا مکان اس قابل ہے کہ کسی والی ریاست کو بلا سکوں۔ نہ میں والیان ریاست کے آداب سے واقف کہ خود جا سکوں۔ (حیات اعلیٰ حضرت ج1 ص192)

حدیث کا کوئی معاوضہ نہیں

خلیفہ ہارون رشید جب حج کے لئے روانہ ہوا اور کوفہ میں داخل ہوا تو اس نے امام ابو یوسف سے کہا کہ آپ کوفہ کے تمام محدثین کو دربار میں بلائیے تاکہ وہ یہاں آکر مجھے احادیث سنائیں۔

چنانچہ کوفہ کے تمام محدثین احادیث سنانے کے لئے دربار میں تشریف فرما ہو گئے۔ مگر عبداللہ بن ادریس اور عیسیٰ بن یونس یہ دونوں محدثین دربار شاہی میں نہیں گئے۔ خلیفہ نے اپنے دونوں شہزادوں امین و مامون کو ان دونوں محدثین کی خدمت میں بھیجا۔ چنانچہ یہ دونوں پہلے عبداللہ بن

ادریس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور محدث ممدوح نے ان دونوں کے سامنے ایک سو احادیث سنائیں۔ جب آپ خاموش ہو گئے تو مامون نے کہا کہ چچا جان اگر اجازت ہو تو یہ سو احادیث میں زبانی آپ کو سنا دوں۔ چنانچہ اجازت پا کر مامون نے تمام احادیث کو زبانی سنا دیا۔

عبداللہ بن ادریس مامون کی قوت حافظہ پر حیران رہ گئے۔ پھر یہ دونوں عیسیٰ بن یونس کی درس گاہ میں پہنچے تو انہوں نے بھی ایک سو احادیث شہزادوں کے سامنے بیان فرمائیں۔ مامون احادیث سن کر بے حد متاثر ہوا اور دس ہزار درہم کا نذرانہ پیش کیا۔ عیسیٰ بن یونس نے لینے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ حدیث سنانے کے بدلے میں تمہارا ایک گھونٹ پانی بھی قبول نہیں کر سکتا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج 1 ص 259)

نتیجہ:۔ ان حکایات سے جہاں علماء سلف کی بے نیازی اور سیر چشمی کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمانے کے امراء و سلاطین و شاہ زادگان علماء کی مالی خدمت کو اپنی بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ مگر افسوس کہ دور حاضر کے علماء میں اگر سیر چشمی کی کمی ہو گئی تو اس سے زیادہ مالدار عوام میں بخل آ گیا اور علماء کی خدمت کا جذبہ تو تقریباً فنا ہی ہو گیا۔ حد ہو گئی کہ شاعروں، قوالوں اور گویوں کو تو عوام خوب خوب انعام دیتے ہیں مگر علمائے کرام دو دو گھنٹہ وعظ بیان فرماتے ہیں اور اپنے سینوں کے علمی جواہر پارے قوم کے سامنے بکھیرتے رہتے ہیں۔ مگر قوم یہی چاہتی ہے کہ ایک نیا پیسہ بھی مولانا صاحب کے ہاتھ میں نہ جانے پائے۔ غریب علماء کرام بڑی مصیبت میں مبتلا ہیں کہ اگر یہ اپنی معاش کے لئے دنیا کا کوئی کاروبار کرتے ہیں تو علمی خدمت کا کام ٹھپ ہو کر رہ جاتا ہے اور عوام کو کوئی حرام و حلال بتانے والا نہیں رہتا اور اگر یہ علمی مشاغل درس و تدریس، یا وعظ و تقریر میں مشغول ہوتے ہیں تو قوم کی بے توجہی سے فاقہ کشی کی نوبت آ جاتی ہے۔ آج کل بقول اکبر الہ آبادی علماء کرام کا یہ حال ہو گیا ہے۔

کچہریوں میں ہے پرسش گریجویٹوں کی
سڑک پہ مانگ ہے قلیوں کی اور میٹوں کی
نہیں ہے قدر تو کچھ علم دین و تقویٰ کی
خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

تواضع

عالمانہ اخلاق کا ایک بہت ہی روشن پہلو تواضع بھی ہے۔ علماء سلف باوجود اپنے اعلیٰ علمی کمال کے کس قدر انکسار و تواضع فرماتے تھے۔ اس بارے میں بھی چند حکایات سن لیجئے!

امام فخر الاسلام رو پڑے

امام فخر الاسلام جب بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں صدر مدرس مقرر کیے گئے تو پہلے ہی دن جب وہ مسند تدریس پر بیٹھے تو انہیں یہ خیال آگیا کہ یہ وہی مسند ہے جس پر کبھی شیخ ابواسحٰق شیرازی اور حجۃ الاسلام امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ جیسے اکابر امت بیٹھ کر درس دے چکے ہیں۔ یہ تصور آتے ہی ان کے قلب پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک سیلاب امڈ پڑا۔ بڑی دیر تک عمامہ آنکھوں پر رکھ کر روتے رہے اور یہ شعر پڑھا!

خَلَتِ الدِّیَارُ فَسِدتُ غَیْرَ مُسَوَّدٍ

وَمِنَ الْعَنَاءِ تَفَرُّدِیْ بِالسُّوْدَدِ

یعنی ملک باکمالوں سے خالی ہوگیا اور میں جو سرداری کے لائق نہیں تھا سردار بن گیا۔ مجھ جیسے آدمی کا سردار بن جانا کس قدر تکلیف دہ بات ہے۔

(ابن خلکان ج 1 ص 465)

غلطی کا اعتراف

امام دار قطنی رحمتہ اللہ علیہ محدث جب نو عمر طالب علم تھے تو ایک دن امام انباری کی درسگاہ میں حاضر ہوئے حدیث لکھوانے میں امام انباری نے ایک راوی کے نام میں غلطی کی۔ دار قطنی کمال ادب سے امام انباری کو تو ٹوک نہیں سکے مگر ان کے مستملی کو جو ان کی آواز شاگردوں تک پہنچاتا تھا اس غلطی پر متنبہ کر دیا۔

جب دوسرے جمعہ کو دار قطنی رحمتہ اللہ علیہ پھر مجلس درس میں گئے تو امام انباری کا جوش حق پسندی اور بے نفسی کا عالم دیکھئے کہ انہوں نے بھری مجلس کے سامنے یہ اعلان فرمایا کہ اس روز فلاں نام میں مجھ سے غلطی ہوگئی تھی تو اس نوجوان طالب علم نے مجھ کو آگاہ کر دیا۔

(تذکرۃ الحفاظ ج 3 ص 61)

عثمان حیری کا انکسار

ایک شخص نے مشہور صوفی عثمان حیری محدث کی دعوت کی۔ جب آپ اس کے مکان پر پہنچے تو اس نے کہا کہ حضرت! آپ کی دعوت نہیں ہے۔ آپ واپس جائیے۔ چنانچہ آپ لوٹ گئے اور جب مکان پر پہنچے تو یہی شخص دوڑتا ہوا گیا اور کہا کہ حضرت معاف کیجئے مجھ سے غلطی ہو گئی۔ آپ کی دعوت ہے۔ چلئے چنانچہ حضرت موصوف پھر اس کے ساتھ اس کے گھر پر تشریف لائے لیکن یہاں آکر اس نے پھر کہا کہ حضرت آپ کی دعوت نہیں ہے۔ آپ واپس چلے جائیے۔

اسی طرح چار مرتبہ اس شخص نے بلایا۔ پھر واپس کر دیا اور ہر مرتبہ آپ آتے جاتے رہے مگر آپ کی پیشانی پر ذرا بل نہ آیا۔

آخرت مرتبہ یہ شخص گڑگڑا کر معافی طلب کرنے لگا اور کہنے لگا کہ واللہ میں آپ کے حلم و اخلاق کا امتحان لے رہا تھا مگر خدا گواہ ہے کہ میں نے آپ کو حلم و اخلاق اور تواضع و انکسار کا دریا پایا۔ جب بہت زیادہ اس نے آپ کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا کہ میرے اس حلم و اخلاق کی تم کیا اتنی تعریف کرتے ہو؟ یہ حلم و اخلاق تو کتے میں بھی پایا جاتا ہے کہ جب اس کو بلایا جائے تو آجاتا ہے اور جب بھگایا جائے بھاگ جاتا ہے۔ (مستطرف ج1 ص118)

چھوٹا عمامہ

مولانا یوسف قاضی قسطنطنیہ نماز پڑھ کر مسجد سے نکلے تو دیکھا کہ دروازے پر وزیر اعظم کا چوبدار کھڑا ہے جو انہیں بلانے کے لئے آیا تھا۔ اس وقت مولانا چھوٹا عمامہ باندھے بارگاہ وزارت میں جانا بے ادبی شمار کیا جاتا تھا مگر اس عالم ربانی کے دل نے یہ گوارا نہیں کیا کہ دربار خداوندی کی حاضری تو چھوٹا عمامہ باندھ کر دی اور وزیر اعظم کی حاضری کے لئے بڑا عمامہ زیب سر کریں۔ اسی چھوٹے عمامہ کے ساتھ وزیر اعظم سے ملنے چلے گئے۔

جب وہاں اعتراض ہوا تو صاف صاف کہہ دیا کہ رب العزت کے دربار کا ادب بندوں کے دربار سے زیادہ ہے۔ میں نے یہی عمامہ باندھ کر خدا کے دربار میں حاضری دی ہے۔ اس لئے میری ایمانی غیرت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ خدا کے دربار سے زیادہ بندوں کے دربار کا ادب کروں۔ لہٰذا میں مسجد سے یہی عمامہ باندھے چلا آیا۔ وزیر اعظم مولانا کی اس صاف گوئی سے بہت

خوش ہوا۔ یہاں تک کہ حضور سلطانی میں بھی اس نے مولانا کی اس ادا کو بیان کیا اور بادشاہ نے بھی اس کو پسند کیا۔ (شقائق نعمانیہ ج ص234)

ایک پادری اور شاہ عبدالعزیز

ایک عیسائی پادری نے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ اعتراض کیا کہ آپ کے رسول تو خدا کے محبوب تھے۔ جب آپ کے رسول کے نواسے کو یزیدی لوگ کربلا میں قتل کرنے لگے تو کیوں نہیں آپ کے رسول نے خدا سے کہا کہ میرے نواسے کو بچالے۔ شاہ صاحب نے پادری کو الزامی جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ پادری صاحب! ہمارے رسول نے خدا سے کہا تھا مگر اس نے فرمایا کہ اے محبوب! میرے بیٹے کو میرے سامنے یہودیوں نے سولی پر لٹکا دیا۔ جب کہ میں اپنے بیٹے کو نہیں بچاسکا تو تمہارے نواسہ کو کیسے بچاسکتا ہوں۔ یہ سن کر پادری مبہوت ہو کر لاجواب ہو گیا اور بڑی دیر تک حیرت سے حضرت شاہ صاحب کا منہ تکتا رہا۔

معاصرین کا اکرام

عربی کی ایک مثل ہے کہ اَلْمُعَاصَرَۃُ سَبَبُ الْمُنَافَرَۃَ یعنی ہم عصر ہونا نفرت کا باعث ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ یہ بات عام ہے کہ دو اہل کمال ایک ہی زمانے میں ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کے کمال کا کماحقہ، اعتراف نہیں کرتے مگر علماء حق نے کبھی بھی اپنے معاصرین کے فضل و کمال کے اعتراف اور ان کے اعزاز و اکرام میں کوتاہی نہیں کی۔

حکایت ذیل دور حاضر کے ہم چشموں کے لئے سرمہ بصیرت ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ

نامور محدث ابو بکر بن عیاش کا بیان ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی کا انتقال ہو گیا تو ہم لوگ ان کے لئے تعزیت کے لئے گئے۔ پوری مجلس علماء مشائخ سے بھری ہوئی تھی۔ اسی حالت میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی مع اپنے تلامذہ کے وہاں پہنچے۔ جب حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دیکھا تو اپنی مسند چھوڑ کر کھڑے ہو گئے اور بڑی گرم جوشی کے ساتھ معانقہ کیا۔ پھر اپنی مسند پر آپ کو بٹھا کر خوب مؤدب ہو کر بیٹھ گئے۔ جب امام

ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ چلے گئے تو میں نے حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت! آج آپ کا یہی طرز عمل مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو بے حد ناگوار گزرا کہ آپ نے امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی تعظیم میں بہت مبالغہ فرمایا۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ کیوں تمہیں ناپسند ہوا؟ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ایک جلیل القدر صاحب علم ہیں میں ان کی تعظیم کے لئے کیوں کھڑا نہ ہوتا؟ اگر ان کے علم کی تعظیم کے لئے نہ اٹھتا تو ان کی فقہ کے لئے اٹھتا تو ان کے تقویٰ کے لئے اٹھتا۔ اگر ان کے تقویٰ کے لئے نہ اٹھتا تو ان کے سن وسال کا خیال کر کے کھڑا ہوتا۔ ابو بکر بن عیاش رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے ایسا خاموش کر دیا کہ میں بالکل ہی لاجواب ہو کر رہ گیا۔

(تبصرہ تاریخ بغداد ص48)

نتیجہ:۔ اللہ اکبر! کتنا نورانی اور بابرکت زمانہ تھا کہ اس مقدس دور کے علماء حق اخلاص اور للّٰہیت کا مجسمہ تھے۔ آج علماء کا باہمی تحاسد و تباغض دیکھ کر زندگی سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ کاش اپنی زندگی میں ہم بھی یہ رحمت والا دور دیکھتے۔ مگر افسوس کہ ہم ایسے زمانے میں پیدا ہوئے

چھوٹوں میں اطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں
پیاروں میں محبت ہے، نہ یاروں میں وفا ہے!

ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ غلطی نہیں کر سکتے

کسی روز وکیع بن الجراح محدث کی مجلس میں کسی نے یہ کہہ دیا کہ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے فلاں مسئلے میں غلطی کی تو وکیع نے باوجودیکہ بعض مسائل میں امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے اختلاف رکھتے تھے۔ فوراً فرمایا تم کیا کہتے ہو؟ بھلا ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ مسائل میں کس طرح غلطی کر سکتے ہیں؟ جب کہ ابو یوسف اور زفر جیسے صاحب قیاس اور یحییٰ بن زائدہ حفص بن غیاث و حبان و مندل جیسے حفاظ حدیث اور قاسم بن معن جیسا ماہر لغت و ادیب اور داؤد طائی و فضیل بن عیاض جیسے زائد و متقی لوگ ان کی مجلس درس میں حاضر رہتے ہیں۔ جس کے ہم نشین و اہل مجلس ایسے ایسے باکمال ہوں وہ غلطی نہیں کر سکتا اور اگر اتفاقاً اس سے کبھی کوئی غلطی ہو بھی جائے تو اس کے ہم نشین اس غلطی کی اصلاح کر دیں گے۔ (تبصرہ تاریخ بغداد ص52)

زبان کا بوسہ

مشہور صاحب علم و عمل بزرگ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ سنن ابو داؤد کے مصنف امام ابو داؤد رحمتہ اللہ علیہ کی ملاقات کے لئے آئے۔ امام موصوف نے بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ حضرت سہل رحمتہ اللہ علیہ کو اپنی مسند پر بٹھایا۔ جب وہ اطمینان سے بیٹھ گئے تو امام ابو داؤد رحمتہ اللہ علیہ سے فرمایا کہ میں ایک درخواست لے کر آیا ہوں مگر جب تک آپ یہ وعدہ نہ فرمائیں گے کہ حتی الامکان میری درخواست ضرور شرف قبولیت سے باریاب ہو گی اس وقت تک میں اپنی عرضی نہیں پیش کروں گا۔

امام ابو داؤد رحمتہ اللہ علیہ نے جب منظوری دے دی تو حضرت سہل رحمتہ اللہ علیہ نے نہایت ہی لجاجت کے ساتھ یہ عرض کیا کہ آپ اپنی زبان جس سے میرے پیارے رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں بیان فرماتے ہیں باہر نکالئے تاکہ میں اس کو چوم لوں۔ چنانچہ امام ابو داؤد رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی زبان نکالی اور حضرت سہل رحمتہ اللہ علیہ نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ امام ابو داؤد رحمتہ اللہ علیہ کی زبان کو چوم لیا۔ (ابن خلکان ج 1 ص 214)

چند پھول چند رنگ

ایک مرتبہ بادشاہ دہلی حضرت مولانا فخر الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوا تو آپ نے دستور کے مطابق اس کی تعظیم فرمائی۔ اس کے بعد ادنیٰ اعلیٰ جو بھی آتا رہا آپ سب کی تعظیم فرماتے رہے۔ پھر بادشاہ وہاں سے رخصت ہو کر حضرت خواجہ مظہر مرزا جانجاناں نقشبندی کی خانقاہ میں پہنچا تو آپ نے اس کی بالکل کوئی تعظیم نہیں فرمائی پھر بادشاہ وہاں سے رخصت ہو کر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی خدمت میں آیا تو آپ نے اس کی تعظیم فرمائی۔ لیکن بادشاہ کے بعد جب اس کا وزیر آیا تو آپ نے ذرا بھی اس کی تعظیم نہیں فرمائی۔ پھر جب شاہی چوبدار آیا تو آپ نے اس کی تعظیم فرمائی! بادشاہ نے حیران ہو کر ہر جگہ کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا اور اس کا سبب دریافت کیا تو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے فرمایا کہ حضرت مولانا فخر الدین چشتی چونکہ توحید وجودی کے مقام میں ہیں۔ اس لئے ہر ادنیٰ و اعلیٰ میں انہیں یار حقیقی کا جلوہ نظر آتا ہے لہٰذا وہ سب کی تعظیم کرتے ہیں اور حضرت مرزا صاحب چونکہ

توحید شہودی کی منزل پر فائز ہیں۔ لہٰذا وہ عظمت الٰہی میں مستغرق ہونے کے سبب سے کسی کی بھی تعظیم روا نہیں رکھتے اور فقیر چونکہ پابند شرع عالم ہے اور آپ اولوالامر میں سے ہیں لہٰذا میں نے آپ کی تعظیم کی اور آپ کا وزیر چونکہ رافضی ہے اس لئے یہ میرے نزدیک بالکل ہی لائق تعظیم نہیں اور آپ کا چوبدار حافظ قرآن ہے۔ اس لئے میں نے اس کی تعظیم کی۔

(حیات اعلیٰ حضرت ج1 ص192)

نتیجہ:۔ مذکورہ بالا واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ علماء کرام کو اپنے معاصرین علماء کا اعزاز و اکرام کرنا یہی سلف صالحین کا مبارک طریقہ ہے۔ کوئی بدمذہب اگرچہ وہ کتنے ہی بڑے عہدہ پر فائز ہو علماء حق کے نزدیک ہرگز ہرگز وہ لائق تعظیم نہیں ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کو ان کی وفات کے بعد لوگوں نے خواب میں دیکھا اور حال پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ارحم الراحمین نے میری صرف ایک بات پر عتاب فرمایا اور تیس برس تک مجھ کو کھڑا رکھا اور وہ بات یہ تھی کہ میں نے ایک مرتبہ ایک بدمذہب بدعتی کو محبت و پیار کی نظر سے دیکھ لیا تھا۔ تو میرے رب عزوجل نے اس سے مجھ پر عتاب فرمایا کہ تم نے میرے دشمن کو محبت و پیار کی نظر سے کیوں دیکھا؟ اور میرے دشمنوں سے دشمنی کیوں نہیں رکھی؟ (روح البیان ج3 ص126)

اسی طرح سے مروی ہے کہ کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام بھیجا تو آپ نے قاصد سے فرمایا کہ تم لوٹ کر اس سے میرا سلام مت کہنا کہ وہ بدمذہب ہو گیا ہے۔

الغرض کوئی بھی بدمذہب یا کوئی بھی کافر اگرچہ کتنے ہی بڑے عہدہ پر پہنچے ہوں ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے کہ اہل ایمان ان کی تعظیم کریں اور علماء حق کو تو اس سے بے حد اجتناب و پرہیز کرنا لازم ہے۔

دیکھ لیجئے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے بادشاہ کے سامنے اس کے وزیر اعظم کی کوئی تعظیم نہیں فرمائی اور بادشاہ کے منہ پر کہہ دیا کہ چونکہ یہ رافضی ہے لہٰذا لائق تعظیم نہیں ہے۔ آج کا پابند شرع عالموں پر جو سیاسی صلح کلی حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ بڑے تنگ نظر ہیں نہ لیڈروں کی تعظیم کرتے ہیں نہ منسٹروں کی۔ ان کے لئے سلف صالحین کا یہ طرز عمل تازیانہ عبرت۔ کاش! خداوند کریم انہیں ہدایت دے اور ان کی ایمانی خودی اور

عالمانہ خودداری میں بیداری پیدا ہو جائے اور وہ اس حقیقت کا مشاہدہ کرنے لگیں ۔

خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی
یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی
یہی مقام ہے مومن کی قوتوں کا عیار
اسی مقام سے آدم ہے "ظل سبحانی"

صبر وایثار

صبر وایثار بھی عالمانہ اخلاق کا بہت اہم عنصر ہے۔ اس معیار پر بھی چند حکایات سنئے اور سر دھنئے:۔

تین دوست

مشہور امام تاریخ علامہ واقدی فرماتے ہیں کہ ہم تین گہرے دوست تھے۔ ایک میں، دوسرا ہاشمی، تیسرا نبطی۔ میں ایک مرتبہ عید کے موقع پر انتہائی تنگ دستی میں مبتلا ہو گیا۔ گھروالی نے بچوں کے کپڑے اور عید کے سامان کا سخت تقاضا کیا۔ میں نے مجبور ہو کر اپنے دوست ہاشمی کو امداد کے لئے خط لکھا۔ اس نے فوراً ایک ہزار دینار کی تھیلی میرے پاس بھیج دی۔ لیکن جیسے ہی یہ تھیلی مجھے ملی۔ فوراً میرے دوست نبطی کا خط ملا کہ میں ان دنوں افلاس کا شکار ہو گیا ہوں۔ میری مدد کرو۔ میں نے فوراً وہ تھیلی اپنے دوست نبطی کے یہاں بھیج دی۔

پھر میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرا دوست ہاشمی وہی تھیلی لئے ہوئے میرے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا معاملہ ہے کہ یہ تھیلی جو میں نے تمہارے پاس بھیجی تھی وہ نبطی کے پاس کیسے پہنچ گئی؟

میں نے کہا! دوست کیا عرض کروں۔ جیسے ہی تمہاری تھیلی میرے یہاں آئی نبطی دوست کا خط آیا کہ میں انتہائی فاقہ مستی میں ہوں تو میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ یہ تھیلی موجود ہوتے ہوئے ایسے وقت میں اپنے دوست کی مدد نہ کروں۔ اس لئے یہ تھیلی میں نے اس کے پاس بھجوادی۔ یہ سن کر ہاشمی کہنے لگا کہ میرے پیارے دوست میں کیا بتاؤں؟ جب تمہارا خط آیا تو میرے پاس بس یہی ایک تھیلی رہ گئی تھی۔ میں نے تمہارے پاس بھیج دی۔ چونکہ پھر میں بالکل تہی دست ہو گیا۔ میں نے نبطی دوست کے پاس امداد کے لئے قاصد بھیجا تو اس نے یہ تھیلی

میرے پاس بھیج دی۔

اس طرح یہ تھیلی تمہارے اور نبطی کے پاس سے ہوتی ہوئی پھر میرے ہی پاس بھیج دی گئی۔ اچھا اب بہتر یہ ہے کہ اس میں سے ایک سو دینار تم اپنی بیوی کو عید کے اخراجات کے لئے دے دو۔ باقی نو سو دینار ہم تینوں دوست تقسیم کرلیں۔

چنانچہ تینوں دوستوں نے تین تین سو دینار بانٹ لئے۔

علامہ واقدی فرماتے ہیں کہ اچانک ہم تینوں دوستوں کی خبر خلیفہ بغداد کو پہنچ گئی تو اس نے مجھے دربار میں طلب کیا اور خزانہ شاہی سے سات ہزار دینار یہ کہہ کر دیئے کہ ایک ہزار دینار تم اپنی بیوی کو خرچ کے لئے دے دو اور دو دو ہزار دینار تم تینوں دوست لے لو۔

(ثمرات الاوراق ج 1 ص 232)

صوفیوں کی گرفتاری

شیخ ابو علی دقاق نے فرمایا کہ خلیفہ بغداد کے پاس صوفیوں کے بارے میں کسی نے یہ تہمت لگائی کہ یہ لوگ ملحد و بے دین ہیں۔ چنانچہ جنید بغدادی وابو الحسن نوری وشحام و قاسم ورقام وغیرہ گرفتار کر کے حاضر دربار کئے گئے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تو مفتی ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیئے گئے مگر باقی لوگوں کو قتل کرنے کے لئے چمڑا بچھایا گیا اور جلاد بلایا گیا۔

ابو الحسن نوری سب سے پہلے قتل ہونے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ جلاد نے پوچھا آپ سب سے پہلے کیوں قتل ہونے کے لئے کھڑے ہو گئے؟ آپ نے فرمایا تاکہ میرے ساتھیوں کو چند منٹ اور زندگی کا موقع مل جائے۔ جب اس گفتگو کی خبر خلیفہ کو پہنچی تو اس نے حکم دیا کہ ان لوگوں کو قاضی کے سامنے پیش کر کے ان کے عقائد و اعمال کے بارے میں پوری پوری تحقیق و تفتیش کی جائے۔ چنانچہ یہ لوگ قاضی کی کچہری میں لائے گئے اور قاضی نے ابو الحسن نوری سے چند فقہی مسائل پوچھے۔ آپ نے ہر ایک کا ٹھیک ٹھیک جواب دیا۔ پھر آپ نے قاضی کو چند نصیحت کے کلمات ارشاد فرمائے تو قاضی اس قدر متاثر ہوا کہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور اس نے خلیفہ کے پاس یہ لکھا کہ اے امیر المومنین اگر یہ لوگ ملحد و زندیق کہلائیں گے تو روئے زمین پر کون ہوگا جس کو مسلمان کہا جائے گا!

خلیفہ نے قاضی کا خط پڑھ کر سب کو چھوڑ دیا۔ (روح البیان ج 5 ص259)

کتوں کا طریقہ

مشہور صوفی حضرت شفیق بلخی ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مبارک کے پاس بھیس بدل کر تشریف لے گئے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ بلخ سے۔ فرمایا تم شفیق بلخی کو جانتے ہو؟ کہا جی ہاں! فرمایا کہ ان کے اصحاب کا کیا طریقہ ہے؟ کہا کہ انہیں کچھ نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں اور جب کچھ مل جاتا ہے تو شکر کرتے ہیں۔

یہ سن کر عبداللہ بن مبارک نے فرمایا یہ تو ہمارے یہاں کے کتوں کا بھی طریقہ ہے کہ انہیں ٹکڑا نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں اور کوئی انہیں روٹی کا ٹکڑا دے دے تو دم ہلا ہلا کر اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ حضرت شفیق نے فرمایا کہ پھر کون سا طریقہ ان لوگوں کو اختیار کرنا چاہئے فرمایا جب کچھ نہ ملے تو شکر ادا کریں اور جب کچھ مل جائے تو دوسروں کو دے دیا کریں۔

(روح البیان ج 4 ص365)

اسم اعظم سکھانے والا

ایک شخص شیخ وقت کی خدمت میں حاضر ہوا اور بہت زیادہ خدمت گزاری کے یہ درخواست پیش کی کہ آپ مجھے اسم اعظم سکھا دیجئے۔ شیخ نے جواب دیا کہ کیا تمہارے اندر اس کی اہلیت ہے؟ اس نے کہا جی ہاں! شیخ نے فرمایا اچھا تم شہر کے پھاٹک پر جاؤ اور جو منظر دیکھو آ کر مجھے اس کی خبر دو۔ یہ شخص شہر کے دروازے پر جا کر بیٹھا تو یہ دیکھا کہ ایک لکڑ ہارا اپنے گدھے پر لکڑیاں لاد کر چلا آ رہا تھا تو ایک سپاہی نے بلا قصور اس کو مار کر اس کی لکڑیوں کو چھین لیا اور وہ لکڑ ہارا خاموش ہو کر چلا گیا۔

شخص مذکور نے اپنا یہ چشم دید ماجرا آ کر شیخ وقت سے عرض کیا تو شیخ نے اس سے پوچھا کہ اگر تم اسم اعظم جانتے ہو تو اس موقع پر تم کیا کرتے؟ اس نے کہا میں اس ظالم سپاہی کے حق میں ایسی بددعا کرتا کہ وہ ہلاک ہو جاتا۔

شیخ وقت نے کہا۔ اسی لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ تم میں اسم اعظم سیکھنے کی صلاحیت نہیں ہے۔

تمہیں کیا معلوم؟ اسی لکڑہارے نے مجھے اسم اعظم سکھایا ہے یاد رکھو۔ اسم اعظم کی صلاحیت وہی شخص رکھتا ہے جو اتنا صابر اور مخلوق خدا پر اس قدر رحیم و شفیق ہو!

(روح البیان ج2 ص222)

تقویٰ واتباع شریعت

تقویٰ و پرہیز گاری اور شریعت مطہرہ کی اتباع واطاعت یہ تمام کمالات مومن کی جان ہیں۔ علماء سلف کے تقویٰ و پرہیز گاری کی ہزاروں مثالیں ایسی ہیں کہ جن کی مثال ملنی غیر ممکن ہے۔ چند واقعات سن لیجئے!

فریب دینے والا محدث

حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ ایک محدث کے پاس علم حدیث پڑھنے کے لئے گئے تو یہ دیکھا کہ اس محدث کا گھوڑا بھاگ گیا ہے اور وہ اپنی چادر اس سے گھوڑے کو دور سے دکھا رہا ہے۔ گویا گھوڑے کو چادر میں رکھا ہوا جو کھلانے کو بلا رہا ہے۔ جب گھوڑا قریب آ گیا تو اس طرح فریب دے کر گھوڑے کو پکڑ لیا۔ حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا کہ واقعی آپ کی چادر میں جو تھے؟ انہوں نے کہا! نہیں! میں نے گھوڑے کو فریب دے کر پکڑا ہے۔ یہ سن کر امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

لَا اٰخُذُ الْحَدِیْثَ عَمَّنْ یَکْذَبُ عَلَی الْبَهَائِمِ

"میں اس شخص سے علم حدیث حاصل نہیں کروں گا جو جانوروں کے سامنے جھوٹ بولتا ہے۔"

یہ کہہ کر آپ وہاں سے چل دیئے۔

اسی طرح منقول ہے کہ حضرت ابو بکر شبلی رحمتہ اللہ علیہ ایک نحوی کے پاس علم نحو پڑھنے کے لئے گئے تو اس نے فاعل و مفعول کی مثال دیتے ہوئے کہا۔ ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرواً یعنی زید نے عمرو کو مارا تو زید فاعل ہوا اور عمرو مفعول۔

حضرت ابو بکر شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا کیا واقعی زید نے عمرو کو مارا ہے؟ نحوی نے جواب دیا۔ نہیں یہ تو ایک مثال ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس علم کو نہیں سیکھوں گا جس کی پہلی مثال

ہی جھوٹی ہو۔ (نزہتہ المجالس ج1 ص 123)

محتسب الامتہ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے حضرت خواجہ شیخ سیف الدین سرہندی کا زہد و تقویٰ اور اتباع شریعت دیکھ کر لوگ آپ کو محی السنہ کہا کرتے تھے اور آپ کے والد ماجد خواجہ محمد معصوم سرہندی نے آپ کو محتسب الامتہ کا لقب عطا فرمایا تھا۔

ایک مرتبہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے انتہائی عقیدت کے ساتھ دعوت دے کر آپ کو شاہی محل میں مدعو کیا۔ آپ نے اتباع سنت کے لئے دعوت تو قبول فرمالی مگر جب قلعہ کے پھاٹک پر پہنچے تو دیوار میں چند تصویریں پتھر میں تراشی ہوئی نظر آئیں۔ آپ دروازے پر ٹھہر گئے۔ فرمایا کہ جس مکان میں جاندار کی تصویریں ہوں۔ میں ہرگز ہرگز اس مکان میں داخل نہیں ہو سکتا۔

عالمگیر نے فوراً ہی ان تصویروں کو توڑ دینے کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ قلعہ میں داخل ہوئے۔ آپ کے زہد و تقویٰ کی بڑی بڑی حیرت انگیز روایات ہیں۔

19 ر جمادی الاولیٰ 1096ھ میں 47 برس کی عمر پاکر وصال فرمایا۔ مزار سرہند شریف میں ہے۔ (مشائخ نقشبندیہ)

نتیجہ:۔ تقویٰ اور اتباع شریعت علماء حق کا خاص شعار رہا ہے اور بادشاہوں کے سامنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے میں جان کی پروانہ کرنا۔ یہ علماء حق کا ہر دور میں خاص الخاص نشان رہا ہے۔ مگر افسوس صد ہزار افسوس! کہ اب اس دور میں اس کی مثالیں بالکل ہی کمیاب بلکہ نایاب ہیں ؎

پڑی ہیں سب اجڑی ہوئی خانقاہیں وہ درویش و سلطان کی امید گاہیں
جہاں علم باطن کی کھلتی تھیں راہیں فرشتوں کی پڑتی تھیں جن پر نگاہیں
وہ جذب الٰہی کے پھندے کہاں ہیں
وہ اللہ کے پاک بندے کہاں ہیں!

سخاوت نفس

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ ایک دن مصر میں لوہاروں کے بازار سے گھوڑے پر سوار گزر رہے تھے کہ اچانک چابک گر پڑا۔ایک شخص نے دوڑ کر امام موصوف کا چابک اٹھایا اور اسے صاف کر کے پیش کیا۔

آپ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ اس وقت تمہاری جیب میں کتنی رقم ہے؟ اس نے عرض کیا۔ دس دینار۔ آپ نے فرمایا اس شخص کو انعام کے طور پر دے دو۔ پھر آپ اس شخص سے معذرت فرماتے ہوئے تشریف لے گئے۔ (مستطرف ج ص192)

نتیجہ :۔ سخاوت و مہمان نوازی انسانی اخلاق کا زیور اور شرافتِ نفس کا جوہر ہیں۔ اسی لئے علماء سلف اور اولیاء امت سخاوت و مہمان نوازی میں امتیازی شان کے مالک رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اکابر علماء مقروض رہا کرتے تھے۔ چنانچہ ہم نے اپنی کتاب اولیاء رجال الحدیث میں سخاوت علماء کے ایسے ایسے تاریخی واقعات تحریر کئے ہیں جو دور حاضر کے علماء کے لئے مشعل راہ ہدایت ہیں مگر افسوس کہ اس دور میں کثیر تعداد تو ایسے علماء کی ہے جو خود ہی مفلسی اور فاقہ مستی کے حملوں سے نان شبینہ کے محتاج ہیں۔ بھلا سخاوت اور مہمان نوازی کہاں سے کریں گے؟ اور بعض جو متمول ہیں انہیں اپنی ہی تن پروری سے فرصت نہیں کہ وہ اپنے ہم عصر غریب علماء کرام کی کچھ خبر گیری کریں اور خود نوازی فرمائیں وہ اس بات کے خواہش مند اور متمنی تو رہتے ہیں کہ مفلس و نادار علماء خرد بن کر ان کی بزرگی کا ڈھنڈورہ تو پیٹتے رہیں مگر اس بات کی انہیں کبھی توفیق ہی نہیں ہوتی کہ اپنے چھوٹوں کو اپنی نوازشوں سے نوازتے رہیں۔

ان حالات کو دکھ کر بے اختیار زبان پر ڈاکٹر اقبال کا شعر آجاتا ہے

فلک نے ان کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنہیں
خبر نہیں کہ روشِ بندہ پروری کیا ہے؟

کرامات

کمالات ولی مٹی میں بھی یوں جگمگاتے ہیں
کہ جیسے نورِ ظلمت میں کبھی پنہاں نہیں ہوتا

کراماتِ علماء

فقیروں اور باباؤں کی ولایت وکرامت کا چرچا تو ہر خاص و عام کی زبانوں پر ہے مگر فقہاء محدثین جو درحقیقت عمارت ملت کا سنگ بنیاد اور جمہور امت کے نور ہدایت کے لئے روشنی کا منارہ ہے۔ ان اساطین اسلام کی ولایت وکرامت تو کجا؟ لوگ ان کے ناموں سے بھی آشنا نہیں۔ حالانکہ اس طبقہ علماء حق میں ایسے ایسے صاحب ولایت و باکرامت ہزاروں باکمال اولیاء ہوئے ہیں جو گلستان ولایت میں پھولوں کی طرح مہکے اور آسمان کرامت میں ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔ علماء حق کے نورانی سلسلۃ الذہب میں کیسے کیسے در شہوار، اور گوہر آبدار ہیں۔ اس نورانی منظر کی کچھ چمک دمک دیکھنی ہو تو حکایات ذیل کو عشق و محبت اور عرفانی معرفت کی چشم بصیرت سے دیکھئے اور عبرت حاصل کیجئے۔

غیبی دستر خوان

ایک مرتبہ حضرت امام احمد بن حنبل و حضرت امام شافعی و حضرت امام ابو ثور و حضرت محمد بن الحکم رحمہما اللہ تعالیٰ ان چاروں حدیث کے اماموں کا اجتماع ہو گیا۔ نماز عشاء تک یہ لوگ مسجد میں بیٹھے علمی مذاکرہ کرتے رہے اور نماز عشاء کے بعد یہ چاروں صاحبان امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر گئے۔ امام موصوف تینوں مہمانوں کو بٹھا کر مکان کے اندر تشریف لے گئے۔ اندر سے خوش خوش مسکراتے ہوئے مہمانوں کے پاس آئے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ

علیہ نے دریافت فرمایا۔ آپ اس قدر خوش ہو کر مسکرا کیوں رہے ہیں۔

امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا! کچھ نہ پوچھئے۔ آج میرے گھر میں عجیب ماجرا ہے۔ مجھے خوشی کے ساتھ ساتھ انتہائی حیرت بھی ہے اور وہ یہ کہ میں جب مکان سے نماز مغرب کے لئے نکلا تھا تو گھر میں کھانے کا لقمہ بھی نہیں تھا۔ اب مکان کے اندر گیا ہوں تو خدا کے فضل سے بہت کثیر مقدار میں قسم قسم کے کھانے موجود ہیں۔ اور بیوی کا بیان ہے کہ آپ مغرب کے لئے مکان سے نکلے تو دروازے پر دستک ہوئی۔ بچوں کو باہر بھیجا تو انہوں نے کہا ایک خوش پوشاک اور حسین و جمیل آدمی ہے اور اس نے ایک ٹوکری اور کھانے کا طباق پیش کیا اور کہا کہ تم لوگ اپنے رب کا رزق کھاؤ اور شکر ادا کرو۔

بیس شیر مال، مختلف سالن، مزعفر، چھلے ہوئے کیلے، ایک پیالی میں نمک، ایک شیشی میں سرکہ، شکر کا حلوہ، کچھ سبزیاں، یہ تمام کھانے طباق میں رکھے ہوئے تھے۔

چنانچہ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے ان تمام کھانوں کو لا کر رکھ دیا اور چاروں اماموں نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا اور کھانوں کی لذت سے بے حد محفوظ و متعجب ہوئے اور ایک ماہ تک ان لوگوں کو نہ بھوک لگی اور نہ ہی کھانے کی ضرورت پڑی۔

بچا ہوا کھانا امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے گھر میں بھجوایا تو گھر کے تمام افراد نے شکم سیر ہو کر کھایا۔ مگر پھر بھی کھانا بچ رہا۔ پھر ان چاروں اماموں کا متفقہ فیصلہ رہا کہ کھانا منجانب اللہ آیا تھا۔ قاصد کوئی فرشتہ تھا۔

امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے صالح بن احمد کا بیان ہے کہ جب تک یہ ٹوکری ہمارے گھر میں موجود رہی کبھی ہم کو رزق کی تنگی نہیں ہوئی اور ہمیشہ غیب سے ہم لوگوں کے لئے اسی طرح کھانے پینے کا سامان ہو جاتا رہا۔

ہم لوگوں کو اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ بلا شبہ یہ ان اماموں کی کرامت تھی۔

(ثمرات الاوراق ج2 ص171)

چار یار اور پچاس پچاس دینار

ابو العباس بکری ناقل ہیں کہ محمد بن جریر طبری اور محمد بن خزیمہ اور محمد بن نصر اور محمد بن ہارون رویانی، یہ چاروں محمد نام کے محدثین اپنی طالب علمی کے زمانے میں مصر کے اندر مجتمع

ہوئے اور چاروں مفلسی اور فاقہ کشی سے مجبور اور لاچار ہو گئے۔ ایک دن ان چاروں نے یہ طے کیا کہ قرعہ نکالو۔ جس کے نام کا قرعہ نکلے وہ خدا سے دعا مانگے چنانچہ جیسے ہی انہوں نے دعا مانگی۔ ایک غلام موم بتی لئے ہوئے دروازے پر کھڑا نظر آیا۔

اس نے کہا محمد بن نصر کون ہیں؟ لوگوں نے ان کی طرف اشارہ کیا تو اس نے ان کو پچاس دینار کی تھیلی دی۔ پھر باقی تینوں کو بھی ان کا نام پوچھ پوچھ کر پچاس پچاس دینار کی تھیلی دی اور کہا کہ امیر مصر سو رہا تھا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ چار محمد نام کے طالب علم بھوکے ہیں تو اس نے آپ لوگوں کے خرچ کے واسطے یہ تھیلیاں بھیجی ہیں۔

میں آپ لوگوں کو قسم دیتا ہوں کہ جب یہ رقم خرچ ہو جائے تو آپ لوگ ضرور ضرور مجھے مطلع فرمائیں۔

(تذکرۃ الحفاظ ج2 ص182)

کنکری سونا ہو گئی

خالد بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ حافظ الحدیث حیوہ بن شریح بہت ہی مفلوک الحال اور تنگدست تھے اور خوف خداوندی سے دن رات رویا کرتے تھے۔ ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ عالم تنہائی میں انتہائی گریہ وزاری کے ساتھ دعا مانگ رہے ہیں۔

مجھے ان کی غریبی پر بڑا ترس آیا تو میں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں آپ خداوند عالم سے دعا مانگتے کہ وہ آپ کو اتنی دولت عطا فرمائے کہ آپ کی تنگ دستی و فاقہ مستی دور ہو جائے۔ یہ سنتے ہی حضرت حیوہ بن شریح رحمتہ اللہ علیہ نے دائیں بائیں مڑ کر دیکھا اور زمین سے کچھ کنکریاں سونا بن گئیں اور انہوں نے ان کو میری طرف پھینک کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ میں ان سونے کے ٹکڑوں کو کیا کروں؟ تو فرمایا کہ تم ان کو اپنے اہل و عیال پر خرچ کر ڈالو۔

خالد بن عبدالعزیز کا بیان ہے میں اس حال اور ان کے جلال سے اس قدر خائف ہو گیا کہ مارے ڈر کے ان کے فرمان کو ٹال نہیں سکا اور میں ان سونے کے ٹکڑوں کو ساتھ لے کر اپنے گھر چلا آیا۔

(مستطرف ج 2 ص48)

نتیجہ:۔ ان تاریخی حقائق اور مستند واقعات سے ان منکرین کو عبرت حاصل کرنی چاہئے جو اہل اللہ کے خداداد تصرفات و کرامات کے انکار اور بزرگان دین کی توہین و تنقیص کو توحید کی بنیاد ٹھہراتے

ہوئے ہیں۔ان کو کیا خبر کہ بحر توحید کے بڑے بڑے غواصوں اور میدان تصوف کے عدیم المثال شہسواروں نے اکابر ملت و اولیاء امت کے خداداد تصرفات کو دیکھ کر اپنی خالی جھولیاں پھیلائے ہوئے یہ صدا لگا کر ان سلاطین کرامات کے آستانوں پر فیض کی بھیک مانگی ہے کہ ۔

آناں کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند

یعنی وہ لوگ جو اپنی ایک نظر ڈال کر مٹی کو سونا بنا دیتے ہیں۔کاش ایسا ہوتا کہ کبھی وہ لوگ اپنی کنکھیوں سے ایک مرتبہ ہماری طرف بھی دیکھ لیتے تو ہمارے وجود کی خاک بھی عالم پاک کی کیمیا بن جاتی۔

سبحان اللہ!اللہ والوں کے خداداد تصرفات کی قوت اور ان کی روحانی طاقت کا کیا کہنا؟شاعر مشرق نے کیا خوب کہا ہے؟۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

حقیقت تو یہ ہے کہ ان باخدا بزرگوں کی کرامات اور ان کے خداداد تصرفات کے حالات پڑھ کر یہ شعر حرف تمنا بن کر زبان پر آجاتا ہے کہ ۔

ہیں زیر خاک بھی افلاک جن کے زیر اثر
وہ کاش آئیں میرے دل میں حکمران بن کر

جذام کا علاج

شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے فتوحات کے وصایا میں تحریر فرمایا ہے کہ ہمارے یہاں ایک شخص جذام کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور تمام اطباء نے بالاتفاق یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ لاعلاج مرض ہے۔اتفاق سے اس زمانے کے ایک قوی الایمان محدث نے جن کا نام سعد السعود تھا۔اس جذامی کو دیکھ کر فرمایا کہ تم اپنے اس مرض کا علاج کیوں نہیں کرتے؟غریب جذامی نے آبدیدہ ہو کر کہا کہ حضور میرے اس مرض کو تمام طبیبوں نے لاعلاج قرار دے دیا ہے۔اس لئے اب میں مایوس ہو چکا ہوں۔

یہ سن کر سعد السعود محدث نے فرمایا یہ تمام اطباء جھوٹے ہیں اور میرا ایمان ہے کہ سارے

عالم میں سب سے بڑھ کر حاذق طبیب میرے رسول محمد ﷺ ہیں اور کلونجی کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے کہ وہ موت کے سوا تمام بیماریوں کی دوا ہے اور جذام بھی ایک مرض ہے۔ اس لئے یقیناً کلونجی اس کی بھی دوا ہے چنانچہ انہوں نے فوراً ہی کلونجی منگا کر پیسی اور اس کو شہد ملا کر جذامی کے پورے بدن پر مل دیا اور کچھ تھوڑی مقدار میں اس کو چٹا دی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اسے غسل کرایا تو اس کی پرانی کھال اتر گئی اور نئی کھال فوراً ہی نمودار ہو گئی اور اس کے سر کے گرے ہوئے بالوں کی جگہ دوسرے بال اگ آئے اور وہ بالکل شفایاب ہو کر پہلے کی طرح تندرست و توانا ہو گیا۔

حضرت محی الدین ابن العربی کا بیان ہے کہ سعد السعود محدث کا اس حدیث پر اتنا قوی ایمان تھا کہ وہ ہر مرض میں کلونجی کو بطور دوا استعمال کراتے تھے۔ یہاں تک کہ انہیں کبھی آشوب چشم ہو جاتا تھا تو وہ کلونجی کو پیس بطور سرمہ لگاتے تھے اور فوراً شفایاب ہو جاتے تھے۔

(روح البیان ج3 ص319)

نتیجہ:۔ اس واقعہ کو ایک کامل الایمان عالم باعمل کی کرامت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ مگر اس کرامت کے ظہور کے لئے یہ شرط ہے کہ فرمان رسول پر سعد السعود جیسا کہ یقین محکم اور کامل ایمان ہو نا ضروری ہے

مصیبت میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں نہ شمشیریں
مگر ایمان کامل ہو تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

حضرت بشرؒ کا قارورہ

مشہور عالم حدیث حضرت بشر حافی علیہ الرحمہ جب مرض الموت میں بیمار ہوئے تو لوگوں نے اصرار کیا کہ آپ کا قارورہ کسی طبیب کو دکھلا کر علاج کرایا جائے۔ آپ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنے طبیب کے سامنے حاضر ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے اس کی جو مرضی ہو گی وہ کرے۔ لیکن جب لوگوں نے انتہائی اصرار کیا تو آپ کی ہمشیرہ نے آپ کا قارورہ لوگوں کو دے دیا۔ جب قارورہ لے کر لوگ، پڑوس کے ایک نصرانی طبیب کے یہاں گئے تو وہ قارورہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ یہ قارورہ اگر کسی نصرانی کا ہے تو وہ یقیناً بہت ہی بڑا راہب ہو گا کیونکہ اس قارورہ والے کا جگر خوف الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو چکا ہے اور اگر یہ قارورہ کسی مسلمان کا ہے تو یقیناً یہ

بشر حافی کا ہے۔جب لوگوں نے بتایا کہ یہ بشر حافی کا قارورہ ہے تو نصرانی طبیب بے اختیار کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

لوگ جب طبیب کے پاس سے لوٹے تو حضرت بشر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تم لوگوں کا طبیب تو مسلمان ہو گیا۔لوگوں نے عرض کیا۔ حضور! آپ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا۔ فرمایا جب تم لوگ قارورہ لے کر مکان سے نکلے تو اسی وقت میں نے ایک غیبی آواز سنی کہ اے بشر! تمہارے قارورہ کو دیکھ کر نصرانی طبیب مسلمان ہو گیا۔ 227ھ میں حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال ہوا۔ (مستطرف ج 1 ص144)

نتیجہ :۔ جن کے قارورہ کو دیکھ کر ایک نصرانی طبیب مسلمان ہو گیا ان کی نورانی صورت اور مقدس سیرت نے کتنے کفار کے اندھیرے دلوں میں نور ایمان سے چراغاں کیا ہو گا۔ کیوں نہ ہو کہ ان ہی علماء حق کے بارے میں ارشاد نبوی ہے:

عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءُ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ.

یعنی میری امت کے علماء ہدایت کے وہ کارنامے انجام دیں گے جو بنی اسرائیل کے انبیاء انجام دیا کرتے تھے۔

بلا شبہ ایسے ہی مقدس علماء حق کے بارے میں حافظ شیرازی نے کیا خوب ہی فرمایا ہے

گر در سرت ہوائے وصال است حافظا
باید کہ خاک درگہہ اہل نظر شوی!

مریض طبیب بن گیا

مشہور بزرگ عالم دین حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے لوگوں نے بغرض علاج شفاخانہ میں داخل کرا دیا۔ وزیر سلطنت علی بن عیسیٰ آپ کا بے حد معتقد تھا۔ اس نے خلیفہ بغداد سے درخواست کی کہ دربار شاہی کے رئیس الاطباء کو ان کے لئے بھیج دیا جائے۔ چنانچہ خلیفہ نے رئیس الاطباء کو بھیج دیا جو نصرانی تھا اس نے بڑی دماغ سوزی اور توجہ سے آپ کا علاج کیا۔ مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

ایک دن رئیس الاطباء نے کہا اے شبلی! اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میرے بدن کے کسی ٹکڑے میں آپ کا علاج ہے تو مجھے آپ کے لئے اپنا عضو کاٹ دینے میں کوئی تردد نہیں ہو گا۔

حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرا علاج آپ کے ایک عضو کاٹنے سے کہیں زیادہ آسان اور معمولی چیز ہے۔ اس نے پوچھا کہ وہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنا زنار کاٹ ڈالو اور اسلام قبول کرلو۔ مارے خوشی کے میرا مرض جاتا رہے گا۔ طبیب نے فوراً زنار توڑ کر کلمہ پڑھ لیا اور اسی وقت حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ تندرست ہو کر بستر بیماری سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

خلیفہ بغداد کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے حیران ہو کر تعجب سے یہ کہا کہ میں نے تو طبیب کو مریض کے پاس بھیجا تھا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ میں مریض کو طبیب کے پاس بھیج رہا ہوں۔

(روح البیان ج2 ص461)

نتیجہ :۔ اللہ اکبر! علماء حق خلق خدا کی ہدایت اور اشاعت اسلام کے کتنے شیدائی تھے؟ کہ ایک غیر مسلم کے اسلام قبول کر لینے سے انہیں اتنی عظیم مسرت قلبی حاصل ہوتی تھی۔ جذبہ شادمانی سے روحانی طور پر ان کی خطرناک بیماریاں دور ہو جاتی تھیں مگر افسوس کہ آج وہ منحوس دن آگئے کہ بہت سے مولوی کہلانے والے کمیونزم اور سوشلزم کی دربدر تبلیغ کرتے پھرتے ہیں مگر تبلیغ دین و اشاعت اسلام کا کبھی بھول کر بھی انہیں خیال نہیں آتا۔ زمانہ حال کی گندی سیاست کی نحوست نے ان کے دل و دماغ سے تبلیغ اسلام کے جذبے ہی کو فنا کر دیا ہے۔ ایسے ملت فروش علماء کی جمعیت کے بارے میں شفیق جونپوری نے کیا خوب کیا ہے ؎

عجب حال ہے امت کے ناخداؤں کا خیال ہے وطنیت کے دیوتاؤں کا
بناؤ جسم پہ ہے ہاشمی عباؤں کا دماغ پر ہے اثر مغربی ہواؤں کا
کبھی وطن، کبھی مزدور یا کسان کا غم
نہ فکر شام و فلسطین ہے یاد حرم

ان ہی سیاسی مولویوں کی حرکتوں کا مرثیہ پڑھتے ہوئے میرے محترم اور کرم فرما بزرگ حضرت واصف اڑکائی مدظلہ العالی نے بھی بہت خوب فرمایا ہے ؎

رازی و بو علی کی حکمت سنانے والے مداح بن رہے ہیں کارل کے اور لینن کے
فرعون کے مصاحف موسیٰ بنے ہوئے ہیں بزم یزید والے وارث ہیں پنجتن کے

ایک نوجوان صالح

بغداد میں ایک نوجوان صالح عالم دین تھے جو لوگوں کو علی الاعلان گناہوں سے روکتے تھے۔

یہاں تک کہ خلیفہ بغداد ہارون رشید کو بھی اس کے خلاف شرع افعال پر ٹوک دیا کرتے تھے۔ خلیفہ نے غصہ میں آکر اس نوجوان عالم کو گرفتار کر کے ایک تنگ کوٹھڑی میں بند کر دیا اور اس کے تمام سوراخوں کو بھی بند کرا دیا تاکہ یہ بھوکے پیاسے گھٹ کر مر جائیں۔ مگر چند دنوں کے بعد خلیفہ نے دیکھا کہ وہی نوجوان ایک باغ میں ٹہل رہا ہے۔ خلیفہ نے گرفتار کر کے دربار شاہی میں بلایا اور پوچھا کہ تم کو کوٹھڑی میں سے کس نے نکالا؟ نوجوان نے کہا جس نے مجھے قید کیا تھا۔ خلیفہ نے کہا تم کو بند کس نے کیا تھا۔ نوجوان نے کہا جس نے مجھے نکالا۔

یہ جواب سن کر خلیفہ تعجب سے حیران رہ گیا اور حق کی ہیبت سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے حکم دے دیا کہ اس نوجوان اور صالح عالم دین کو گھوڑے پر سوار کرا کے سارے شہر میں یہ اعلان کر دیا جائے کہ یہ وہ شخص ہے جس کو خدا نے عزت دی ہے مگر اس کو خلیفہ ذلیل کرنا چاہتا تھا مگر جس کو خدا عزت دے اس کو کوئی ذلیل نہیں کر سکتا۔ (روح البیان ج 5 ص 391)

نمازی اور شیر کا سامنا

ایک زاہد عالم دین نے خلیفہ دمشق مروان کے گانے بجانے کے آلات توڑ پھوڑ دیئے۔ خلیفہ نے برہم ہو کر حکم دیا کہ ان کو شیر کے سامنے ڈال دیا جائے تاکہ وہ انہیں چیر پھاڑ کر کھا ڈالے۔ چنانچہ یہ عالم ربانی جب شیر کے سامنے لائے گئے تو انہوں نے نماز شروع کر دی۔ شیر ان کو دیکھ کر دم ہلاتے ہوئے آگے بڑھا اور ان کے پاؤں کو چاٹنے لگا اور یہ برابر نماز میں مشغول رہے۔ ساری رات اسی حالت میں بسر ہو گئی۔ خلیفہ نے صبح کو حال دریافت کیا کہ دیکھو شیر نے عالم دین کو کھا ڈالا یا نہیں؟ جب لوگ دیکھنے کے لئے گئے تو یہ منظر دیکھا کہ عالم دین نماز پڑھ رہے ہیں اور شیر ان کا پاؤں چاٹ رہا ہے۔ لوگوں نے عالم دین کو شیر کے پنجرے سے نکال کر دربار میں حاضر کیا۔ مروان نے پوچھا کہ تمہیں شیر کا کوئی خوف نہیں تھا۔ جو اتنے اطمینان سے تم نماز پڑھ رہے تھے؟ عالم دین نے جواب دیا کہ میں تو رات بھر اسی فکر میں رہا کہ شیر نے میرا پاؤں چاٹ لیا ہے اور شیر کا جھوٹا نجس ہے تو میری نماز کس طرح ہوئی ہو گی؟ مجھے اس فکر سے فرصت ہی نہیں ملی کہ میں شیر کا خوف کرتا۔ مروان عالم دین کے اس جواب سے حیران رہ گیا اور حق کی ہیبت سے لرزہ براندام ہو کر اس نے اس عالم دین کو رہا کر دیا۔

نتیجہ :۔ ان واقعات کو پڑھ کر جہاں علماء حق کی کرامتوں کا اعتراف کرنا پڑتا ہے وہاں یہ حقیقت

بھی بے نقاب ہو کر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے کہ حق گو حقانی اور حق کا اعلان کرنے والے علماء حق کی خداوند عالم دشمنوں کے مقابلہ میں کس طرح نصرت واعانت فرماتا ہے۔ کسی حق پرست عالم کا یہ نعرۂ حق کتنی سچی حقیقت کا اظہار ہے کہ ؎

ہزار دشمن اگر می کنند قصد ہلاک
گرم تو دوستی از دشمنان ندارم باک

یعنی ایک ہزار دشمن اگر مجھے ہلاک کرنے کا قصد کرلیں۔ لیکن اے میرے اللہ اگر تو میرا دوست ہے تو میں ان دشمنوں کا کبھی کوئی خوف نہیں رکھتا ہوں۔

محمد بن نصرؒ کی کرامت

شیخ الاسلام محمد بن نصر فقیہ مروزی سرخ وسفید رنگ، لمبی داڑھی والے نہایت ہی وجیہہ اور خوب صورت شیخ وقت تھے بہت ہی جلیل القدر محدث ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی زاہد وعابد بھی تھے۔ عبادت میں ان کے استغراق کا یہ عالم تھا کہ نماز کی حالت میں ان کی پیشانی پر ایک بھڑ نے اس زور سے ڈنک مارا کہ پیشانی پر خون بہہ نکلا مگر انہوں نے حرکت بھی نہیں کی۔ ان کی مشہور کرامت یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ اپنی باندی کو ساتھ لے کر مصر سے مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے تو ان کی کشتی طوفان کے تھپیڑوں میں ٹوٹ پھوٹ کر غرق ہو گئی اور سامان کے ساتھ دو ہزار جزو کی تصنیفات بھی دریا برد ہو گئیں اور یہ ایک تختے پر سمندر کی موجوں میں بہتے ہوئے ایک غیر آباد جزیرے میں پہنچ گئے اور ان پر پیاس کا انتہائی غلبہ ہوا۔ چنانچہ یہ اپنی باندی کی گود میں سر رکھ کر موت کے انتظار میں لیٹ گئے۔ اتنے میں اچانک ایک شخص کوزہ بھر کر پانی لایا اور ان کو اور ان کی باندی کو پانی پلا کر سیراب کردیا۔ پھر وہ آدمی چلا گیا اور کچھ نہیں معلوم کہ وہ کہاں سے آیا تھا اور کہاں چلا گیا؟ (تذکرۃ الحفاظ ج 2 ص 203)

کنویں میں دودھ اور شہد

امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے استاذ شیخ الاسلام بن عیاش بڑی جلالت شان والے محدث اور باعمل عالم تھے۔ چالیس برس تک زمین سے پیٹھ نہیں لگائی۔ بڑے عبادت گزار اور زاہد شب زندہ دار تھے اپنے مکان کے صرف ایک کونے میں صرف اٹھارہ ہزار ختم قرآن شریف

کیا۔ ان کی مشہور کرامت یہ ہے کہ انہوں نے زمزم شریف کے کنویں میں ایک مرتبہ ڈول ڈال کر ایک ڈول بھر کر دودھ نکالا اور ایک مرتبہ ڈھول بھر کر شہد نکالا۔ خلیفہ ہارون رشید کو آپ نصیحت فرماتے رہتے تھے۔ وہ آپ کا بہت زیادہ معتقد تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اس نے چھ ہزار دینار آپ کی خدمت میں نذرانہ بھی پیش کیا تھا۔ 193ھ میں 96 برس کی عمر پا کر وصال فرمایا۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ص 245)

جنتی محل خریدا

شیخ الاسلام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم تیمی بہت ہی عظیم الشان محدث ہیں اپنے زمانہ طالب علمی میں بڑی محنت اور عرق ریزی سے علم حدیث پڑھا تھا۔ یہ بہت ہی عابد و زاہد اور باکرامت بزرگ تھے اور لوگ عام طور پر ان کو طبقہ اولیاء اللہ کی جماعت کا ایک فرد سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے وطن میں قحط پڑ گیا۔ اسی دوران میں ان کے ایک دوست نے اصفہان سے ایک گھوڑا ان کے پاس بھیجا اور لکھا کہ آپ اس کو فروخت کر کے اپنے شہر میں میرے لئے ایک مکان خرید لیجئے۔ آپ نے گھوڑے کو بیس ہزار درہم میں بیچ کر ساری رقم شہر کے قحط زدہ محتاجوں پر خیرات کر دی اور اپنے دوست کو لکھا کہ میں نے تمہارے لئے جنت میں ایک محل خرید لیا ہے۔ دوست نے جواب دیا کہ اگر آپ اس کے ضامن بن جائیں تو مجھے جنتی محل کی خریداری منظور ہے۔ آپ نے فوراً ہی اپنی ضمانت کی ایک دستاویز لکھ کر اپنے دوست کے پاس بھیج دی۔ اسی رات میں آپ نے یہ خواب دیکھا کہ باری تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ کہہ رہا ہے کہ اے ابن ابی حاتم! تم نے جس جنتی محل کی ضمانت لے لی ہے۔ ہم نے تمہاری ضمانت قبول فرمالی ہے۔ مگر آئندہ کسی کے لئے ایسا مت کرنا۔ محرم 327ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

(تذکرۃ الحفاظ ج 3 ص 48)

انگلی گر پڑی

محدث ابو بکر ابن الخاضبہ بڑے باکمال محدثوں میں سے ہیں۔ شیخ ابو بکر محدث ان کے بارے میں علانیہ فرماتے تھے کہ تمام دنیا میں ان سے بہتر کوئی حدیث کی قرأت کرنے والا نہیں۔ اگر یہ دو دنوں تک مسلسل حدیث پڑھتے رہیں۔ جب بھی کوئی سننے والا اکتا نہیں سکتا۔ انہوں نے

سات مرتبہ مسلم شریف کو اجرت لے کر لکھا اور اسی رقم سے اپنے اہل وعیال کی پرورش کرتے رہے ان کی ایک مشہور کرامت یہ ہے کہ بغداد میں ایک رئیس زادے کے ہاتھ میں چھٹی انگلی نکل پڑی اور اس کے درد سے وہ رئیس زادہ بلبلا اٹھا۔ گھر والے حضرت ابو بکر بن الخاضبہ کو بلا کر لائے۔ آپ نے اس انگلی پر اپنا ہاتھ پھیر دیا اور فرمایا کہ کوئی مضائقہ نہیں۔ تم لوگ اس کی کوئی فکر نہ کرو۔ یہ فرما کر جیسے ہی آپ مکان سے باہر نکلے اچانک خود بخود وہ انگلی گر پڑی اور تکلیف جاتی رہی۔ 489ھ میں آپ نے وفات پائی، آپ کے جنازہ میں اجتماع عظیم ہوا۔

(تذکرۃ الحفاظ ج4 ص24)

ایک عجیب خواب

ایک شخص نے یہ خواب دیکھا کہ میں زیتون کے درخت کی جڑ میں زیتون کا تیل ڈال رہا ہوں۔ اس شخص نے اپنا یہ خواب مشہور محدث امام محمد بن سیرین رحمتہ اللہ علیہ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کوئی باندی ہے جس سے تم صحبت کرتے ہو؟ تو اس نے عرض کی کہ جی ہاں! آپ نے فرمایا کہ تمہارے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ وہ لونڈی تمہاری ماں ہے اس کی تحقیق کرو۔

چنانچہ جب اس شخص نے اس کی چھان بین کی تو پتہ چلا کہ واقعی وہ لونڈی اس کی ماں نکلی۔

(مستطرف ج2 ص88)

نتیجہ:۔ یہ واقعہ کھلی ہوئی دلیل ہے کہ امام محمد بن سیرین رحمتہ اللہ علیہ یقیناً صاحب کشف تھے آپ کو خوابوں کی تعبیر میں اتنا بڑا کمال حاصل تھا کہ آپ جس خواب کی جو تعبیر بیان فرما دیا کرتے تھے وہ سو فی صدی صحیح ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے جب اپنی نوجوانی میں یہ خواب دیکھا کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کی قبر کو کھود کر جسم مبارک کو اپنے سینے سے لگایا تو آپ یہ خواب دیکھ کر پریشان حال ہو گئے اور گھبرائے ہوئے امام محمد بن سیرین رحمتہ اللہ علیہ کے پاس تعبیر کے لئے گئے تو آپ نے فرمایا کہ ابو حنیفہ تم بڑے خوش نصیب ہو۔ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم حضور اقدس ﷺ کی حدیثوں کو تمام عالم میں پھیلاؤ گے۔ چنانچہ دنیا جانتی ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی فقہ حدیث نے تمام عالم کو علم کے نور سے پرنور کر دیا۔

(مستطرف ج2 ص89)

سبحان اللہ! کیا خوب کہا ہے کسی اہل دل نے ؎

جو جذب کے عالم میں نکلے لبِ مومن سے
وہ بات حقیقت میں تقدیر الٰہی ہے

دُعاء الکرب

خلیفہ دمشق ولید بن الملک نے حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے فرزند مثنیٰ کو مدینہ منورہ کے جیل خانہ میں قید کر رکھا تھا پھر اچانک ولید نے مدینہ منورہ کے گورنر صالح بن عبداللہ کے پاس فرمان بھیجا کہ حسن مثنیٰ کو مسجد نبوی میں پانچ سو کوڑے لگائے جائیں۔ چنانچہ گورنر آپ کو جیل خانے سے کوڑے مارنے کے لئے مسجد نبوی میں لایا اور خود منبر پر چڑھ کر ولید کا فرمان پڑھنے لگا اتنے میں حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ مجمع آپ کو دیکھ کر پھٹ گیا اور آپ آکر حسن مثنیٰ کے پہلو میں بیٹھ گئے اور فرمایا کہ بھائی جان آپ اس وقت دعاء الکرب پڑھ کر دعا کیوں نہیں مانگتے۔ آپ یہ دعا پڑھئے!

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ ﷺ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

حسن مثنیٰ نے چند ہی بار اس دعا کا ورد کیا تھا کہ صالح بن عبداللہ گورنر کا دل بدل گیا اور اس نے منبر سے اتر کر کہا۔ میرا خیال ہے حسن مثنیٰ بلا قصور قید کئے گئے ہیں لہٰذا میں ابھی کوڑے کی سزا کو ملتوی کرتا ہوں اور امیر المومنین ولید سے ان کے بارے میں مراسلت کرتا ہوں۔ چنانچہ چند ہی دنوں کے بعد دمشق سے ولید کا فرمان یاد آگیا کہ حسن مثنیٰ بے قصور ہیں لہٰذا انہیں جیل سے رہا کر دیا جائے۔ (مستطرف ج2 ص70)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا

عبداللہ بن ابان ثقفی کا بیان ہے کہ مجھ کو حجاج بن یوسف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ ﷺ کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ چنانچہ جب میں پیادہ و سوار فوج کا دستہ لے کر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ اپنے صحن میں نہایت اطمینان کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے

جب کہا کہ گورنر آپ کو دربار میں بلا رہا ہے تو انہوں نے تڑپ کر فرمایا کہ کون گورنر؟ میں نے کہا۔ حجاج بن یوسف۔ تو انہوں نے نہایت غضب ناک ہو کر فرمایا۔ خدا اس کو ذلیل کرے وہ باغی و سرکش ہے۔ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کا مخالف ہے۔ پھر ایک دم چل پڑے اور حجاج بن یوسف کے روبرو حاضر ہو گئے اور دونوں کے درمیان حسب ذیل مکالمہ شروع ہوا:۔

حجاج: کیا آپ کا نام انس بن مالک ہے؟

حضرت انسؓ: ہاں میرا نام انس بن مالک ہے۔

حجاج: آپ ہم کو برا بھلا کہتے ہیں اور ہمارے لئے بددعا کرتے رہتے ہیں۔

حضرت انسؓ: ہاں۔ بے شک تم اسی قابل ہو۔

حجاج: آخر کیوں؟

حضرت انسؓ: اس لئے کہ تم اپنے رب کے نافرمان اور اپنے نبی کے مخالف ہو تم خدا کے دشمنوں کو عزت سے سرفراز کرتے ہو اور خدا کے دوستوں کو ذلیل و خوار کرتے ہو۔

حجاج: آپ کو معلوم ہے کہ میں نے کس لئے آپ کو بلایا ہے؟

حضرت انسؓ: نہیں، میں کچھ نہیں جانتا۔

حجاج: میں نے اس لئے بلایا ہے کہ نہایت بدترین طریقے سے آپ کو قتل کر دوں گا۔

حضرت انسؓ: اگر مجھے یہ یقین آجاتا کہ موت و حیات تیرے قبضے میں ہے جب تو میں تجھے قابل عبادت سمجھنے لگتا۔ مگر میرا ایمان تو یہ ہے کہ بغیر رب کے حکم کے تو میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔

حجاج: کیوں؟ کیا میں آپ کو قتل نہیں کر سکتا۔

حضرت انسؓ: ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک ایسی دعا تعلیم فرمائی ہے۔ جو شخص صبح کو یہ دعا پڑھ لے دن بھر کوئی ظالم اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اور آج صبح کو میں نے یہ دعا پڑھ لی ہے۔

حجاج: للہ! آپ یہ دعا مجھے بھی تعلیم فرما دیں!

حضرت انسؓ: معاذ اللہ! جب تک تو زندہ ہے میں کسی کو بھی یہ دعا نہیں بتا سکتا۔

حجاج: اے دربانو! ان کو چھوڑ دو اور محل سے باہر نکال دو۔

دربان: اے امیر! بڑی جانفشانی سے تو ہم ان کو گرفتار کر کے یہاں تک لائے تھے اور آپ نے ان کو یونہی چھوڑدیا۔

حجاج: میں کیا کروں؟ واللہ! میں نے یہ دیکھا کہ ان کے دونوں کندھے پر دو شیر منہ پھاڑے ہوئے بیٹھے ہیں۔ جو میری طرف لپک رہے ہیں اس لئے گھبرا کر میں نے انہیں دربار سے نکلوادیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ جب مرض الموت میں بیمار ہوئے تو آپ نے اپنے بھائیوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی۔ اور دعا مبارکہ یہ ہے:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الْاَسْمَاءِ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا يَضُرُّ مَعَ اِسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى نَفْسِیْ وَدِيْنِیْ بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى اَهْلِیْ وَمَالِیْ بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ اَعْطَانِيْهِ رَبِّیْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِمَّا اَخَافُ وَاَحْذَرُ اَللّٰهُ رَبِّیْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا عَزَّجَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَتَقَدَّسَتْ اَسْمَاءُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ وَّشَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ وَّمِنْ شَرِّ قَضَاءِ السُّوْءِ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَا صِيَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ● (مستطرف ج2 ص255)

نتیجہ:۔ حضرت حسن مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے دعاء الکرب کا ورد کرنے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے دعاء نبوی کے ورد کرنے سے جن حیرت ناک کرامتوں کا ظہور ہوا اس سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ مصیبتوں کی گھڑیوں میں دعا مومن کے لئے تلوار اور ڈھال کا کام کرتی ہے۔ اسی لئے میں ہر مسلمان مرد و عورت کو تاکید تحریر کرتا ہوں کہ وہ ان دونوں دعاؤں کو یاد کرلیں اور صبح و شام ایک ایک مرتبہ ان دعاؤں کو پڑھ لیا کریں تاکہ ظالم حکام کے مظالم اور کفار و مشرکین کے شر سے محفوظ رہیں۔

ہر مسلمان کو اس کا یقین رکھنا چاہئے کہ صدق دل سے اور اخلاق قلب سے مانگی ہوئی دعاؤں میں بڑی طاقت ہے۔ خداوند قدوس کا وعدہ ہے کہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ● یعنی اے بندو! تم

لوگ مجھ سے دعائیں مانگو۔ میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔ اللہ عزوجل کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کی دعاؤں کو قبول فرمائے گا۔ ہاں مگر شرط یہ ہے کہ ۔

جو مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگو
در کریم سے بندے کو کیا نہیں ملتا

برادران ملت:۔

ہزاروں دروازوں پر رونے گڑگڑانے اور فریاد کرنے سے کہیں زیادہ بہتر یہ ہے کہ مسلمان اپنے رب کے حضور میں سر بسجود ہو کر روئیں گڑگڑائیں اور دعائیں مانگیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اخلاص قلب سے مانگی ہوئی دعائیں ضرور مقبول ہوں گی۔ حدیث شریف کا مضمون ہے کہ جب بندۂ مومن ہاتھ اٹھا کر خدا سے دعائیں مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو بڑی شرم آتی ہے کہ وہ اپنے بندے کو ہاتھ سے خالی اور اپنے در سے واپس لوٹا دے۔ اس لئے نمازوں کے بعد، روزہ افطار کرتے وقت، تلاوت کے بعد، میلاد شریف اور وعظ کے جلسوں کے بعد ہر مسلمان کو چاہئے کہ خوب رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دین و دنیا کے لئے دعائیں مانگتے رہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ۔

اے مسلمان ہر گھڑی پیش نظر
آیہ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَاد رکھ
یہ لسانُ العصر کا پیغام ہے
اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ یاد رکھ

مزارات علماء کی کرامتیں

دعا کی مقبولیت

حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کا مزار شریف جس کو آج کل کاظمین کہا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں مشہور محدث ابو علی خلال کا قول ہے کہ

مَا هَمَّنِیْ اَمْرٌ فَقَصَدْتُ قَبْرَ مُوْسیٰ بْنِ جَعْفَرٍ
فَتَوَسَّلْتُ بِهٖ اِلَّا سَهَّلَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَیَّ مَا اُحِبُّ

جب بھی مجھ کو کوئی مشکل پیش آتی اور میں حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی قبر پر حاضر ہو کر ان سے توسل سے دعا کرتا تو اللہ تعالیٰ میری مراد برلاتا۔

اسی طرح حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کی قبر مبارک کے بارے میں حضرت خطیب بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ **قَبْرٌ مُجَرَّبٌ لِقَضَاءِ الْحَوَائِجِ** یعنی حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کا مزار حاجتیں پوری کرنے کے لئے مجرب ہے۔ چنانچہ ایک سو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر جو دعا بھی ان کی قبر کے پاس مانگی جائے وہ ضرور مقبول ہوتی ہے۔

اسی طرح حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر انوار کے بارے میں حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ:

اِنِّیْ اَتَبَرَّكُ بِاَبِیْ حَنِیْفَةَ وَاَجِیْءُ اِلٰی قَبْرِهٖ فِیْ كُلِّ یَوْمٍ زَائِرًا فَاِذَا عَرَضَتْ لِیْ حَاجَةٌ صَلَّیْتُ رَكْعَتَیْنِ وَجِئْتُ اِلٰی قَبْرِهٖ وَسَاَلْتُ اللّٰهَ تَعَالَی الْحَاجَةَ عِنْدَهٗ فَمَا تَبْعُدُ عَنِّیْ حَتّٰی تُقْضٰی. (تاریخ بغداد للخطیب)

بلاشبہ میں امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور روزانہ ان کی قبر کی زیارت کے لئے جاتا ہوں اور جب مجھے کوئی حاجت در پیش ہوتی ہے تو میں دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے حاجت کی دعا کرتا ہوں۔ تو میری مراد پوری ہونے میں دیر نہیں لگتی۔

نتیجہ :۔ محدث ابو علی خلال، خطیب بغدادی، حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ ان بزرگان امت اور اساطین ملت کے اقوال و معمولات سے آفتابِ عالمتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ بزرگان دین کی قبروں کی زیارت سے حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ ان کے آستانوں پر دعایں مقبول ہوتی ہیں۔ مرادیں ملتی ہیں اور دین و دنیا کی برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اب ناظرین بہ نظر انصاف یہ فیصلہ کریں کہ علماء اہلسنت جو مزارات پر حاضری دیتے ہیں اور فاتحہ خوانی و ایصال ثواب کرتے ہیں اور بزرگوں کے مزارات کو وسیلہ بنا کر خداوند عالم سے دعائیں مانگتے ہیں۔ یہ بلا شبہ علماء سلف کے طریقے کے بالکل مطابق ہے یا نہیں؟ اب دیوبندی مکتب خیال کے مولوی صاحبان جو علماء اہلسنت کو قبر پرست اور بدعتی کہہ کر لعن و طعن کرتے پھرتے ہیں اور اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ "کسی نبی یا ولی کی قبر پر دور دور سے قصد کر کے جانا شرک ہے۔" یہ کہاں تک سلف صالحین کے طریق عمل کے مطابق ہے؟ للہ! انصاف کیجئے کہ ان علماء دیوبند نے محدث ابو علی خلال، خطیب بغدادی، امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ جیسے لاکھوں بزرگان ملت کو قبر پرست اور مشرک کہہ کر ہمالیہ سے بھی بڑا ظلم عظیم کیا یا نہیں۔

افسوس! صد ہزار افسوس آہ!

یہ کیسا زہر میں تم نے ڈبو کر تیر پھینکا ہے　　قیامت تک لہو ٹپکا گیا میری رگ جاں سے

کفن سالم بدن سلامت

حافظ حدیث امام حمید جو ابو بکر خطیب وغیرہ محدثین کے شاگرد ہیں بہت باکمال محدث تھے۔ تقویٰ اور پاک دامنی میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے اپنی وفات کے وقت امیر مظفر بن رئیس والرؤساء کو وصیت فرمائی تھی کہ تم مجھے بشر حافی کے پہلو میں دفن کرنا۔ مگر اس نے وصیت کے خلاف آپ کو باب النہر کے مقبرہ میں دفن کر دیا۔ آپ نے خواب میں امیر مظفر پر عتاب فرما کر اپنی وصیت یاد دلائی اس لئے دو سال کے بعد امیر مظفر نے آپ کی نعش مبارک کو قبر سے نکال کر حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن کیا مگر امام حمیدی کی یہ کرامت ہے کہ دو برس سے زائد گزر جانے کے باوجود آپ کا کفن صحیح و سالم اور بدن سلامت اور تر و تازہ تھا۔ 219ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج4 ص19)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بدن اور کفن

اسی طرح ابوالحسن بن زاغونی سے منقول ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے دو سو تیس برس کے بعد آپ کی قبر کے پہلو میں جب ابو جعفر بن موسیٰ کے لئے قبر کھودی گئی تو اتفاق سے آپ کی قبر کھل گئی تو لوگوں نے دیکھا کہ دو سو تیس سال کی مدت دراز گزر جانے کے باوجود امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا کفن صحیح و سالم اور آپ کا بدن سلامت اور بالکل تازہ ہے۔

(طبقات شعرانی وغیرہ)

امام جزولی رحمۃ اللہ علیہ قبر سے نکالنے کے بعد

دلائل الخیرات شریف کے مصنف حضرت محمد بن سلیمان جزولی رحمۃ اللہ علیہ جو سلسلہ شاذلیہ کے شیخ تھے اور چھ لاکھ بارہ ہزار پینسٹھ مریدین آپ سے فیض یاب ہوئے۔ کسی بد نصیب شقی القلب نے آپ کو زہر کھلا دیا اور نماز فجر کی پہلی رکعت کے دوسرے سجدے میں یا دوسری رکعت کے پہلے سجدے میں آپ نے وفات پائی اور اسی دن آپ شہر سوس کی مسجد میں دفن کر دیئے گئے۔ پھر 77 برس کے بعد لوگ انہیں قبر سے نکال کر مراکش لائے تو آپ کا کفن سالم اور بدن زندوں کی طرح تر و تازہ اور نرم تھا اور لوگوں نے آپ کے رخسار پر انگلی رکھ کر دبایا تو زندہ آدمیوں کی طرح بدن میں خون کی روانی کی سرخی ظاہر ہو گئی اور آپ کے سر اور چہرے پر اس خط بنوانے کا نشان بھی باقی اور ظاہر تھا جو وفات سے قبل آپ نے خط بنوایا تھا۔

16/ربیع الاول 870ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔ مزار مبارک مراکش میں ہے۔ آج تک بھی آپ کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔ لوگ بکثرت آپ کی قبر کے پاس دلائل الخیرات پڑھتے رہتے ہیں۔ (مطالع المسرات ص3)

نتیجہ:۔ مذکورہ بالا تینوں حکایات سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بعض علماء حق کو خداوند عالم نے یہ کرامت بھی عطا فرمائی ہے کہ قبر میں ان کا بدن ہی نہیں بلکہ ان کا کفن بھی گلنے سڑنے سے محفوظ رہتا ہے۔ قبر میں مدت دراز گزر جانے کے باوجود اس طرح جسم کا تر و تازہ اور نرم رہنا کہ رخسار پر انگلی رکھنے سے بدن میں خون کی روانی کی سرخی نمودار ہو جائے۔ کیا یہ ساری باتیں جسمانی حیات کے خواص و لوازم نہیں ہیں؟ بلاشبہ اس سوال کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے کہ یقیناً

یہ سب چیزیں جسمانی زندگی کے خواص ولوازم میں سے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اہلسنت وجماعت کا یہ عقیدہ کہ بعض علماء واولیاء اور تمام شہداء کرام کو اللہ تعالیٰ ان کی قبروں میں جسمانی حیات کی کرامت سے سرفراز فرماتا ہے۔ آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت ہے اور جب اولیاء و علماء و شہدائے کرام کی جسمانی حیات کا یہ عالم ہے کہ ان کے بدن، ان کے بدن تو بدن، ان کے کفن کو بھی مٹی نہیں کھا سکتی تو پھر انبیاء کرام علیہم السلام جو اپنے مراتب ودرجات کے اعتبار سے شہداء کرام پر بے شمار درجہ فضیلت رکھتے ہیں۔ بھلا ان کے روح سے بھی زیادہ لطیف ومقدس جسموں کو قبروں میں حیات جسمانی کیونکہ نہ حاصل ہو گی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاء ۝ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمایا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھا سکے۔ چنانچہ یہی وہ سچا عقیدہ ہے جس کو اعلیٰ حضرت علامہ بریلوی قدس سرہٗ العزیز نے کیا خوب فرمایا ہے۔

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے
مگر اتنی کہ فقط آنی ہے
بعد اک لحظہ کے پھر ان کی حیات
مثل سابق وہی جسمانی ہے

پھر جب تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے ان کے لئے ان کے مزارات طیبہ میں جسمانی حیات کا ثبوت ہے تو پھر حضور سید الانبیاء محبوب کبریا ﷺ کی مقدس حیات میں کوئی شک وشبہ کرنا گویا آفتاب عالم آشکار کا انکار کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمتہ نے حلف اٹھا کر حیات النبی کے عقیدہ کا اعلان کیا اور فرمایا۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مری چشم عالم سے چھپ جانے والے

قبر میں نماز

حضرت جبیر محدث رحمتہ اللہ علیہ نے قسم کھا کر بیان فرمایا کہ میں اور حمید طویل محدث نے جب شیخ الحدیث ثابت اسلم بنانی کو قبر میں اتارا اور ان کی لحد پر لوگ کچی اینٹیں جمانے لگے تو ناگہاں ایک اینٹ ٹوٹ کر گر پڑی اور قبر کھل گئی تو ہم دونوں نے یہ دیکھا کہ ثابت بن اسلم بنانی قبر کے اندر نماز پڑھ رہے ہیں۔ ان کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ پچاس برس تک نماز تہجد قضا نہیں ہوئی تھی اور ہر صبح کو رو رو کر صرف یہی ایک دعا مانگا کرتے تھے کہ الٰہی! اگر تو اپنے کسی بندے کو قبر میں

نماز پڑھنے کی اجازت عطا فرمائے تو مجھ کو ضرور قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت عطا فرماتا۔ چنانچہ آپ کی یہ دعا مقبول ہو گئی۔ (شرح الصدور ص78)

قبر میں تلاوت

امام یافعی رحمتہ اللہ علیہ نے روض الریاحین میں ایک عالم بزرگ کا حال لکھا ہے کہ میں ان کو قبر میں لٹا کر ان کی لحد پر کچی اینٹیں جما رہا تھا کہ اس قبر کے برابر میں ایک دوسری قبر کی اینٹیں ٹوٹ کر گر پڑیں اور قبر کھل گئی تو میں نے دیکھا کہ ایک سفید ریش بزرگ قبر میں بیٹھے تلاوت کر رہے ہیں اور ان کے ہاتھ میں ایک قرآن مجید ہے جو سنہرے کاغذ پر سونے کے حرفوں سے لکھا ہوا تھا۔ انہوں نے میری طرف سے اٹھا کر فرمایا کہ تم پر خدا رحم کرے کیا قیامت قائم ہو گئی؟ میں نے عرض کیا کہ جی نہیں! تو انہوں نے فرمایا کہ میری قبر کی گری ہوئی اینٹوں کو دوبارہ چن کر جما دو۔ چنانچہ میں نے جلدی جلدی ان کی قبر کی گری ہوئی اینٹیں جما کر قبر کو بند کر دیا۔

قبر میں امداد کا وعدہ

شیخ ابو علی رودباری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درویش کو قبر میں اتارا اور اس کے سر سے کفن ہٹا کر اس کا سر اس خیال سے زمین پر رکھ دیا کہ ارحم الراحمین اس کی غربت پر رحم فرما کر اس کو بخش دے۔ لیکن جیسے ہی میں نے اس کا سر زمین پر رکھا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور کہا کہ اے ابو علی! تم مجھے ان دنیادار لوگوں کے سامنے ذلیل مت کرو۔ جو لوگ دنیا میں مجھے ذلیل سمجھا کرتے تھے۔

ابو علی رودباری فرماتے ہیں کہ میں نے حیران ہو کر عرض کیا اے میرے آقا کیا آپ مرنے کے بعد بھی زندہ ہیں؟ تو اس درویش نے فرمایا کے بے شک میں زندہ ہوں اور صرف میں ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہر دوست زندہ ہے اور میں اپنی خداداد وجاہت کے سبب سے آئندہ ضرور ضرور تمہاری مدد کروں گا۔ (شرح الصدور ص860)

نتیجہ:۔ یہ واقعات جھنجوڑ جھنجوڑ کر تنبیہ کرتے ہیں کہ خبردار! اس حقیقت سے غافل مت رہنا کہ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا یَمُوْتُوْنَ وَلٰكِنْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ یعنی اللہ تعالیٰ کے اولیاء مرتے نہیں ہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ قبر میں نماز، قبر میں

تلاوت، قبر میں امداد کا وعدہ یہ اولیاء امت و علماء امت کی وہ روشن کرامتیں ہیں جو زبان حال سے یہ اعلان کرتی ہیں کہ ؎

کمالات ولی مٹی میں بھی یوں جگمگاتے ہیں
کہ جیسے نور ظلمت میں کبھی پنہاں نہیں ہوتا

قبر سے آواز

باکرامت محدث حضرت صالح مُرّی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن سخت گرمی کے موسم میں قبرستان کے اندر داخل ہوا تو میں نے ٹوٹی پھوٹی قبروں کو دیکھ کر کہا کہ سبحان اللہ اے قبر والو! کون تمہاری روحوں اور جسموں کو دوبارہ جمع کرے گا؟ جبکہ تمہارے جسم گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو کر بکھر چکے ہیں۔ صالح مُرّی فرماتے ہیں کہ میری زبان سے ان جملوں کا نکلنا تھا کہ ایک شکستہ قبر سے آواز آئی کہ اے صالح! کیا تمہیں قرآن مجید کی یہ آیت یاد نہیں؟ وَمِنْ اٰیٰتِہٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝ یعنی خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ آسمان و زمین اس کے حکم سے قائم ہیں اور جب تم لوگوں کو پکارے گا تو اچانک تم لوگ زمین سے نکل پڑو گے۔

صالح مری کا بیان ہے کہ ٹوٹی ہوئی قبر میں سے یہ آواز سن کر مجھ پر ایسا خوف طاری ہوا کہ میں وحشت سے کانپتے ہوئے منہ کے بل گر پڑا۔ (شرح الصدور ص 90)

قبر سے غائب

محدث ابو نعیم نے مسلم جندی سے روایت کی ہے کہ حافظ حدیث امام طاؤس رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ بیٹا! تم مجھے قبر میں دفن کرنے کے بعد میری قبر میں سوراخ کر کے دیکھنا۔ اگر تم مجھے قبر میں نہ پاؤ تو حمد الٰہی کرنا اور خدا کا شکر بجالانا اور اگر میرے بدن کو قبر میں موجود پاؤ تو پھر افسوس کے ساتھ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھ دینا۔ چنانچہ امام طاؤس رحمتہ اللہ علیہ کو دفن کرنے کے بعد ان کے صاحبزادے نے وصیت پر عمل کیا تو نہایت خوش ہو کر لوگوں سے بیان کیا کہ قبر میں ان کے والد کا بدن موجود نہیں ہے۔

(شرح الصدور ص 82)

نتیجہ :۔ قبر کے اندر سے زندوں کے سوال کا بلند آواز سے جواب دینا اور قبر سے کسی دوسری جگہ منتقل ہو کر چلا جانا کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ خداوند عالم نے اہل اللہ کو ان کی قبروں میں حیات جسمانی کی کرامت سے سرفراز فرمایا ہے اور تصرفات کی طاقت بھی عطا فرمائی ہے؟

کاش علماء دیو بند اس حقیقت سے آشنا ہو جاتے کہ ؎

تصرفاتِ ولایت وہ چاند تارے ہیں
کہ آفتاب پہ غالب ہے روشنی ان کو

قبر سے مشک کی خوشبو

امام قتادہ رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کے استاد حدیث عبد اللہ بن غالب حدانی 830ھ میں شہید کر دیئے گئے۔ دفن کے بعد ان کی قبر شریف کی مٹی سے مشک کی خوشبو آتی تھی ان کے ایک بھائی کو خواب میں ان کا دیدار ہوا تو پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے؟ فرمایا کہ جنتی قرار دیا گیا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ کون سے عمل کے باعث؟ تو فرمایا کہ ایمان کامل، تہجد اور گرمیوں کے روزے کے سبب سے۔ پھر پوچھا کہ آپ کی قبر سے مشک کی خوشبو کیوں آ رہی ہے؟ تو جواب دیا کہ یہی میری تلاوت اور روزوں میں پیاس کی خوشبو ہے۔ (شرح الصدور ص65)

اسی طرح حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی قبر کی مٹی سے بھی مشک کی خوشبو آتی تھی۔ بار بار قبر پر مٹی ڈالی جاتی تھی مگر لوگ خوشبو کی وجہ سے مٹی اٹھا لے جاتے تھے۔ (رجال الحدیث)

قبر میں پھول

محدث ابن ابی الدنیا نے کتاب الرقتہ والبکاء میں تحریر فرمایا کہ دراو عجلی محدث کی وفات کے بعد جب لوگوں نے ان کی قبر میں اتارا تو دیکھا کہ پوری قبر میں بالکل تر و تازہ پھول بچھے ہوئے ہیں۔ کچھ لوگوں نے چند پھولوں کو اٹھا لیا تو ستر دنوں تک وہ پھول بدستور تر و تازہ رہے اور بالکل نہیں مرجھائے۔

چنانچہ جب اس کا چرچا ہو گیا تو اطراف و جوانب سے انسان کا ہجوم شہر میں ان پھولوں کی زیارت کے لئے آنے لگا۔ امیر شہر نے اس انسانی ہجوم سے خوف کھا کر ان پھولوں کو حکومت کے قبضے میں لے لیا مگر گورنمنٹ ہاؤس پہنچتے ہی وہ پھول ایک دم غائب ہو گئے اور کسی کو یہ نہیں

معلوم ہو سکا کہ وہ کب؟ کیسے اور کہاں غائب ہو گئے۔ (شرح الصدور ص 82)

ہنسنے والے مردے

ربیع بن خراش اور ربعی بن خراش۔ یہ دونوں بھائی بہت ہی نامور تابعی محدث ہیں ان دونوں بھائیوں نے یہ قسم کھائی تھی کہ خدا کی قسم ہم اس وقت تک نہیں ہنسیں گے جب تک ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ ہم جنتی ہیں۔ چنانچہ یہ دونوں بھائی زندگی بھر کبھی نہیں ہنسے۔ مگر جب ان دونوں کا انتقال ہو گیا تو ان کے غسل دینے والوں کا بیان ہے کہ جب تک ہم لوگ ان دونوں کو غسل دیتے رہے برابر دونوں مسکرا مسکرا کر ہنستے رہے۔ (تہذیب التہذیب و شرح الصدور ص 30)

اسی طرح محدث ابن عساکر راوی ہیں کہ ابو عبد اللہ جلاء کے والد کا جب انتقال ہو گیا اور انہیں غسل دینے کے لئے تخت پر لٹایا گیا تو وہ ہنسنے لگے۔ چنانچہ جب لوگوں کو یہ شبہ ہو گیا کہ شاید یہ زندہ ہیں تو ایک طبیب حاذق کو بلایا گیا اور اس نے اچھی طرح معائنہ کر کے یہ کہہ دیا کہ ان کی وفات ہو چکی ہے۔ لیکن جب کوئی انسان ان کو غسل دینے کے لئے جاتا تو یہ ہنسنے لگتے اور وہ انسان ڈر کر بھاگ جاتا۔ چنانچہ جب سب غسالوں نے غسل دینے سے انکار کر دیا تو مشہور با کرامت ولی حضرت فضل بن حسین رحمتہ اللہ علیہ نے غسل دیا اور نماز جنازہ پڑھا کر دفن کر دیا۔

(شرح الصدور)

موت کے بعد

حضرت ربعی بن خراش رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جب میرے بھائی ربیع بن خراش محدث کا انتقال ہوا تو ہم سب گھر والے ان کی میت کے پاس حاضر تھے۔ اتنے میں ایک دم انہوں نے اپنے سر سے کپڑا ہٹا دیا اور ہم لوگوں کو سلام کیا ہم لوگوں نے ان کے سلام کا جواب دیا اور یہ پوچھا کہ آپ مر جانے کے بعد بھی بول رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ جی ہاں! میں مر چکا اور موت کے بعد اپنے رب کے حضور میں حاضر بھی ہو چکا اور اس نے مجھے جنت کی راحت بخشی، بہشتی خوشبو اور استبرق کا لباس عطا فرمایا ہے اور اب تم لوگ میرا جنازہ اٹھانے میں دیر مت کرو کیونکہ حضور اقدس ﷺ میرے جنازہ پر نماز پڑھنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اتنا کہا اور پھر بالکل بے جان ہو گئے۔

لوگوں نے جب اس واقعہ کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا تو انہوں نے اس کی تصدیق فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ میری امت میں ایک ایسا شخص بھی ہوگا جو مرنے کے بعد گفتگو کرے گا۔

محدث ابو نعیم نے اس روایت کو حدیث مشہور بتایا اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو دلائل النبوۃ میں نقل کر کے فرمایا کہ اس کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔

(شرح الصدور ص130)

موت کے بعد ہاتھ اٹھایا

قاضی بہاؤالدین بن شرف الدین عاثری ناقل ہیں کہ شیخ امین الدین جبرئیل محدث کا سفر میں انتقال ہو گیا۔ ہم لوگ ان کی نعش مبارک کو چارپائی پر اٹھا کر قاہرہ شہر میں لانے لگے۔ شہر میں باہر سے کسی میت کو لانے کی بادشاہ کی طرف سے سخت ممانعت تھی۔ جب شہر میں پھاٹک پر ہم لوگ پہنچے تو شیخ نے چارپائی پر لیٹے ہوئے اپنا ہاتھ اٹھا کر ایک انگلی کو بلند فرمادیا۔ یہ دیکھ کر پہرہ داروں نے یہ سمجھا کہ مریض ہیں وہ مردہ نہیں۔ لہٰذا انہوں نے ہم لوگوں کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ (شرح الصدور ص86)

موت کے بعد سر اٹھا کر جواب دیا

جب شہر منصورہ پر یورپ کے فرنگیوں نے حملہ کیا تو فقیہہ عبدالرحمٰن نوری قرآن کریم کی آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا پڑھ پڑھ کر مجاہدین میں جوش جہاد کا جذبہ پیدا کر رہے تھے نیرنگی تقدیر سے مسلمانوں کو اس محاذ پر شکست ہو گئی اور فقیہہ عبدالرحمٰن نوری شہید ہو گئے۔ ایک فرنگی آپ کی لاش پر نیزہ مار کر بولا۔ کیوں؟ اے مسلمانوں کے خطیب! تم تو کہا کرتے تھے کہ شہید زندہ ہیں۔ تمہارا یہ اعلان کہاں گیا؟ فرنگی کے منہ سے یہ جملہ نکلا ہی تھا کہ ایک دم فقیہہ عبدالرحمٰن نوری نے اپنا سر اٹھا کر دو مرتبہ بلند آواز سے فرمایا کہ ہاں، ہاں کعبہ کے رب کی قسم ہم لوگ زندہ ہیں۔ فرنگی یہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس نے آپ کے سر مبارک کو بوسہ دیا اور آپ کی مقدس لاش کو اٹھا کر شہر میں لے گیا اور وہاں آپ کا مزار بنایا۔

(شرح الصدور ص86)

موت کے بعد انگلی ہلتی رہی

مشہور محدث خالد بن معدان تلاوت قرآن مجید کے علاوہ روزانہ تسبیح کے دانوں پر گن کر چالیس ہزار مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہ پڑھا کرتے تھے۔ وفات کے بعد جب ان کو غسل کے تختے پر لٹایا گیا تو برابر ان کی وہ انگلی ہلتی رہی جس سے وہ تسبیح کے دانوں کو پھراتے تھے۔

(شرح الصدور ص91)

سولی پر تلاوت کرنے والا سر

حافظ ذہبی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں فرمایا کہ احمد بن نصر خزاعی ان محدثین میں سے ہیں۔ جن کو امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کی طرح خلق قرآن کے مسئلہ میں کوڑوں کی مار اور جیل کی مصیبت اٹھانی پڑی۔ یہاں تک کہ خلیفہ بغداد واثق باللہ نے آپ کو شہید کرایا اور آپ کا سر کاٹ کر سولی پر لٹکا دیا اور نگرانی کے لئے ایک پہرہ دار بٹھا دیا۔ اس پہرہ دار کا بیان ہے کہ رات میں خود بخود آپ کا سر قبلہ رخ ہو جاتا تھا اور نہایت خوش الحانی کے ساتھ سورۂ یٰسین کی تلاوت کرتا تھا۔ جب اس واقعہ کا بغداد میں چرچا ہو گیا تو احمد بن نصر کے بھانجے ابراہیم بن اسماعیل کا بیان ہے کہ میں نے جب سنا کہ میرے ماموں کا سر سولی پر رات کو تلاوت کرتا ہے تو میں خود اس سولی کے پاس رات بھر رہا۔ چنانچہ خود میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ سر مبارک نے الٓمٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝ کی آیت تلاوت کی جس کو سن کر میرے جسم کا ایک ایک رونگٹا کھڑا ہو گیا۔ (شرح الصدور ص88)

شہنشاہ دو عالم کے پہلو میں

امام ابو اسحٰق فزاری رحمتہ اللہ علیہ کا شمار ان حدیث کے اماموں میں ہے جو درس حدیث فتاوٰی اور عبادت و ریاضت کے ساتھ ساتھ مصیصہ کی سرحد پر کفار سے جہاد بھی فرمایا کرتے تھے۔ بادشاہوں اور بدمذہبوں کی صحبت سے انتہائی نفرت فرماتے تھے۔ چنانچہ جب دمشق میں تشریف لائے تو ہزاروں انسان ان کے حلقہ درس میں حاضر ہو گئے۔ مگر آپ نے حدیث بیان کرنے سے پہلے ایک شاگرد ابو مسہر کو یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ جتنے قدریہ مذہب والے اور بادشاہوں کے دربار میں جانے والے ہیں۔ سب میری درس گاہ سے نکل جائیں۔ چنانچہ جب

یہ سب لوگ درس گاہ سے نکل گئے تو آپ نے حدیث کا درس شروع فرمایا۔ خلیفہ بغداد ہارون رشید کے دل میں بھی ان کی بے حد عظمت تھی۔ چنانچہ ہارون رشید نے جب ایک زندیق کو گرفتار کر کے قتل کرنا چاہا تو اس بددین نے کہا کہ آپ مجھے قتل تو کر رہے ہیں مگر ایک ہزار جھوٹی حدیثیں جو میں نے گڑھ کر مسلمانوں میں پھیلا دی ہیں۔ آپ ان کا کیا کریں گے؟ اس وقت ہارون رشید نے کہا کہ بدنصیب! مجھے اس کی کیا فکر ہو گی ابن اسحٰق فزاری اور ابن مبارک تو موجود ہی ہیں۔ یہ دونوں محدثین چھلنی میں چھان کر تیری موضوع حدیثوں کا ایک ایک لفظ نکال پھینکیں گے۔ مشہور بزرگ حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا کہ دربار رسالت میں حاضر ہوا ہوں اور شہنشاہ دو عالم کے پہلو میں ایک آدمی کی جگہ خالی ہے تو میں نے وہاں بیٹھنے کا ارادہ کیا۔ مگر ارشاد ہوا کہ خبردار! یہ ابو اسحٰق فزاری کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ آپ کا وصال 186ھ میں ہوا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج1 ص252)

نتیجہ:۔ ایسا مقبول محدث جس کو حضور اقدس ﷺ نے اپنے پہلو میں بیٹھنے کی جگہ عطا فرمائی ان کا طرز عمل یہ تھا کہ دنیاداروں اور بدمذہبوں کو اپنی درسگاہ سے نکال کر حدیث کا درس شروع فرماتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء سلف کا یہی مقدس طریقہ رہا ہے کہ اللہ و رسول کے دوستوں سے دوستی اور اللہ و رسول کے دشمنوں یعنی گمراہوں اور بدمذہبوں سے دشمنی رکھی جائے۔ جو لوگ کہا کرتے ہیں کہ کسی کلمہ گو سے نفرت نہیں کرنی چاہئے چاہے وہ کسی عقیدہ کا ہو انہیں امام ابو اسحٰق فزاری کے اس مبارک طرز عمل سے عبرت و نصیحت حاصل کرنی چاہئے۔

خداوند کریم سب مسلمانوں کو ان سلف صالحین کے طریقوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے کہ درحقیقت ان بزرگوں کا طریقہ ہی سبیل المومنین اور صراط مستقیم ہے۔

کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا ہے ۔

ہزار دشمنوں کا زوال ممکن ہے — مگر عداوت دینی، وہ نہیں جاتی
ہزار دوستیوں کا زوال ممکن ہے — مگر محبت دینی کہ وہ نہیں جاتی

بدن پر کلمہ

ابو نصر فتح بن شحرف نہایت ہی زاہد اور پارسا محدث تھے۔ تیس برس تک روٹی نہیں کھائی۔ چند پھل پھول کھاتے رہے اور تیس برس تک کبھی سر اٹھا کر آسمان کی طرف نہیں دیکھا۔ ایک

دن بے اختیار آسمان کی طرف سر اٹھ گیا تو ایک دم منہ سے یہ دعا نکل پڑی کہ الٰہی! اب تیرا اشتیاق میرے لئے ناقابل برداشت ہو چکا لہٰذا تو جلد مجھے اپنے دربار میں بلا لے۔ اس کے بعد ہی آپ کا وصال ہو گیا۔ محمد بن جعفر کا بیان ہے کہ جب ہم لوگوں نے انہیں غسل دینے کے لئے ان کے کپڑوں کو اتارا تو ان کے بدن پر لآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ لکھا ہوا تھا۔ ہم لوگوں نے سمجھا کہ کسی نے قلم سے لکھ دیا ہو گا مگر جب غور سے دیکھا تو وہ حروف سیاہ رنگ کی رگیں تھیں۔ جو ان کے گوشت کے اندر پیوست تھیں۔ بغداد کے اندر ان کی وفات ہوئی تو اہل بغداد کا فرط عقیدت سے ان کے جنازہ پر اتنا ہجوم ہوا کہ 33 مرتبہ لوگوں نے ان کے جنازہ پر نماز پر بھی پڑھی اور سب سے چھوٹی جماعت جس نے ان کے جنازہ پر نماز پڑھی اس کی تعداد 25 سے 30 ہزار تھی۔

(مستطرف جلد 1 ص 138)

چغل خور اندھا ہو گیا

عبداللہ بن وہب محدث ایک لاکھ احادیث کے حافظ تھے اور فقہ و عبادت میں بھی بہت ہی باکمال تھے۔ خوف الٰہی کا عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ قیامت کا ذکر سن کر بے ہوش ہو گئے اور پھر کچھ نہیں بولے اور چند دنوں میں وفات پا گئے۔ مصر کے امیر عباد بن محمد نے انہیں قاضی بنانا چاہا تو غائب ہو کر روپوش ہو گئے۔ ایک چغل خور صباحی نے امیر مصر کے پاس چغلی کھائی کہ عبداللہ بن وہب نے قاضی بننے کی طمع مجھ سے ظاہر کی گئی مگر جب آپ نے ان کو قاضی بننے کا حکم دیا تو انہوں نے صرف آپ کے فرمان کی خلاف ورزی کرنے کے لئے روپوشی اختیار کر لی۔ امیر نے غصہ میں آ کر آپ کے مکان کو مسمار کر دیا۔ آخر آپ کو بھی جلال آگیا تو آپ نے صباحی کے لئے اندھا ہو جانے کی دعا فرما دی۔ چنانچہ آٹھویں دن صباحی اندھا ہو گیا۔ 197ھ میں آپ نے رحلت فرمائی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج1 ص 281)

سمندر میں یاقوت کا پیالہ

شیخ ابو عنوان واسطی علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سمندری سفر میں میری کشتی طوفان کی موجوں سے ٹوٹ پھوٹ گئی اور میں اور میری بیوی ایک تختہ پر چند دنوں تک سمندر میں چکر لگاتے رہے۔ اسی حالت میں میری بیوی کے ایک بچی بھی پیدا ہوئی ایک دن بیوی نے

بے چین ہو کر کہا کہ اب مجھے پیاس مار ڈالے گی۔ میں نے بیوی کی یہ بات سن کر آسمان کی طرف سر اٹھایا تو میں نے یہ دیکھا کہ ایک شخص ہوا میں معلق بیٹھا ہے اور اس کے ہاتھ میں سونے کی زنجیر اور یاقوت کا پیالہ ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ لو تم دونوں پانی پی لو۔ چنانچہ ہم دونوں میاں بیوی نے خوب پانی پیا جو مشک سے زیادہ خوشبودار اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ پھر میں نے اس شخص سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تو اس نے کہا کہ میں خدا کا ایک نیک بندہ ہوں۔ پھر میں نے کہا کہ آپ اس مرتبہ پر کس طرح فائز ہوئے؟ انہوں نے جواب دیا۔ میں نے خدا کی رضا کے لئے اپنی تمام خواہشات کو چھوڑ دیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ہم دونوں میاں بیوی کو ہوا پر بٹھا کر خشکی میں اتار دیا اور خود ہی نظروں سے غائب ہو گئے۔ (روح البیان ج2 ص30)

آسمان کی مسجد کا امام

حفص بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے امام المحدثین ابوزرعہ رحمتہ اللہ علیہ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا کہ وہ پہلے آسمان میں فرشتوں کو نماز پڑھا رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ اے ابوزرعہ! کون سی عبادت کے صلہ میں آپ کو یہ اعزاز و اکرام ملا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے ہاتھ سے دس لاکھ احادیث لکھیں ہیں اور ہر حدیث میں اعن النبی کے بعد صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہے اور تم جانتے ہو کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو مسلمان ایک مرتبہ مجھ پر درود شریف بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ یہ درود شریف کی برکت ہے کہ خداوند عالم نے مجھے فرشتوں کا نماز میں امام بنا دیا ہے۔

(شرح الصدور ص23)

نتیجہ:۔ اس واقعہ سے جہاں امام ابوزرعہ کی کرامت کا حال معلوم ہوتا ہے۔ ساتھ ہی یہ مسئلہ بھی سامنے آیا کہ جس طرح زبان سے درود شریف پڑھنے کا بے شمار اجر و ثواب ہے اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام مبارک کے ساتھ درود شریف لکھنے کا بھی اتنا ہی اجر و ثواب ہے۔ جو لوگ حضور اقدس ﷺ کے نام نامی کے ساتھ پورا درود شریف نہیں لکھتے بلکہ صرف یا صلعم لکھتے ہیں اور وہ نہ صرف اس اجر سے محروم رہتے ہیں بلکہ گناہگار بھی ہوتے ہیں۔ خداوند کریم اس عادت بد سے بچائے۔ آمین۔

نماز جنازہ میں تین لاکھ آدمی

قدوۃ المحدثین ابو بکر عبداللہ بن ابی داؤد اپنے دور طالب علمی میں اتنے مفلس تھے کہ جب یہ کوفہ پہنچے تو ان کے پاس صرف ایک درہم تھا۔ انہوں نے ایک درہم کا تیس باقلہ خریدا اور تھوڑا تھوڑا کھاتے رہے اور حدیثیں لکھتے رہے۔ یہاں تک کہ تیس ہزار احادیث لکھتے لکھتے باقلا ختم ہو گیا اور مجبوراً انہیں شیخ کی درس گاہ چھوڑ کر آنا پڑا مگر یہ اس پائے کے محدث ہوئے کہ امام اہل عراق کا لقب پایا اور بادشاہ وقت نے ان کے لئے ایک منبر تیار کرایا تھا جس پر بیٹھ کر یہ احادیث بیان فرماتے تھے اور ان کی درس گاہ میں خلق خدا کا کثیر ہجوم جمع ہوتا تھا۔ بہت ہی زاہد و عابد بھی تھے۔ ان کی یہ کرامت ہے کہ ان کے جنازہ پر تین لاکھ آدمیوں نے نماز پڑھی اور اسی مرتبہ ان کی نماز جنازہ ہوئی۔ ذی الحجہ 316ھ میں دنیا سے رخصت فرمائی بوقت وفات 87 برس کی عمر شریف تھی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج 2 ص 302)

نتیجہ:۔ اس حکایت سے جہاں امام ممدوح کی کرامت سمجھ میں آرہی ہے وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو اپنے علماء سے کتنی بے پناہ والہانہ عقیدت تھی۔ کاش اس دور کے مسلمان بھی اپنے علماء کی قدر کرتے!

مکڑی کا کارنامہ

ہشام بن عبدالملک اموی بادشاہ کا عراقی گورنر یوسف بن عمر ثقفی بڑا ظالم تھا۔ اس نے 126ھ میں حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بغاوت کا الزام لگا کر بالکل ننگے بدن سولی پر لٹکا دیا مگر فوراً ہی ایک مکڑی نے آپ کی شرمگاہ پر اتنا کثیر جالا تن دیا کہ کسی نے بھی آپ کی شرمگاہ کو نہیں دیکھا۔ آپ اسی طرح چار پانچ روز تک سولی پر لٹکے رہے۔ ظالم گورنر نے آپ کو سولی پر چڑھاتے وقت آپ کا چہرہ روبقبلہ ہو گیا تو ظالم گورنر نے جل بھن کر آپ کی لاش مبارک اور سولی کی لکڑی کو جلا دیا۔ (روح البیان ج 3 ص 233)

نتیجہ:۔ مکڑی ایک حقیر جانور ہے مگر اس کے شاندار کارناموں میں سے یہ ہے کہ اس نے حضرت داؤد علیہ السلام پر اس وقت جالا تن کر چھپا لیا تھا جبکہ جالوت بادشاہ آپ کو قتل کرنے کے لئے تلاش کر رہا تھا۔ اسی طرح جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت کے وقت غار ثور میں

تشریف لے گئے تو غار ثور کے منہ پر مکڑی نے جالا تن کر آپ کو کفار مکہ کی نظروں سے بچالیا۔

رزاق کی سنوں یا بندۂ رزاق کی

مشہور عالم ربانی شیخ ابو بکر کتانی کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت خضر نے بیان فرمایا کہ میں صنعاء کی مسجد میں تھا اور وہاں محدث عبدالرزاق احادیث بیان فرمارہے تھے اور ہزار ہا سامعین ان کی احادیث سن رہے تھے مگر ایک نوجوان مسجد کے ایک کونے میں بیٹھا مراقبہ کئے ہوئے تھا۔

میں نے ان سے کہا کہ سب لوگ تو عبدالرزاق محدث کا درس سن رہے ہیں اور تم یہاں منہ چھپائے الگ کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟ تم بھی جا کر درس حدیث سنو۔ نوجوان نے بگڑ کر کہا کہ میں رزاق کا کلام سن رہا ہوں اور تم مجھے بندۂ رزاق کے درس میں بھیج رہے ہو۔ حضرت خضر نے فرمایا کہ میں نے بطور امتحان اسے کہا کہ تم سچے ہو تو بتادو کہ میں کون ہوں؟

اس نے برجستہ جواب دیا۔ آپ حضرت خضر ہیں۔ (روح البیان ج4 ص262)

نتیجہ :۔ سبحان اللہ! اللہ والوں کی باطنی نگاہ بصیرت کی روشنی کا کیا کہنا؟ اسی لئے کسی اہل دل نے کیا خوب کہا ہے ۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب — آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
اَدنی میں بھی کہہ رہا ہوں مگر — یہ حدیث و طور نہیں

تفریحات

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

تفریحات

ایسا مزاحِ لطیف جس میں نہ کذب ہو، نہ فحش کلامی، نہ کسی کی ایذاء رسانی شریعت میں جائز و محمود ہے بلکہ سنت بھی ہے۔ ایسا مزاح جس کا مقصد محض تفریح قلب اور خوش طبعی ہو اکابر امت سے بکثرت منقول ہے بلکہ حضراتِ صحابہ کرام اور حضور نبی اکرم ﷺ سے بھی مروی ہے۔ چنانچہ احادیث میں آیا ہے کہ ایک صحابی بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے سواری کے لئے ایک اونٹ عنایت فرمایئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں تم کو ایک اونٹنی کے بچے پر سوار کراؤں گا۔ صحابی نے حیران ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں اونٹنی کے بچے پر کس طرح سوار ہوں گا؟ تو حضور اکرم ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آخر اونٹ بھی تو اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک بوڑھی عورت نے دربار رسالت میں حاضر ہو کر جنت کے بارے میں سوال کیا تو حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کوئی بڑھیا جنت میں داخل نہیں ہو گی۔ یہ سن کر وہ بڑھیا فکر مند ہو گئی تو حضور انور ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کی بندی! دنیا کی کوئی بوڑھی عورت ہو یا جوان۔ جب وہ جنت میں داخل ہو گی تو اللہ تعالیٰ اس کو جوان بنا دے گا۔ کوئی عورت بوڑھی حالت میں جنت میں نہیں جائے گی۔ یہ سن کر بڑھیا کی فکر دور ہو گئی اور وہ خوش ہو گئی۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محض تفریح اور خوش طبعی کے طور پر ایک مرتبہ **یا ذالاذنین** اے دو کانوں والے کہہ کر

پکارا۔ غرض اس قسم کے بہت سے لطیف مزاح حضور اقدس ﷺ سے منقول و مروی ہے۔

اس کتاب میں محض اس نظریہ سے کہ مزاح لطیف کے ساتھ تفریح اور خوش طبعی کر لینا۔ یہ علماء کی شان کے خلاف نہیں ہے، بلکہ اگر ادائے سنت کی نیت سے ہو تو باعث اجر بھی ہے ہم یہاں علمائے سلف کی چند تفریحات کا ذکر کرتے ہیں تاکہ اس تاریخی حقیقت کی نقاب کشائی بھی ہو جائے کہ دور اول کے علماء حق کتنے خوش طبع تھے؟ اور دور حاضر کے اُن ابجد ہوز قسم کے گھمجھرو مولویوں کے لئے تازیانہ عبرت بھی ہو جائے جو عام مسلمانوں پر اپنے تقدس کی دھونس جمانے کے لئے ہر وقت منہ سکوڑے پیشانی پر بل ڈالے بیٹھے رہتے ہیں اور اپنی اس عبوساً قمطریرا کی ہیئت پر اپنے آپ کو تقویٰ و تقدس کا قطب مینار سمجھتے ہیں اور خوش طبع علماء کو بہ نظر حقارت دیکھتے ہیں۔

ریت کا دھاگہ

امام عامر شعبی رحمتہ اللہ علیہ بڑے جلیل القدر تابعی امام الحدیث ہیں۔ پانچ سو صحابہ سے ملاقات کی۔ ہزاروں باکمال محدثین یہاں تک کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ بھی آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں مگر اس جلالت شان کے باوجود بہت ہی زندہ دل، نہایت ہی خوش مزاج اور بے حد باغ و بہار کے مالک تھے۔ ایک مرتبہ محدثین کی ایک جماعت آپ کی درس گاہ میں حاضر ہوئی جس میں ایک ضعیف العمر بوڑھے آدمی بھی تھے آپ نے ان بڑے میاں سے پوچھا کہ کیوں بڑے میاں! آپ کا پیشہ کیا ہے۔ بڑے میاں نے عرض کیا میں رفوگر ہوں، پھٹے کپڑوں کو رفو کیا کرتا ہوں۔ امام شعبی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے یہاں کوئی پھٹا کپڑا تو نہیں ہے مگر ایک ٹوٹا ہوا مٹکا ہے۔ کیا آپ اس مٹکے کو بھی رفو کر سکتے ہیں؟ بوڑھا بھی بڑا دلچسپ اور حاضر جواب تھا۔ برجستہ کہا کہ ہاں! ہاں! آپ ریت کا دھاگہ منگا دیجئے میں آپ کے ٹوٹے ہوئے مٹکے کو ضرور رفو کر دوں گا۔ بوڑھے کا یہ جواب سن کر امام شعبی رحمتہ اللہ علیہ کو اس زور سے ہنسی آئی کہ وہ ہنستے ہنستے اپنی مسند پر لیٹ گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج1 ص81)

آدھی رات کا سورج

حضرت امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کی درس گاہ میں ایک بڑے میاں حاضر رہتے تھے۔

روزانہ پورے درس میں شریک ہو کر مسائل سنا کرتے تھے مگر کبھی کچھ بولتے نہیں تھے ایک مرتبہ امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ کبھی کوئی سوال نہیں کرتے۔ ہمیشہ خاموش ہی کیوں رہتے ہیں؟

یہ سن کران بزرگ نے سوال کیا کہ اچھا بتایئے۔ روزہ کب افطار کرنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا کہ جب سورج غروب ہو جائے۔ یہ بزرگ بولے کہ اگر آدمی رات تک سورج غروب نہ ہو؟ بڑے میاں کا یہ سوال سن کر امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ ہنس پڑے اور فرمایا کہ آپ کا خاموش رہنا ہی بہتر تھا۔ میں نے آپ کی زبان کھلوا کر غلطی کی۔ (تبصرہ تاریخ بغداد ص91)

آپ کو کون سی حدیث پسند آئی

ایک اعرابی حضرت سفیان رحمتہ اللہ علیہ کی درس گاہ میں برسوں درس حدیث میں حاضر ہوتا رہا۔ ایک دن امام ممدوح رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا کہ تم نے مجھ سے ہزاروں حدیثیں سنی ہیں۔ یہ تو بتاؤ کہ تمہیں کون کون سی حدیث زیادہ پسند آئی۔

اعرابی نے جواب دیا صرف تین حدیثیں۔ ایک تو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یحب الحلویٰ والعسل یعنی نبی ﷺ حلوا اور شہد کو پسند فرماتے تھے۔ دوسری حدیث اذا وضع العشاء و حضرت الصلوٰۃ فابدؤا باالعشاء۔ یعنی جب رات کو کھانا دستر خوان پر آ جائے تو پہلے کھانا کھالینا چاہیے۔ تیسری حدیث لیس من البر الصیام فی السفر یعنی سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔ اعرابی کا جواب سن کر امام ممدوح رحمتہ اللہ علیہ اور حاضرین درس گاہ ہنس پڑے۔
(مستطرف ج2 ص226)

چندھی آنکھ، پتلی پنڈلی

امام الحدیث حضرت اعمش رحمتہ اللہ علیہ کی بیوی ہمیشہ امام موصوف سے کشیدہ اور برگشتہ رہتی تھیں۔ ایک دن اعمش نے اپنے ایک شاگرد سے فرمایا کہ تم میری بیوی کے پاس جا کر میرے علمی کمالات کو اس طرح بیان کرو کہ نفرت دور ہو جائے اور وہ میری طرف راغب ہو جائے۔

شاگرد صاحب بہت ہی تفریح پسند اور پورے مسخرے تھے۔ بیگم صاحبہ کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگے کہ مادر مہربان! ہمارے شیخ امام اعمش بہت ہی بزرگ اور باکمال محدث ہیں۔ لہٰذا آپ

ان کی چندھی آنکھ، پتلی پنڈلی، کمزور گھٹنے، بغل کی بدبو، منہ کی گندہ ذہنی، کھردری ہتھیلیوں کو دیکھ کر ان سے بے رغبتی نہ رکھئے۔ امام اعمش رحمتہ اللہ علیہ چھپ کر شاگرد کی تقریر سن رہے تھے۔ غصے میں بھرے ہوئے بولے کہ اٹھ! خدا تیرا برا کرے تو نے میری بیوی پر میرے وہ عیوب بھی ظاہر کردیئے جن کو وہ نہیں جانتی تھی۔ (مستطرف ج2 ص 238)

نام عمر کا اثر

حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے پڑوس میں ایک رافضی رہتا تھا۔ اس نے دو گدھے پال رکھے تھے۔ ایک کا نام ابو بکر اور دوسرے کا نام عمر رکھا تھا۔ ایک دن گدھے نے غضب ناک ہو کر اس قدر رافضی کو لاتیں ماریں اور دانت سے کاٹا کہ وہ مر گیا۔ جب حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ شاید یہ کارنامہ اسی گدھے کا ہوگا جس کا نام اس خبیث نے عمر رکھا تھا تو لوگوں نے بتایا کہ جی ہاں! (نزہتہ المجالس ج2 ص196)

ناک میں دم کر دیا

خلیفہ بغداد منصور عباسی بنوامیہ کے دور حکومت میں سلطنت کا معتوب تھا اور گرفتاری کے خوف سے ادھر ادھر بھاگتا اور چھپتا تھا۔ انہیں ایام میں وہ بصرہ گیا تو ازہر سمان محدث کی درس گاہ میں چند دنوں حاضر ہوتا رہتا جب قسمت کی خوبی سے منصور خلیفہ بن گیا تو ازہر سمان دربار شاہی میں خلیفہ منصور کی ملاقات کے لئے گئے۔ منصور نے استاد کی بڑی آو بھگت کی اور پوچھا میرے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمایئے۔ ازہر سمان نے فرمایا میرا مکان گر گیا اور میرے لڑکے محمد کی شادی ہے اور میں چار ہزار درہم کا مقروض ہوں۔ منصور نے فوراً بارہ ہزار درہم نذر کر دیئے اور کہا کہ آئندہ آپ کبھی سائل بن کر میرے پاس نہ آیئے گا مگر ایک سال کے بعد یہ پھر دربار میں دھمک پڑے۔ منصور نے دریافت کیا کیسے تشریف لائے تو بولے یونہی سلام کے لئے آگیا تھا۔ منصور نے کہا کہ نہیں واللہ! سلام کے لئے نہیں بلکہ آپ پھر سائل بن کر آئے ہیں۔ اچھا بارہ ہزار پھر لیجئے مگر آئندہ نہ سوال کے لئے آیئے گا نہ سلام کے لئے۔ مگر یہ بزرگ پھر نازل ہو گئے اور فرمایا بیمار پرسی کے لئے آگیا تھا۔ منصور نے بارہ ہزار درہم پھر دیئے اور کہا اب آئندہ نہ سوال کے لئے نہ سلام کے لئے نہ بیمار پرسی کے لئے کسی مقصد کے لئے بھی نہ آیئے گا۔ مگر یہ حضرت

پھر بھی پہنچ گئے۔ منصور نے دریافت کیا اب آپ کیسے تشریف لائے؟ تو پھر فرمایا میں نے تم کو ایک دعا پڑھتے ہوئے سنا تھا میں اسی لئے آیا ہوں تاکہ اس دعا کو لکھ لوں۔ منصور یہ سن کر ہنس پڑا اور کہا لیکن وہ دعا تو بہت مقبول نہیں ہے کیونکہ میں نے اس کو پڑھ کر یہ دعا مانگی تھی میں آپ کو دربار میں نہ دیکھوں مگر وہ دعا مقبول نہیں ہوئی۔ اچھا خیر، یہ بارہ ہزار پھر لیجئے اور اب جب اور جتنی مرتبہ آپ کا مزاج چاہے دربار میں آتے رہئے۔ آپ کے حیلوں نے تو میرا ناک میں دم کر دیا۔

(ثمرات الاوراق ص126)

پانی کی قیمت

امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ کسی میدان میں سخت پیاس لگی۔ ایک بدوی مشک بھر کر پانی لئے جا رہا تھا۔ امام صاحب نے اس سے پانی مانگا تو اس نے کہا میں پانچ درہم میں پوری مشک کا پانی دوں گا۔ امام صاحب کو اس کی بے رحمی پر بہت غصہ آیا۔ مگر آپ نے خوشی خوشی پانچ درہم میں پوری مشک کا پانی اس سے خرید لیا۔ پھر اس نے اس کو روغن زیتون میں ملا ہوا ستو عنایت فرمایا۔ وہ خوش ہو کر کھانے لگا اور خوب کھایا۔ مگر ایک تو ستو پھر روغن زیتون ملا ہوا۔ کھاتے ہی بدوی پر پیاس کا غلبہ ہوا اور اس نے امام صاحب سے پانی مانگا تو آپ نے فرمایا کہ میں پانچ درہم میں ایک گلاس پانی دوں گا۔ لینا ہو تو لو ورنہ اپنا راستہ پکڑو۔ بدوی جب مارے پیاس کے بیچ بیچ کرنے لگا تو مجبوراً پانچ درہم میں ایک گلاس لیا۔

اسی طرح امام صاحب کی دانائی کی بدولت پانی کے ساتھ ساتھ ان کے پانچوں درہم بھی واپس مل گئے اور بے رحم بدوی کو عبرت آموز سبق بھی مل گیا۔

(ثمرات الاوراق ج1 ص148)

دیوان زم زم کے کنوئیں میں

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمۃ کو کون نہیں جانتا کہ کمال علم و عمل کے ساتھ ساتھ میدان شاعری کے بھی بہت بڑے مشہور شہسوار تھے۔ ایک دن ایک اناڑی شاعر اپنا دیوان لے کر آپ کو اپنا کلام سنانے لگا۔ بڑی دیر تک وہ اپنی تک بندی کے اشعار سنا سنا کر آپ کی سمع خراشی کرتا رہا اور آپ ناگواری کے باوجود اس کی دل جوئی کے لئے خاموش بیٹھے رہے۔ پھر وہ

کہنے لگا۔ حضور میں اس دیوان کو سفر حج میں بھی لے گیا اور اس کو غلاف کعبہ میں کچھ دیر رکھنے کے بعد حجر اسود سے بھی اس کو مس کر کے لایا ہوں۔ یہ سن کر حضرت جامی رحمتہ اللہ علیہ کا پیمانہ صبر چھلک پڑا۔

آپ نے نہایت سنجیدگی سے فرمایا کہ ایک کسر رہ گئی۔ کاش تم نے اس کو زمزم شریف کے کنویں میں بھی غوطہ دے دیا ہوتا تو بڑا ہی اچھا ہوتا کہ یہ دھل دھلا کر بالکل صاف ہو جاتا۔ اناڑی شاعر مولانا جامی کا یہ تلخ جملہ اور زہریلا طنز سن کر بہت سبک ہوا اور منہ لٹکائے ہوئے وہاں سے رفو چکر ہو گیا۔ (مقدمہ یوسف زلیخا)

جبلہ کا قاضی

قاضی یحییٰ بن اکثم نے ایک شخص کو جبلہ شہر کا قاضی بنا کر بھیجا۔ جب قاضی کو خبر ملی کہ امیر المومنین ہارون رشید جبلہ تشریف لانے والے ہیں تو اس نے وہاں کے عوام و خواص کو بلا کر سمجھایا کہ جب امیر المومنین کا جلوس نکلے تو تم لوگ خوب چلا چلا کر کہنا کہ جبلہ کا قاضی بہت اچھا ہے۔

جب امیر المومنین کا جلوس نکلا تو کوئی بھی نہیں گیا۔ یہ دیکھ کر قاضی صاحب خوب بڑا عمامہ باندھ کر اور داڑھی میں تیل کنگھی کر کے خود راستے پر جا کر کھڑے ہو گئے اور جب امیر المومنین اور قاضی القضاۃ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کی سواری گزری تو آپ زور سے چلا چلا کر اعلان کرنے لگے کہ جبلہ کا قاضی بہت اچھا ہے۔ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ اسے پہچان کر ہنسنے لگے۔ امیر المومنین نے ہنسی کا سبب دریافت کیا تو امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جبلہ کے قاضی کی تعریف کرنے والے خود ہی جبلہ کے قاضی ہیں۔ یہ سن کر امیر المومنین کو اس قدر ہنسی آئی کہ گھوڑے کی رکاب میں سے پاؤں الگ ہو گیا پھر امیر المومنین نے اس احمق قاضی کو معزول کر دیا۔
(مستطرف ج2 ص339)

خلیفہ مہدی اور ایک بدوی

خلیفہ بغداد مہدی ایک مرتبہ شکار میں اپنے مصاحبوں سے بچھڑ کر بہت دور نکل گیا۔ جب بھوک پیاس سے پریشان ہوا تو ایک بدوی کی جھونپڑی میں گیا۔ مہمان نواز بدوی نے جو کی روٹی اور دودھ پیش کیا۔ جب مہدی کھا چکا تو بدوی نے کھجور کا شربت پلایا۔ ایک گلاس پی کر مہدی نے

کہا کہ تم جانتے ہو میں کون ہوں؟ بدوی نے کہا نہیں خلیفہ نے کہا میں امیر المومنین کا خادم ہوں۔ بدوی نے کہا جی ہاں آپ امیر المومنین کے خادم ہیں۔ مہدی نے کہا جی نہیں، میں خود ہی امیر المومنین ہوں۔ یہ سن کر بدوی نے مشک کا منہ باندھ دیا اور ڈانٹ کر کہا اٹھ نکل یہاں سے تیرا یہی حال ہے تو چوتھا گلاس پی کر تو کہنے لگا کہ میں رسول اللہ ہوں۔

یہ سن کر مہدی اس قدر ہنسا کہ اس پر غشی طاری ہو گئی۔ اتنے میں مہدی کا لشکر تلاش کرتے ہوئے آن پہنچا۔ بدوی خدم و حشم کا جاہ و جلال دیکھ کر مارے خوف کے کانپ اٹھا۔ مہدی نے اس کو تسلی دی اور انعام واکرام سے اس کو مالا مال کر دیا۔ (مستطرف ج2 ص232)

ایک قاری اور بدوی

ایک قاری صاحب دیہاتیوں کے مجمع میں تلاوت کے لئے بیٹھے تو یہ آیت پڑھ دی کہ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّنِفَاقًا۔ یعنی بدوی لوگ بڑے سخت کافر اور منافق ہیں۔ یہ سن کر ایک بدوی کو بڑا غصہ آیا اور اس نے کہا کہ واللہ! اس قاری نے تو ہماری ہجو کر دی۔ اتنے میں قاری صاحب اس آیت پر پہنچ گئے مَنْ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ. یعنی کچھ بدوی ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ بدوی غضبناک ہو کر بولا کہ خیر کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر اس نے ہماری ہجو کی تو ہماری مدح بھی کی۔ جیسا کہ ہمارے شاعر نے کہا ہے ؎

هَجَوْتُ زُهَيْرًا ثُمَّ اِنِّیْ مَدَحْتُهٗ
وَمَا ذَالَتِ الْاَشْرَافُ تهجیٰ وتُمْدَحُ

یعنی میں نے پہلے زہیر کی ہجو کی۔ پھر میں نے ہی اس کی مدح کی اور شریفوں کا یہی حال رہتا ہے کہ کبھی ان کی ہجو کی جاتی ہے اور کبھی مدح کی جاتی ہے۔

جادوگر امام

ایک بدوی چور جس کا نام موسیٰ تھا۔ کسی کی درہم بھری ہوئی تھیلی چرا کر مسجد میں گیا اور تھیلی ہاتھ میں لے کر آستین سے چھپائے ہوئے جماعت میں شامل ہو گیا۔ اتفاق سے امام صاحب نے الحمد کے بعد یہ آیت پڑھی وَمَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یَا مُوْسٰی تھیلی پھینک کر مسجد

سے بھاگا اور کہا کہ اے امام خدا کی قسم تو یقیناً بہت بڑا جادو گر ہے۔ (مستطرف ج2 ص234)

فالودہ اچھا یا لوزینہ

خلیفہ ہارون رشید اور اس کی بیگم زبیدہ میں اختلاف ہو گیا کہ فالودہ اور لوزینہ ان دونوں کھانوں میں سے کون اچھا ہوتا ہے۔ دونوں قاضی القضاۃ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کے فیصلے پر راضی ہو گئے۔ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بغیر مدعی اور مدعا علیہ کے حاضر ہوئے۔ بھلا میں کس طرح کوئی فیصلہ کر سکتا ہوں۔ لہٰذا فالودہ اور لوزینہ دونوں کھانے میرے سامنے پیش کیے جائیں۔ چنانچہ فوراً ہی دونوں کھانے حاضر کیے گئے اور امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فالودہ اور ایک مرتبہ لوزینہ کھانا شروع کیا یہاں تک کہ جب آدھا آدھا پیالہ دونوں میں سے کھا چکے تو فرمایا کہ میں نے آج تک ایسے دلیل پیش کرنے والے مدعی اور مدعا علیہ نہیں دیکھے۔ میں جب چاہتا ہوں کہ ایک کو ڈگری دوں تو دوسرا اپنی دلیل پیش کر دیتا ہے اس لئے میں اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ ہارون رشید اور زبیدہ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کی گفتگو سن کر مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ (مستطرف ج2 ص239)

شیطان کا نمونہ

جاحظ فن لغت اور ادب کے امام تھے اور لطیفہ گوئی و حاضر جوابی میں تو اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ لیکن شکل و صورت کے لحاظ سے بہت کریہہ المنظر اور بد شکل تھے۔ ان کا بیان ہے کہ زندگی بھر میں مجھے کسی سے اتنی شرمندگی نہیں ہوئی تھی۔ جتنی ایک عورت کی وجہ سے ہوئی۔ ایک دن اچانک ایک عورت میرے پاس آئی اور کہا کہ ذرا دیر کے لئے میرے ساتھ چلئے۔ میں اس کے ساتھ چل پڑا تو وہ مجھے ایک سنار کی دکان پر لے گئی اور کہا کہ "بالکل ایسا ہی" یہ کہہ کر وہ عورت روانہ ہو گئی۔ میں بڑا حیران رہ گیا۔ میں نے سنار سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے۔

سنار نے بتایا کہ اس عورت نے مجھ سے فرمائش کی تھی کہ تم میرے لئے شیطان کی ایک مورتی بنا دو تو میں نے اس سے کہا کہ میں نے شیطان کی صورت نہیں دیکھی ہے۔ لہٰذا تم مجھے کوئی نمونہ دکھا دو تو یہ آپ کو میرے پاس شیطان کی صورت کا نمونہ دکھانے کے لئے لائی تھی۔

(مستطرف ج2 ص25)

منہ میں تھوک

ایک مہمل گو شاعر نے حضرت مولانا جامی علیہ الرحمہ کے پاس آکر پہلے اپنی مہمل اور بے تکی شاعری سے علامہ ممدوح کا دماغ چاٹ ڈالا اور آپ اخلاقاً صبر کے ساتھ اس کے اشعار سنتے رہے پھر اس نے فخریہ لہجے میں کہا کہ رات خواب میں حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت ہوئی اور انہوں نے میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ حضرت مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی وہ تمہارے منہ پر تھوکنے کے لئے آئے تھے تم نے منہ کھول دیا اور تھوک منہ میں جا پڑا۔ (علمی لطائف ص 105)

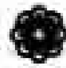
جنت میں آگ

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ العزیز حقہ سے شوق فرماتے تھے اور حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی پیلی بھیتی کو چائے نوشی کی عادت تھی۔ ایک دن محدث سورتی علیہ الرحمتہ نے تفریحاً اعلیٰ حضرت قبلہ سے عرض کیا کہ حضرت مولانا! جنت میں آگ کہاں ملے گی جو آپ کا حقہ بھرا جائے گا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ آپ کی چائے کے سماور میں سے آگ منگالیا کروں گا۔

لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُوْلِی الْاَلْبَابِ

یقیناً ان کے قصوں میں عقل مندوں کے لئے عبرت ہے

روحانی حکایات



حصہ دوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ

اعتراف واعتذار

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

قارئین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

لیجئے! آپ کی زحمت انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں کہ آپ کی محبوب کتاب "روحانی حکایات" کا دوسرا حصہ بھی طبع ہو کر باصرہ افروز نظر نواز ہو رہا ہے، میرا عزم تو یہی تھا کہ اس کتاب کے دونوں حصوں کو ایک ہی ساتھ طبع کرا کر نذر قارئین کرنے کی مسرت حاصل کرتا لیکن افسوس کہ میرا یہ منصوبہ ناکام ہو گیا۔ جلد اول تو بحمدہ تعالیٰ چھپ کر قدر دانوں کے زیر مطالعہ آگئی مگر جلد دوم کا مسودہ بھی مکمل نہیں ہو سکا جس کا سبب میری قابل رحم مصروفیات کے سوا کچھ بھی نہیں۔ روزانہ چھ گھنٹہ تدریس کا اہم اور دماغ سوز مشغلہ، پھر پورے ملک کے محبین کے خطوط و مسائل کے تحریری جواب کی ذمہ داریاں، نیز تقریری پروگراموں اور مذہبی جلسوں میں حاضری کی پابندیاں، مزید برآں روزانہ احباب و معتقدین سے ملاقاتوں کی پریشانیاں، یہ وہ آہنی موانع ہیں جو مجھے اتنا موقع ہی نہیں دیتے کہ سکون قلب کے ساتھ تصنیف و تالیف کے لئے قلم اٹھا سکوں مگر کثرت کار اور ہجوم افکار کے اسی "محشرستاں" میں قدردانوں کی زحمت انتظار اور احباب کے پرخلوص تقاضوں کا احساس و احترام کرتے ہوئے انتہائی عجلت میں قلم برداشتہ یہ "مجموعہ" اس طرح مرتب کر رہا ہوں کہ کبھی بھی ایک نشست میں اس کتاب کا ایک پورا صفحہ لکھنا نصیب نہیں ہوا بلکہ ایک ایک صفحہ بعض مرتبہ کئی کئی دنوں کی کئی کئی نشستوں میں پورا ہو سکا۔ حد ہو گئی کہ مسودہ میں اصلاح و ترمیم کی بھی فرصت نہیں مل سکی اور اصل مسودہ ہی جو قلم برداشتہ لکھا ہوا تھا کاتب کے پاس بھیج دینا پڑا۔ اس لئے میں عنوانوں کے انتخاب اور

مضامین کی ترتیب میں جیسا کہ میری تمنا بھی فنکارانہ قلم کاری کی جدت وندرت کا کوئی اچھا نمونہ پیش نہیں کر سکا۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ مختلف قسم کے گلہائے رنگا رنگ کی ایک ڈالی ہے۔ جو بغیر کسی صناعی کے نہایت ہی سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ پیش خدمت کر رہا ہوں جو مندرجہ ذیل پانچ اہم عنوانوں پر مشتمل ہے!

1۔ عجائبات 2۔ مجاہدات 3۔ عبادات 4۔ کرامات 5۔ مفرحات

بحمدہ تعالیٰ اکثر حکایات پر اپنا تبصرہ بھی تحریر کر دیا ہے جو امید ہے کہ انشاء المولیٰ تعالیٰ قارئین کے لئے باعث مسرت وسامان بصیرت ثابت ہوگا! میں اپنے کرم فرما قارئین سے امیدوار ہوں کہ وہ میری دوسری تالیفات کی طرح اس مجموعہ کو بھی اپنے دامن قبول میں جگہ عطا فرما کر اپنی ذرہ نوازیوں سے مجھے سرفراز فرمائیں گے اور اپنی مخلصانہ ومستجاب دعاؤں سے مشکلات دارین میں میری امداد واعانت فرمائیں گے۔

آخر میں دعاگو ہوں کہ مولا تعالیٰ اس مجموعہ کو قبول فرما کر مقبول خلق ونافع الخلائق بنائے اور میرے لئے ذریعہ مغفرت وزاد آخرت بنائے۔ (آمین)

نوشتہ بماند سیہ بر سفید
نویسندہ رانیست فرد امید

خاکپائے اولیاء
عبدالمصطفیٰ اعظمی عفی عنہ
مانڈہ۔ 17/ ربیع الثانی 1391ھ

عجائبات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

قبر انور میں نقب

سلطان عادل نورالدین زنگی نے 577ھ میں نماز تہجد کے بعد ایک رات میں تین مرتبہ یہ خواب دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ دو شخصوں کو دکھلا کر یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ

"اے نورالدین! تم ان دونوں کو مجھ سے جدا کرو تم ان دونوں سے مجھ کو بہت جلد بچاؤ۔"

سلطان یہ خواب دیکھ کر گھبرا گیا اور اپنے دین دار صالح وزیر جمال الدین موصلی سے اپنے اس خواب کا تذکرہ کیا تو وزیر موصوف نے بے چین ہو کر انتہائی اضطراب میں یہ عرض کیا کہ اے سلطان عادل! اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ ضرور مدینہ منورہ میں کوئی بہت بڑا حادثہ نمودار ہو گیا۔ لہٰذا اب ایک لمحہ کے لئے بھی ہمارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے اور انتہائی ضروری ہے کہ ہم دونوں نہایت خاموشی کے ساتھ بالکل ہی پر اسرار طریقہ پر فوراً مدینہ منورہ حاضر ہو جائیں۔ چنانچہ صرف تیس آدمیوں کے ہمراہ کثیر دولت لے کر تیز رفتار سواریوں پر سفر کر کے صرف سولہ روز میں سلطان مع وزیر کے ملک شام سے ناگہاں مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ سلطان نے مسجد نبوی میں دوگانہ ادا کر کے صلوٰۃ و سلام عرض کیا اور صحن مسجد میں بیٹھ گئے اور وزیر نے یہ اعلان کیا کہ سلطان اس وقت قبر انور کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں اور اہل مدینہ کو نذرانہ عقیدت کے طور پر ایک کثیر رقم ہر ہر فرد کو مرحمت فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا مدینہ منورہ کا ہر باشندہ سلطان کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنا اپنا نذرانہ لے جائے۔ چنانچہ تمام اہل مدینہ حضور سلطانی میں آ کر نذرانہ وصول کرتے رہے مگر جن دو شخصوں کو حضور انور ﷺ نے خواب میں دکھلایا تھا وہ دونوں نظر نہیں آئے۔ یہاں تک کہ جب لوگوں کی آمد کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ تو سلطان نے

دریافت فرمایا کہ کیا کوئی ایسا شخص باقی رہ گیا ہے جو ابھی تک نذرانہ لینے نہیں آیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ باشندگان مدینہ میں سے تو کوئی شخص بھی باقی نہیں رہ گیا ہے مگر روم کے رہنے والے دو انتہائی عابد و زاہد آدمی ایسے ہیں جو کبھی کسی کا عطیہ قبول نہیں کرتے بلکہ خود بے شمار مال و دولت مدینہ منورہ کے فقراء و مساکین پر تصدق کرتے رہتے ہیں صرف یہی دونوں ابھی تک بارگاہ سلطانی میں حاضر نہیں ہوئے ہیں سلطان نے فوراً ہی ان دونوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ جب یہ دونوں سلطان کے سامنے آئے تو حیرت واستعجاب سے سلطان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ یہی وہ دونوں شخص تھے جن کو خواب میں دکھلا کر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا کہ

"اے نورالدین! تم ان دونوں کو مجھ سے جدا کر دو۔"

سلطان نے ان دونوں سے فرمایا کہ تم لوگ کہاں کے رہنے والے ہو؟ دونوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ بلاد مغرب کے رہنے والے ہیں امسال ہم حج کے لئے آئے تھے اور اب ایک سال تک کے لئے ہم نے یہاں روضہ منورہ کے مجاور بن کر رہنے کا عزم کر لیا ہے۔ سلطان نے غضب سے تیوری چڑھا کر کئی بار فرمایا کہ تم لوگ سچ سچ بولو مگر وہ دونوں ہر بار نہایت جرأت کے ساتھ یہی کہتے رہے۔ بالآخر سلطان نے ان دونوں کی قیام گاہ کا پتہ دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ دونوں روضہ منورہ کے بالکل قریب ایک رباط کے اندر مقیم ہیں۔ سلطان نے ان کی گرفتاری کا حکم دیا اور خود ان کے کمرہ میں داخل ہو گیا۔ دیکھا کہ کمرہ میں بے شمار درہم و دینار کا انبار لگا ہوا ہے۔ طاقوں پر چند کتابیں رکھی ہوئی ہیں اور دو مہریں پڑی ہیں۔ کمرے میں اس کے سوا دوسرا کوئی نظر نہ آیا۔ سلطان نے جب اہل مدینہ کے عمائد و اشراف سے دونوں کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو سب نے کہا کہ یہ دونوں نہایت مرد صالح، ہمیشہ کے روزہ دار، زاہد شب زندہ دار، تہجد گزار ہیں دن رات روضہ انور پر حاضر رہتے ہیں۔ روزانہ صبح کو جنۃ البقیع اور ہر سنیچر کو مسجد قبا کی زیارت کو جاتے ہیں اور کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے اور امسال کی قحط سالی مدینہ منورہ کے باشندوں کی بے انتہا مالی مدد کی ہے۔ سلطان ان دونوں کی زاہدانہ صورتوں کو دیکھ کر اہل مدینہ کی مدح سرائی سن سن کر محو حیرت تھا اور پیکر تعجب بن کر کمرے میں بار بار چکر لگاتا اور نیچے اوپر دیکھتا رہا یہاں تک کہ سلطان کے کمرے کے فرش اور چٹائی اٹھانے کا حکم دیا۔ جب چٹائی اٹھائی گئی تو ناگہاں یہ نظر آیا کہ زمین میں اتنی گہری سرنگ کھودی ہوئی ہے جو قبر انور تک پہنچ چکی ہے۔

سلطان اور اہل مدینہ یہ ہوشربا منظر دیکھ کر ایک دم سناٹے میں آگئے اور ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سلطان نے غصہ میں سرخ انگارہ بن کر تڑپتے ہوئے پوچھا کہ تم سچ سچ بول دو کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ کچھ دیر تو وہ دونوں خاموش رہے مگر جب ان دونوں پر کوڑوں کی مار پڑنے لگی تو دونوں کہنے لگے کہ اے سلطان ہم دونوں نصرانی ہیں ہم کو روم کے نصرانیوں نے مغربی حجاج کے ساتھ بے شمار مال و دولت دے کر اس مقصد کے لئے یہاں بھیجا ہے کہ ہم قبر انور کھود کر پیغمبر اسلام کے جسم انور کو لے جائیں چنانچہ ہم لوگ ساری رات نقب کھودتے ہیں اور مٹی کو ایک تھیلے میں جمع کر کے روزانہ صبح کو جنۃ البقیع کے قبرستان میں پھینک دیتے ہیں۔ یہ نقب بالکل قبر شریف تک پہنچ چکا ہے اور کل ہی رات ہم جسم مبارک نکالنے والے تھے مگر ناگہاں رات میں شدید بارش اور برق و باد کا طوفان آجانے سے ہم یہ کام نہ کر سکے آج صبح کو اچانک سلطان تشریف لائے اور ہم گرفتار ہو گئے۔ سلطان نور الدین ان ناپاک ظالموں اور خوفناک مجرموں کا لرزہ خیز اور دل ہلا دینے والا بیان سن کر لرزہ براندام ہو گیا اور جوش غضب میں روضہ انور کی دیوار پکڑ کر پھوٹ پھوٹ کر زار و قطار رونے لگا۔ پھر غیظ و غضب میں بے خود ہو کر اپنی تلوار سے ان دونوں ملعونوں کا سر اڑا دیا اور ان کی لاشوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے آگ میں جلا کر راکھ بنا دیا اور اپنی خوش نصیبی پر ناز کر کے خداوند کا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کرنے لگا اور کہنے لگا کہ حضور کا مجھ پر کتنا بڑا کرم ہے کہ تمام جہان والوں میں سے اس خدمت کے لئے مجھ کمترین غلام کو منتخب فرمایا اور تین تین مرتبہ خواب میں مجھے اپنے دیدار پر انوار سے مشرف فرما کر اس خدمت کے لئے مامور فرمایا۔ سلطان بار بار یہی کہتے تھے اور ان کی اشک بار آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرات گوہر آبدار بن کر ان کے چمکتے ہوئے رخسار پر نثار ہو رہے تھے اس خوشی میں سلطان نے بے شمار دولت لٹا کر غریبوں کو مالا مال اور مسکینوں کو نہال کر دیا۔ پھر روضہ انور کے ارد گرد چاروں طرف نہایت گہری نیو کھدوا کر اور سیسہ پگھلا کر اس نیو میں بھروا دیا تا کہ قبر انور کے گرد سیسہ کی دیوار میں کوئی نقب نہ لگا سکے(1)۔

ملعون منصوبہ ناکام

جب مصر کے عبیدی خاندان کے بادشاہ کا حجاز پر بھی تسلط ہو گیا تو بعض زندیقوں نے بادشاہ

1۔ وفاء الوفاء جلد 2 ص 648

کو یہ ناپاک مشورہ دیا کہ اگر روضہ منورہ کو کھود کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم انور اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مبارک جسموں کو مدینہ منورہ سے منتقل کر کے مصر میں دفن کر دیا جائے تو مصر کی عزت و عظمت میں چار چاند لگ جائے گا کہ تمام دنیائے اسلام کے زائرین بجائے مدینہ منورہ کے مصر آنے لگیں گے۔ احمق و بے دین بادشاہ مصر کو یہ مشورہ پسند آگیا۔ اس نے اپنے ایک بہت ہی معتمد درباری کو اس مہم کے لئے مدینہ بھیج دیا۔ جس کا نام ابوالفتح تھا۔ اہل مدینہ کو اس ناپاک منصوبہ کی خبر ہو گئی تھی۔ جیسے ہی ابوالفتح کا قافلہ اس منحوس عزم کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہوا مدینہ کے ایک قاری نے مجمع عام میں یہ تلاوت کر دی:

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (توبہ)

"کیا تم لوگ اس قوم سے جنگ نہ کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کو نکالنے کا کر لیا حالانکہ انہیں کی طرف سے پہل ہوئی ہے کیا ان سے ڈرتے ہو؟ اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو! (توبہ)

قاری نے ایسے پردرد لہجے میں اس آیت کو پڑھا کہ اہل مدینہ کے قلوب میں محبت رسول کے جوش و خروش کا ایک آتش فشاں پھٹ پڑا اور لوگ غیظ و غضب میں بھر کر اتنے جوش اور طیش میں آگئے کہ ابوالفتح اور اس کے ہمراہیوں کی بوٹی بوٹی کاٹ ڈالنے کا عزم بالجزم کر لیا اور اس رات میں اچانک ایسی خوفناک آندھی آئی کہ اونٹ مع پالان کے اور گھوڑے مع زین اور سوار گیند کی طرح زمین پر لڑھکتے ہوئے نظر آنے لگے۔ یہ قدرتی مناظر دیکھ کر ابوالفتح کے دل میں ایسا خوف و ہراس طاری ہوا کہ وہ مارے دہشت کے بید کی طرح لرزنے اور کانپنے لگا اور قسم کھا کھا کر یہ اعلان کرنے لگا کہ اگر بادشاہ مصر میرا سر بھی کاٹ لے پھر بھی اس ملعون منصوبہ پر ہرگز ہرگز کبھی عمل نہیں کروں گا۔ یہ سن کر اہل مدینہ کا جوش ٹھنڈا ہوا اور اپنی جان بچا کر ابوالفتح مصر چلا گیا اور بادشاہ کو اتنا خوف دلایا کہ اس کے ہوش اڑ گئے اور وہ اس منصوبہ سے تائب ہو گیا(1)۔

1۔ جذب القلوب ص126

چالیس حلبی زندہ در گور

"محب طبری" نے اپنی کتاب "الریاض النضرہ" میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ حلب کے کچھ رافضیوں نے لاکھوں اشرفیوں کی رقم اور بے شمار تحفہ امیر مدینہ کی خدمت میں رشوت کے طور پر اس مقصد کے لئے پیش کیا کہ وہ انہیں مسجد نبوی میں رات بھر رہنے اور روضہ مبارکہ میں نقب لگا کر حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے مبارک جسموں کو قبر انور سے نکال کر لے جانے کی اجازت دے۔ رشوت خور بدکار امیر لالچ کا شکار ہو گیا اور ان خونخوار درندوں کو مسجد نبوی میں رات بھر رہنے اور اپنا منصوبہ پورا کر لینے کی اجازت دیدی اور مسجد نبوی کے شیخ الخدام "شمس الدین صواب" کو حکم دے دیا کہ جس وقت رات میں ان روافض کا گروہ مسجد نبوی میں داخل ہونا چاہے ان کے لئے دروازے کھول دینا۔ شمس الدین صواب کا بیان ہے کہ آدھی رات کو چالیس آدمیوں کا گروہ کدال پھاوڑے اور دوسرے کھدائی کے آلات و سامان سے مسلح ہو کر مسجد نبوی میں داخل ہوا اور میں مسجد کے دروازے پر بیٹھ کر رونے لگا مگر اپنے مولیٰ کی شان کے قربان کہ جیسے ہی یہ مردود لوگ منبر شریف کے قریب پہنچے ایک دم سب کے سب زمین میں دھنسے لگے یہاں تک کہ سب زندہ در گور ہو گئے۔ دو تہائی رات گزرنے کے بعد امیر مدینہ نے مجھے طلب کر کے ان لوگوں کا حال پوچھا تو میں نے آنکھوں دیکھا ماجرا عرض کر دیا کہ وہ سب زمین میں دھنس گئے۔ امیر مدینہ نے مجھے ڈانٹ کر کہا کہ تم بالکل پاگل اور دیوانے ہو گئے ہو۔ بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ پتھر کے فرش میں چالیس آدمی زمین کے اندر دھنس جائیں؟ میں نے عرض کیا کہ امیر خود چل کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ابھی تک ان لوگوں کے زمین میں دھنس جانے کا نشان باقی ہے اور ابھی تک ان کے کچھ لباس وغیرہ زمین میں دھنسے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ یہ سن کر امیر مدینہ سناٹے میں آگیا اور کہنے لگا کہ خبردار! ہرگز ہرگز تم اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرنا ورنہ میں تلوار سے تمہارا سر اڑا دوں گا(1)۔

تبصرہ:۔ برادران ملت! مذکورہ بالا تینوں حکایات کو پڑھ کر اندازہ لگائیے کہ زمانہ ماضی میں دشمنان اسلام نے حضور اکرم ﷺ کی توہین اور ایذاء رسانی کے لئے کیسی کیسی خوفناک سازشیں

1۔ جذب القلوب ص 127

کیسی اور کیسے کیسے گندے اور گھناؤنے منصوبہ بنائے مگر اللہ تعالیٰ کا وعدہ کتنا حق اور سچا ہے کہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ یعنی "اے محبوب! اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔"

کفار مکہ بڑی بڑی کوششیں اور انتہائی جدوجہد کرتے رہے کہ پیغمبر اسلام کا خاتمہ کر کے اسلام کا نام و نشان مٹا دیں۔ کبھی رات میں کاشانہ نبوت کا محاصرہ کر کے پیغمبر برحق کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ کبھی دوران سفر میں رات کے اندھیرے میں اچانک قتل کر دینے کا پلان تیار کیا۔ کبھی میدان جنگ میں حملہ کر کے شہید کر دینے کا عزم کیا۔ کبھی جادو کر کے کبھی زہر کھلا کر مار ڈالنے کا پروگرام بنایا۔ غرض پیغمبر اسلام کے نام و نشان کو مٹا دینے کے لئے کوئی ایسی دسیسہ کاری نہیں تھی جس کو کفار نے نہ کیا ہو لیکن خداوند قدوس نے اپنے حبیب ﷺ سے یہ وعدہ فرمالیا تھا کہ اے محبوب! اللہ آپ کو ان لوگوں سے بچائے گا۔ چنانچہ ہر موقع پر خدا کا وعدہ پورا ہوا اور جب بھی کفار نے کوئی سازشی حملہ کیا اور چراغ نبوت کو بجھا دینے کا ارادہ کیا تو اللہ کی طرف سے ایسی نصرت و حفاظت کا سامان ہو گیا کہ کفار کا منصوبہ ناکام ہو گیا اور قدرت پکار اٹھی کہ ؎

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

برادران ملت! جس طرح حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عصمت و حفاظت کے حصار میں معصوم و محفوظ بنایا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی دشمن رسول نہ آپ کو قتل کر سکا نہ آپ کا نام و نشان مٹا سکا۔ اسی طرح آپ کی قبر انور کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حصار عصمت اور دائرہ حفاظت میں اس طرح معصوم و محفوظ فرمالیا ہے کہ کوئی دشمن رسول قبر انور تک دست درازی کر کے آپ ﷺ کے وجود مقدس کی توہین اور ایذاء رسانی کی قدرت نہیں پا سکتا۔ چنانچہ آپ نے دیکھ لیا کہ روم کے نصاریٰ ہوں یا مصر کے ملحدین، حلب کے روافض ہوں یا دوسرے ملعونین، جس نے بھی قبر انور کھودنے کا پروگرام بنایا وہ خائب و خاسر اور ناکام و نامراد ہی رہا ہر خوفناک سے خوفناک سازشی پلان کے موقع پر منادی قدرت کا یہی اعلان رہا کہ ؎

مصطفیٰ ہے نور حق اس کو بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

برادران اسلام! بلاشبہ یہ حضور نبی اکرم ﷺ کا بہت بڑا معجزہ ہے اور حضرات شیخین کی کھلی

ہوئی کرامت ہے کہ بڑی بڑی خطرناک کوششوں کے باوجود کوئی بڑے سے بڑا دشمن رسول بھی قبر منور کو توڑ پھوڑ سکا نہ ویران و برباد کر سکا۔ حد ہو گئی کہ نجدی حکمران ابن سعود وہابی کا جب حرمین شریفین پر غلبہ و تسلط ہو گیا تو اس ظالم نے جنۃ المعلیٰ اور جنت البقیع کے دونوں قبرستانوں کو توڑ پھوڑ کر ویران کر دیا اور صحابہ کرام و اہل بیت عظام کے قبوں کو منہدم اور ان اکابر کی قبروں کو شہید کر کے مسمار کر دیا اور حرمین شریفین کے تمام مقابر کو تاخت و تاراج کر کے ان پر سڑکیں اور مکانات بنوا دیئے مگر قبور اہل اللہ کا یہ کٹر دشمن بھی اپنی بے پناہ کوششوں کے باوجود روضہ انور اور قبر انور کو ہاتھ نہ لگا سکا۔ باوجودیکہ گنبد خضریٰ کی عظمت شان دیکھ کر یہ بدبخت جل بھن گیا مگر اس مرکز ایمان اور اسلامی نشان کو صنم اکبر کہنے کے سوا یہ بدزبان اور کچھ نہ کر سکا اور الحمد اللہ! کہ آج بھی گنبد خضریٰ کا جاہ و جلال اور قبر منور کا حسن و جمال اہل ایمان کی نگاہوں کو نور عرفان سے مالا مال اور بدباطنوں بے ایمانوں کو رنج وملال کی ٹھوکروں سے پامال کر رہا ہے، وللہ الحمد۔

برادران ملت! ان حکایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اور تمام جہان والوں کے نیک و بد اعمال آپ کے پیش نظر ہیں اور آپ کو قبر شریف میں بھی اللہ تعالیٰ نے طرح طرح تصرفات کی طاقت و قدرت بخشی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی اپنی بارگاہ کے مجرموں کو سزا دلانے کے لئے ملک شام سے سلطان نور الدین کو طلب فرمایا اور کبھی خود ہی اپنی نگاہ قہر سے ملعونوں کو زندہ درگور فرما دیا کہ اس شبہ کا قلع قمع ہو جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دشمنوں کو دفع کرنے میں کسی کے محتاج ہیں۔

برادران ملت! یہ ایمان کی بات ہے کہ خداوند عالم نے اپنے محبوب اکرم ﷺ کو تصرفات کی ایسی عظیم قدرت عطا فرمائی ہے کہ آپ ﷺ زمین کے اوپر ہوں یا قبر انور کے اندر ہر جگہ آپ کے ادنیٰ چشم ابرو کے اشارے سے زمین و آسمان کا نظام عالم درہم برہم ہو سکتا ہے۔ آپ ﷺ اگر سلطان نور الدین یا کسی اور سے کوئی خدمت طلب فرمالیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ خود اس کام سے عاجز ہیں بلکہ اس کا مطلب یہی ہو گا کہ گو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی خداداد طاقت سے اس کام کو انجام دے سکتے تھے مگر یہ آپ کا کرم سلطانی ہے کہ اس خدمت سے اپنے کسی غلام کو سرفراز فرما دیا جس کی بدولت وہ غلام عزت دارین کی سلطنت کا تاجدار بن گیا۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی نقطہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا

خوب فرمایا کہ ؎

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی
منت شناس از و کہ بخدمت بداشتت

یعنی تم یہ احسان نہ جتاؤ کہ تم بادشاہ کی خدمت کرتے ہو بلکہ تم بادشاہ کا احسان مانو کہ اس نے تم کو اپنی خدمت میں رکھ لیا ہے۔

پھر ان تینوں حکایات میں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ روم کے نصاریٰ مصر کے زنادقہ اور حلب کے روافض کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ اور حضرات شیخین کے اجسام مبارکہ قبر شریف کے اندر سلامت ہیں چنانچہ اپنے اسی اعتقاد کی بنا پر تو ان لوگوں نے قبر انور سے ان مقدس جسموں کو نکال کر منتقل کرنے کی جدوجہد کی۔ یہ اس دور کے بد عقیدہ مسلمان کہلانے والوں کے لئے بڑی عبرت کا مقام ہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نعوذ باللہ حضور اکرم ﷺ مر کر مٹی میں مل گئے ہیں اور قبر انور ایک مٹی کے ڈھیر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اہل انصاف فیصلہ کریں کہ یہ برائے نام مسلمان کہلانے والے اس معاملہ میں نصاریٰ اور روافض سے بھی گئے گزرے کہلائیں گے یا نہیں؟

مسلمانو! یہ قیامت صغریٰ تو نہیں اور کیا ہے کہ ایک نصرانی تو اس حدیث کی تصدیق کرتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَآءِ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمادیا ہے کہ وہ انبیاء کے مقدس جسموں کو کھائے مگر ایک مدعی اسلام کھلم کھلا اس بد عقیدگی کا پرچار کرتا پھرتا ہے کہ (معاذ اللہ) نبی مر کر مٹی میں مل گئے۔

بہر کیف حضور نبی کریم ﷺ کے خداداد تصرفات اور حیاۃ النبی کا مسئلہ مسلمانان اہلسنت کا وہ متفق علیہ اعتقادی مسئلہ ہے جس میں کسی اہل حق کا اختلاف نہیں۔ اس موضوع پر عزیز محترم مولانا ارشد القادری کے چند نعتیہ اشعار کس قدر روح پرور اور ایمان افروز ہیں!

جس سے تم روٹھو وہ برگشتہ دنیا ہو جائے — جس کو تم چاہو وہ قطرہ ہو تو دریا ہو جائے
آنکھ اٹھادو تو کڑی دھوپ میں ساون برسے — مسکرا دو تو اندھیرے میں اجالا ہو جائے
قہر سے دیکھو تو بجھ جائے چراغ ہستی — اور ہنس دو تو ہری خاک بھی زندہ ہو جائے
ذرے ذرے میں اجالا ہے تمہارے رخ کا — تم جو منہ پھیر لو عالم میں اندھیرا ہو جائے

یاد گیسوئے نبی صبح کو دے جلوۂ شام   بات عارض کی جو چھیڑوں تو سویرا ہو جائے

گستاخ کے سر پر پتھر

91ھ میں اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حکم سے مدینہ منورہ کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے قبر انور کے حجرہ کی دیواروں کو منہدم کرنے کا حکم دیا دیوار گرتے ہی قبر انور نظر آنے لگی۔ایک رومی معمار جو نصرانی تھا اس نے دیکھ کر اس وقت مسجد میں کوئی مسلمان موجود نہیں ہے اپنے نصرانی ساتھیوں سے کہا کہ "میں پیغمبر اسلام کی قبر پر پیشاب کروں گا" اس کے ساتھیوں نے اس کو اس ناپاک ارادہ سے ہر چند منع کیا مگر وہ ملعون نہیں مانا لیکن ابھی وہ اس ارادۂ بد سے چلا ہی تھا کہ اوپر سے ایک پتھر اس کے سر پر گرا اور اس کا بھیجا پاش پاش ہو کر بکھر گیا۔یہ معجزہ دیکھ کر بہت سے نصرانی معمار اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئے(1)۔

تبصرہ:۔یہ خداوند کریم کی عادت کریمہ ہے کہ وہ اپنے دربار کے مجرموں کو کبھی کبھی سزا بھی دیتا ہے لیکن اکثر معاف فرمادیتا ہے مگر اپنے محبوبوں کی بارگاہ کے مجرموں کو اس قہار و جبار کی قہاری و جباری کبھی معاف نہیں فرماتی بلکہ ضرور ضرور عذاب میں مبتلا فرمادیتی ہے اس لئے جو لوگ اپنی بد عقیدگی یا جہالت سے انبیاء و اولیاء کی قبروں کے بارے میں زبان درازی یا عملی بے ادبی کرتے ہیں انہیں ہوش میں آنا چاہئے کہ خدا کی پکڑ بہت سخت ہے اور اس کا اپنے محبوبوں پر بڑا پیار ہے اور اپنے محبوب اور پیارے کی ہر چیز اور پیاری ہوتی ہے پھر خداوند تعالیٰ کے محبوب مطلق، نبی برحق حضور اکرم ﷺ کی قبر مکرم کا تو کیا کہنا؟ اللہ اکبر کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے ؎

معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائرو
کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک گھر کی ہے

کربلا کی قبریں شہید

خلیفہ بغداد متوکل علی اللہ عباسی اہل بیت کا انتہائی دشمن اور پکا خارجی تھا اس ظالم نے

1۔وفاء الوفاء جلد 2 ص 519

236ھ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور دوسرے شہداء کربلا رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس قبروں کو توڑ پھوڑ کر شہید کرادیا اور روضہ شریفہ کی تمام عمارتوں کو منہدم کرا کر کھیت بنا ڈالا اور کربلا کی زیارت سے لوگوں کو بالکل ہی روک دیا۔ یہاں تک کہ کربلا ایک ویران اور سنسان خوفناک صحرا بن گیا۔ اہل بغداد اور تمام دنیا اسلام کے مسلمان اس ظالمانہ حرکت پر انتہائی جوش اور طیش میں آگئے لیکن ایک ظالم و جابر حکومت کا کون مقابلہ کرے یہ ایک کٹھن مرحلہ تھا۔ مسلمانوں نے اظہار بیزاری کے لئے گالیوں سے بھرا ہوا اشتہار دیواروں اور مسجدوں میں لگانا شروع کردیا اور شعراء نے حکومت کی ہجو میں بڑے بڑے لرزہ خیز اور رقت انگیز اشعار لکھے مگر اس ظالم پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ اس دردناک واقعہ کے بعد اس ظالم حکومت کے دور میں کیسے کیسے عبرتناک و ہولناک اور ہلاکت آفریں قدرتی نشانات عذاب الٰہی بن کر نازل ہوئے۔ ان کی کچھ تفصیل سنئے اور جذبہ تحیر اور جوش عبرت میں سر دھنئے!

(1) 238ھ میں رومیوں نے اس سلطنت پر یلغار کر کے شہر سیاط کو لوٹ لیا اور قتل و غارت کا بازار گرم کر کے پورے شہر کو جلا ڈالا اور چھ سو عورتوں کو گرفتار کر کے سمندری راہ سے فرار ہوگئے۔

(2) 240ھ میں شہر اعلاط والوں نے آسمانی فضا سے ایک ایسی قیامت خیز گرج اور چیخ سنی اور بیشمار مخلوق خدا دہشت سے دہل کر مرگئی اور پورے عراق میں مرغی کے انڈے جتنے بڑے اولے پڑے اور بلاد مغرب کے تین گاؤں زمین میں دھنس گئے۔

(3) 241ھ میں آسمان سے ٹڈیوں کی طرح رات کے اکثر حصے میں ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے رہے اور اتنا بھیانک اور ڈراؤنا منظر نظر آنے لگا کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

(4) 242ھ میں اتنا زبردست زلزلہ آیا کہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے زمین پھٹ گئی اور بڑے بڑے غار بن گئے اور مصر کے گاؤں سویدار پر آسمان سے اتنے بڑے بڑے پتھروں کی سنگباری ہوئی کہ لوگوں نے ایک پتھر کا وزن کیا تو وہ دس رطل کا وزنی تھا اور یمن کا پہاڑ جس پر کھیتیاں تھیں اپنی جگہ سے چل کر بہت دور دوسرے کھیتوں میں چلا گیا اور اسی سال حلب میں ایک پرند نمودار ہوا جو گدھ سے کچھ چھوٹا تھا وہ دو دن چالیس چالیس مرتبہ بلند آواز سے اس طرح بولا، "یا معاشر

الناس اتقوا اللہ اللہ اللہ" اس واقعہ کو پرچہ نویسوں نے پانچ سو انسانوں کی گواہی سے تحریر کر کے دربار خلافت میں بھیجا۔

(5) 245ھ میں ایسا ہلاکت آفریں زلزلہ آیا کہ پوری سلطنت میں شہروں، قلعوں، پلوں کی تباہی سے سارا نظام سلطنت درہم برہم ہو گیا۔ اسی زلزلہ میں انطاکیہ کا ایک پہاڑ پھوٹ کر سمندر میں گر پڑا آسمان سے دہشت انگیز اور خوفناک آوازیں آنے لگیں۔ مصر میں ایک ایسی دل دہلا دینے والی چیخ سنی گئی کہ دہشت سے لوگوں کے دل پھٹ گئے اور ہزاروں لاکھوں جان دار مخلوق فنا کے گھاٹ اتر گئی۔ مکہ مکرمہ کے تمام چشمے خشک ہو گئے۔ چنانچہ متوکل نے ایک لاکھ دینار مکہ مکرمہ میں پانی کا انتظام کرنے کے لئے بھیجے۔

(6) 247ھ میں خود متوکل کے لڑکے منتصر باللہ نے سازش کر کے پانچ ترکوں کو آدھی رات میں متوکل کے خلوت خانہ میں بھیج دیا اور ان ترکوں نے متوکل اور اس کے وزیر ابن خاقان کو ٹھیک اس وقت جبکہ وہ دونوں خلوت خانے میں لہو و لعب کی مجلس گرم کر کے کیف و نشاط میں سرشار تھے قتل کر دیا(1)۔

مسجد نبوی کیوں جل گئی؟

خلیفہ بغداد مستعصم باللہ کے دور 654ھ میں رمضان کی پہلی رات کو مسجد کی قندیلیں جلانے والے کی مشعل سے مسجد نبوی میں ایسی تباہ کن آگ لگ گئی کہ پوری مسجد اور مسجد کی زیب و زینت کا پورا سامان جل کر راکھ ہو گیا۔ اہل مدینہ نے جان توڑ کوشش کی کہ آگ بجھ جائے مگر انتہائی جدوجہد کے باوجود آگ پر قابو نہیں پایا جا سکا۔

مسجد نبوی میں آتش زدگی سے عوام میں بڑا ہیجان پیدا ہو گیا اور طرح طرح کے شکوک و شبہات اور قسم قسم کی چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تو شیخ ابراہیم محمد کنانی رئیس المؤذنین نے یہ انکشاف کر کے سب کو حیرت میں ڈال دیا کہ مسجد کی جلی ہوئی دیواروں پر جا بجا یہ دو شعر قدرتی تحریروں میں لکھے ہوئے دیکھے گئے ۔

لَمْ يَحْتَرِقْ حَرَمُ النَّبِيِّ لِرِيْبَةٍ ... يُخْشٰى عَلَيْهِ وَمَا بِهٖ مِنْ عَادٍ

1۔ تاریخ الخلفاء ص232۔

لکِنَّہٗ اَیْدِی الرَّوَافِضِ لَا مَسَّتْ تِلْکَ الرُّسُوْمَ فَطُھِّرَتْ بِالنَّارِ

"نبی ﷺ کا حرم کسی خوفناک حادثہ کی وجہ سے نہیں جلا ہے اور یہ کوئی شرمناک واقعہ بھی نہیں ہے چونکہ روافض کے ہاتھوں نے ان تمام نشانات کو چھوڑ دیا تھا اس لئے یہ سب چیزیں آگ کے ذریعے پاک کی گئی ہیں۔"

اور واقعہ بھی یہی تھا ان دنوں مدینہ منورہ اور مسجد نبوی پر روافض کا پورا پورا غلبہ اور تسلط تھا چنانچہ شہر کا قاضی مسجد کے خطیب، مسجد کے خدام وغیرہ سب کے سب روافض ہی تھے۔ یہاں تک کہ ابن فرحون کا بیان ہے کہ کوئی شخص اہلسنت کی کتابوں کو مدینہ منورہ میں علانیہ پڑھ نہیں سکتا تھا۔(1)

تبصرہ:۔ اس میں شک نہیں کہ جس طرح صالحین اور نیکوں کی برکت سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اسی طرح بدعقیدہ اور بدعمل لوگوں کی نحوست سے قسم قسم کی بلائیں اور آفتیں آتی رہتی ہیں۔ اسی لئے بزرگان دین نے بدعقیدہ اور بدکار لوگوں کی صحبت سے انتہائی پرہیز رکھنے کا حکم دیا ہے۔ بزرگوں نے ایسے قافلوں کے ساتھ سفر کرنے اور ایسے محلوں میں مقیم رہنے سے انکار فرما دیا ہے جس میں بدمذہب، بدعقیدہ اور بدکار لوگوں کا ساتھ ہو ایسے قبرستانوں میں دفن کرنے سے بزرگوں نے سخت تنقید کے ساتھ منع فرمایا ہے جہاں بدعقیدہ اور بدکار لوگوں کی قبریں ہیں۔

حضرت جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ ؎

دور باش و دور شو از یار بد
یار بد بدتر بود از مار بد

یعنی برے دوست سے دور ہو جاؤ اور ایسے لوگوں سے ہمیشہ دور رہو کیونکہ برا ساتھی برے سانپ سے بھی زیادہ برا ہوتا ہے کیونکہ برا سانپ تو زیادہ سے زیادہ تمہاری جان لے لے گا مگر بدعقیدہ بدکار ساتھی تو تمہارا ایمان لے لے گا جو جان سے بھی زیادہ عزیز چیز ہے۔

بعض لوگ یوں کہا کرتے ہیں کہ ہم کو بدمذہبوں کی بداعتقادی سے کیا مطلب؟ ان کا عقیدہ ان کے ساتھ ہمارا عقیدہ ہمارے ساتھ مگر ایسے لوگ سخت دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں کون

1۔ وفاء الوفاء ص 600۔

نہیں جانتا کہ جو شخص تنور یا بھٹی کے پاس بیٹھے گا وہ لاکھ کوشش کرے مگر اس کو آگ کی گرمی ضرور پہنچے گی۔ اسی طرح بد عقیدہ و بدکار کی صحبت ضرور اپنا اثر دکھائے گی۔ کچھ نہیں ہو گا تو ان لعنتوں اور بلاؤں سے ضرور کچھ حصہ پالے گا۔ جو ان لوگوں پر ان کی نحوستوں کی وجہ سے اترتی رہتی ہے (والعیاذ باللہ تعالیٰ)۔

بھیڑیا اور بکری ایک ساتھ

موسیٰ بن اعین کہتے ہیں کہ جس دن سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور شروع ہوا کرمان میں بھیڑیے بکریوں کے ساتھ ساتھ ایک چراگاہ میں چرنے لگے اور کبھی کسی بھیڑیے نے کسی بکری پر حملہ نہیں کیا لیکن ایک رات بالکل ناگہاں ایک بھیڑیے نے ایک بکری کو پھاڑ ڈالا تو ہم لوگوں نے آپس میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا چنانچہ جب لوگوں نے اس کی جستجو اور تحقیقات کی تو پتہ چلا کہ اسی رات میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کا وصال ہوا تھا جس رات بھیڑیے نے بکری پر حملہ کیا تھا (1)۔

تبصرہ:۔ یہ تجربہ ہے کہ بادشاہ اور حاکم جس قدر عادل و منصف ہوں گے اسی قدر ملک میں امن وامان اور آرام و عافیت کا دور ہو گا اور اگر بادشاہ اور حکام بد نیت اور ظالم ہوں گے تو اس ملک میں ہر طرف ظلم ہی ظلم پھیلا ہو گا اور کسی کو آرام و عافیت کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہو گا اور بادشاہوں اور حاکموں کے عدل کی برکتیں اور ظلم کی نحوستیں انسانوں ہی تک محدود نہیں رہتیں بلکہ حیوانات و نباتات میں بھی ان کے اثرات کا ظہور ہوتا ہے ۔

ہیں جذب باہمی سے قائم نظارے سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

ایک لقمہ کا ضرر

حضرت شریک محدث دوسرے اپنے ہم عصر محدثین کی طرح بڑے متقی اور دیندار تھے بادشاہوں کی صحبت اور ملازمت سے انتہائی بیزار متنفر تھے لیکن ایک دن خلیفہ بغداد مہدی عباسی

1۔ تاریخ الخلفاء ص162۔

نے آپ کو دربار میں بلا کر مجبور کر دیا کہ آپ کو تین کاموں سے ایک کام کرنا ہی پڑے گا۔ یا تو آپ قاضی کا عہدہ قبول کیجئے۔ یا میرے شہزادوں کو تعلیم دیجئے یا ایک لقمہ دستر خوان پر میرے ساتھ بیٹھ کر کھا لیجئے۔ حضرت شریک یہ خیال کر کے کہ قاضی بن جانے یا شہزادوں کا معلم ہو جانے کی بہ نسبت ایک لقمہ کھا لینا بہتر ہے۔ چنانچہ آپ نے ان تینوں بلاؤں میں سے ایک لقمہ کھا لینا قبول فرمالیا۔ بادشاہ نے باورچی کو حکم دیا کہ شکر کی چاشنی میں مغزیات شامل کر کے قسم قسم کا کھانا تیار کرے۔ حضرت شریک محدث جیسے ہی بادشاہ کے دستر خوان پر بیٹھے باورچی نے لوگوں سے یہ کہہ دیا کہ حضرت شریک ایک ایسے جال میں پھنس گئے ہیں جس سے یہ کبھی رہائی نہیں پائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت شریک اس کے بعد شہزادوں کے معلم بھی بن گئے اور پھر خلیفہ کے دباؤ سے قاضی کا عہدہ بھی قبول کر لیا۔ شاہی دستر خوان کا ایک ہی لقمہ ان کے لئے اس قدر مضر بن گیا (1)۔

تبصرہ:۔ حقیقت یہ ہے کہ امراء و سلاطین اور اغنیاء کے دستر خوانوں کی یہ خاص تاثیر ہے کہ جو ان لوگوں کے دستر خوان پر کھانے لگتا ہے وہ انہیں لوگوں کی گانے لگتا ہے لہٰذا متقی علماء کی خیریت اسی میں ہے کہ ان لوگوں کے لقموں سے پرہیز رکھیں۔ حدیث شریف کا یہ مضمون ہے کہ جو شخص کھیت کی منڈیر پر بکری چرائے گا یقیناً کبھی نہ کبھی اس کی بکری کھیت میں بھی چرنے لگے گی اس لئے جو یہ چاہتا ہو کہ اس کی بکری کھیت میں نہ چرے اس کے لئے لازم ہے کہ وہ منڈیر پر بھی اپنی بکری کو نہ چرنے دے بلکہ کھیت اور اس کی منڈیر سے دور ہی اپنی بکریوں کو چرائے۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ امراء و سلاطین کی برائیوں سے بچا رہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ ان لوگوں سے دور ہی دور رہے جو شخص یہ گمان کرے کہ ہم امراء و اغنیاء کے دستر خوان پر کھانا کھالیں گے اور ان لوگوں کا نذرانہ لے لیں گے مگر ان لوگوں کی علتوں اور برائیوں سے بچے رہیں گے وہ سخت غلط فہمی کا شکار اور جہالت میں گرفتار ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کچھ لوگ یہ کہیں گے ہم امراء سے مل کر ان سے دنیا حاصل کر لیتے ہیں اور اپنے دین کو بچائے رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ مقولہ بالکل غلط ہے کیونکہ جس طرح کانٹے دار درخت سے کانٹے کے سوا کچھ نہیں چنا جا سکتا ہے۔ اسی طرح

1۔ تاریخ الخلفاء ص151۔

امراء کی صحبت سے برائیوں کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ مثل مشہور ہے کہ کاجل کی کوٹھڑی میں کپڑے ضرور داغدار ہوں گے اور کوئلے کی دلالی میں ہاتھ ضرور کالے ہوں گے۔

جب حضرت شریک محدث جیسے علم و عمل کے رستم اس دلدل میں پھنس گئے تو آج کل کے ہم جیسے "چھیدی، بقر عیدی" قسم کے ملا مولوی کس شمار میں اور کس قطار میں ہیں۔

غارت گردیں ہے یہ زمانہ
ہے اس کی نہاد کافرانہ

قبر میں شاعری

امام عمر نسفی تفسیر تیسیر اور منظومہ فی الفقہ کے مصنف جو مدرس الثقلین کے لقب سے مشہور ہیں۔ جن کی درسگاہ میں انسان اور جن دونوں تعلیم حاصل کرتے تھے ان کی وفات کے بعد ایک بزرگ خواب میں ان کی زیارت سے مشرف ہوئے تو دریافت کیا کہ منکر نکیر کے جواب میں آپ کا کیا حال رہا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جب منکر نکیر میری قبر میں سوال کے لئے آئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ تمہارے سوالوں کا جواب نثر میں دوں یا نظم میں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ نظم میں۔ تو میں نے فوراً یہ دو شعر پڑھ دیئے۔

رَبِّیَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ سِوَاہُ	وَنَبِیُّ مُحَمَّدٌ مُصْطَفَاہُ
میرا رب اللہ ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں	اور میرے نبی محمد ہیں جو خدا کے برگزیدہ ہیں
دِینِیَ الْاِسْلَامُ وَفِعْلِیْ ذَمِیْمٌ	اَسْئَلَ اللّٰہِ عَفْوَہٗ وَعَطَاہُ
میرا دین اسلام ہے اور میرا عمل برا ہے	میں اللہ تعالیٰ سے اسکے عفو اور اسکی عطا کا سائل ہوں

یہ بزرگ خواب سے بیدار ہوئے تو یہ دونوں شعر اس کو یاد ہو گئے تھے (1)

تبصرہ:۔ قبر میں منکر نکیر کے سوال کا وقت در حقیقت میت کے لئے بہت ہی مشکل اور کٹھن امتحان کی گھڑی ہے مگر یہ سب کے لئے مشکل اور پریشان کن امتحان نہیں ہے اللہ والے جن کے سروں پر اللہ تعالیٰ نے لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ کا تاج پہنا کر انہیں امن و امان اور بے خوفی اطمینان کا سلطان بنا دیا ہے ان کے لئے منکر و نکیر کا سوال گویا تفریح خاطر کا ایک

1۔

دلچسپ سامان ہے۔ ان خاصان خدا کے لئے قبر میں نہ خوف ہے نہ دہشت اور گھبراہٹ۔ خداوند قدوس نے اپنے برگزیدہ بندوں کو نفس مطمئنہ کی دولت سے مالامال کر دیا ہے اس لئے ان لوگوں کے لئے قبر میں حشر و نشر میں کہیں بھی بال برابر رنج و ملال کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا تو قبر کی تنہائی اور اس کی ظلمت و وحشت سے لرزہ براندام رہتی ہے مگر اللہ والے قبر کی انمول نعمتوں اور لذت بخش راحتوں کے تصور میں مگن ہو کر جلد سے جلد قبر کے جنتی باغ میں پہنچنے کی تمنائیں فرماتے رہتے ہیں۔ کفن کا لباس زیب تن فرما کر مسرت میں پھولے نہیں سماتے۔ حضرت مولانا آسی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ۔

آج کیوں پھولے سمائیں گے کفن میں آسی
قبر کی رات ہے اس گل سے ملاقات کی رات

چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ عالم ربانی عمر نسفی نے نہایت سکون واطمینان کے ساتھ اپنی قبر میں فی البدیہہ شاعری فرمائی اور نظم میں منکر نکیر کے سوالوں کا جواب دیا۔ اب آپ ہی فیصلہ فرمایئے کہ کیا دہشت زدہ اور خوف و ہراس میں گھبرائے ہوئے حیران و پریشان انسان کو کہیں شعر و شاعری سوجھے گی؟

برادران ملت! اس سے معلوم ہوا کہ مرتے سب ہیں اور مرنے والے قبر میں دفن بھی کئے جاتے ہیں مگر ہر میت اور ہر قبر یکساں اور برابر نہیں ہے قبر کسی میت کے لئے دہشت گھبراہٹ کا خوفناک مکان ہے اور کسی مردہ کے لئے جسمانی و روحانی راحتوں کا نشان اور دائمی مسرتوں کا سامان ہے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اَلْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ اَوْ حُفْرَۃٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ یعنی کسی کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور کسی کی قبر جہنم کے گڑھوں سے ایک گڑھا۔ اللہ اکبر! کہاں جنت کا باغ اور کہاں جہنم کا گڑھا؟ کون کہہ سکتا ہے کہ سب مردے یکساں اور سب قبریں برابر درجے کی ہیں؟

یہی وجہ ہے کہ حضرات اہلسنت قبرستان میں بزرگان دین کی قبروں پر پھول ڈال کر چادر چڑھا کر اظہار کرتے ہیں کہ قبرستان کی سب قبریں درجات و مراتب میں برابر نہیں ہیں جو لوگ اپنی بدعقیدگی یا جہالت کی وجہ سے تمام قبروں کی مٹی کا ڈھیر کہہ کر قبروں کی توہین و بے ادبی کرنے کو توحید کا نشان بنائے ہوئے ہیں خدا کرے انہیں ان احادیث اور حقیقت افروز واقعات

کے نورانی ستاروں سے کچھ روشنی مل جائے اور وہ جہالت کی بھول بھلیاں سے نکل کر حق نما معرفت وہدایت کی شاہراہ پر گامزن ہو جائیں ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ ؎

براہیمی نظر پیدا بڑی مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں

حجاز کی آگ

3/ جمادی الآخرۃ 654ھ کو مدینہ منورہ میں ناگہاں ایک گھر گھراہٹ کی آواز سنائی دینے لگی۔ پھر خوفناک زلزلہ آیا اور اس زلزلے کے جھٹکے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد دو دن تک محسوس کئے جاتے رہے۔ پھر اچانک قبیلہ قریظہ کے قریب سنگستان میں ایک ایسی خوفناک آگ نمودار ہوئی جس کے بلند شعلے مدینہ سے ایسے نظر آرہے تھے گویا یہ آگ مدینہ منورہ کے گھروں میں لگی ہوئی ہے پھر یہ آگ بہتے ہوئے نالوں کی طرح سیلاب کے مانند بہتی ہوئی پھیلنے لگی اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ پہاڑیاں آگ بن کر بہتی چلی جارہی ہیں اور پھر اس کے شعلے اتنے بلند ہو گئے کہ آگ کا ایک پہاڑ نظر آنے لگا اور آگ کے شرارے فضاؤں میں اڑنے لگے۔ یہاں تک کہ اس آگ کی روشنی مکہ مکرمہ سے نظر آنے لگی اور تمام اہل مدینہ اس ہولناک منظر سے گھبراہٹ اور دہشت کے عالم میں توبہ واستغفار کرتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر انور کے پاس مجتمع ہو گئے اور ایک ماہ سے زیادہ عرصہ تک یہ آگ چلتی رہی اور پھر خود بخود بجھ گئی کہ اس کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہا۔

تبصرہ:۔ حجاز مقدس کی اس آگ کے بارے میں امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اس آگ کی خبر متواتر روایات سے ثابت ہے اور یہ وہی آگ ہے جس کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ:

> "اس وقت تک قیامت نہیں قائم ہو گی یہاں تک کہ حجاز سے ایک ایسی آگ نکلے گی جس کی روشنی میں بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں نظر پڑیں گی۔(1)"

چنانچہ بہت سے لوگوں نے بصریٰ میں رات کو اسی آگ کی روشنی میں اونٹوں کی گردنوں کو

1۔ تاریخ الخلفاء،324۔

دیکھ لیا۔

اس حکایت کا ایک ٹکڑا خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ اہل مدینہ نے اس دہشت ناک منظر کو دیکھ کر گھبراہٹ اور سراسیمگی کے عالم میں خانہ کعبہ کا رخ نہیں کیا بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر انور کو ملجا و ماویٰ سمجھ کر سب کے سب دربار رسول میں حاضر ہو کر توبہ و استغفار میں مشغول ہو گئے۔ کیوں نہ ہو کہ مدینہ منورہ کے علماء اور عوام سب کے پیش نظر قرآن مجید کا یہ فرمان تھا کہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝ یعنی اگر لوگ کوئی گناہ کر لیں تو انہیں چاہئے کہ اے محبوب وہ لوگ آپ کے دربار میں حاضر ہو کر خدا سے مغفرت کی دعا مانگیں اور رسول بھی ان کے لئے دعائے مغفرت فرما دیں تو یقیناً یہ گناہ گار لوگ اللہ کو بہت زیادہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا پائیں گے۔

الحمد للہ! کہ ہم سنی مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ اور عمل ہے کہ ہر گناہ سے توبہ و استغفار کے وقت حضور انور ﷺ کی ذات اکرم کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں وسیلہ بنا کر ہم لوگ دربار رسول ﷺ کی حاضری کا شرف حاصل کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرمان جَآءُوْكَ (لوگ رسول پاک کے پاس آئیں) پر عمل کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ توفیق فرما دیتا ہے تو مدینہ منورہ حاضر ہو کر بھی جَآءُوْكَ کی شرط مغفرت کو پوری کر لیتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا ہے

مجرم بلائے آئے ہیں جَآءُوْكَ ہے گواہ — پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے
بد ہیں مگر انہیں کے ہیں باغی نہیں ہیں ہم — نجدی نہ آئے اس کو یہ منزل خطر کی ہے
بے ان کے واسطے ملے خدا کچھ عطا کرے — حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے
مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے — سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے
حاشا تو کیا کہ خلیل جلیل کو — کل دیکھنا کہ ان سے تمنا نظر کی ہے
لب واہیں آنکھیں بند ہیں پھیلی ہیں جھولیاں — کتنے مزے کی بھیک تیرے پاک در کی ہے

آ کچھ سنا دے عشق کے بولوں کی اے رضا
مشتاق طبع لذت سوز جگر کی ہے

ملک الموت کی تحریر

مشہور حافظ حدیث اسلم کا بیان ہے کہ ایک رات مجھے یہ حدیث یاد آئی کہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنا وصیت نامہ لکھ کر رکھ دے چنانچہ میں نے قلم دوات اٹھایا کہ وصیت نامہ تحریر کروں لیکن مجھ پر نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ میں سو گیا اور وصیت نامہ نہیں لکھ سکا۔ اچانک خواب میں مجھے یہ نظر آیا کہ ایک سفید پوش نہایت ہی خوبصورت بزرگ جن کے جسم سے خوشبو اڑ رہی تھی میرے مکان میں داخل ہو گئے۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں ملک الموت ہوں یہ سن کر مارے ڈر کے لرزہ براندام ہو گیا تو انہوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ تم بالکل نہ ڈرو۔ اس وقت میں تمہاری روح قبض کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ میں نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے ان سے یہ گزارش کی کہ آپ میرے لئے نجات کا ایک پروانہ ہی تحریر فرما دیجئے تو انہوں نے فرمایا کہ بہت اچھا۔ قلم دوات اور کاغذ لاؤ۔ چنانچہ وہی قلم دوات اور کاغذ میں سرہانے رکھ کر سو گیا تھا ان کے سامنے پیش کر دیا۔ تو انہوں نے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ. اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ. پورے کاغذ پر نیچے اوپر تحریر فرما کر مجھے یہ کہہ کر عطا فرمایا کہ لو یہ تمہاری نجات کا پروانہ ہے۔ یہ خواب دیکھ کر میں گھبرایا ہوا بیدار ہوا اور فوراً ہی چراغ منگا کر میں نے دیکھا تو وہی کاغذ میرے سرہانے پڑا ہوا تھا اور اس کے دونوں طرف پورے کاغذ پر استغفر اللّٰہ لکھا ہوا تھا۔(1)

تبصرہ:۔ بلاشبہ بزرگوں کا خواب سچا ہوتا ہے اور حضرت ملک الموت علیہ السلام کی تحریر میں اس طرف صاف صاف اشارہ ہے کہ توبہ واستغفار نجات کا پروانہ ہیں اللّٰہ ہم سب کو ہر دم توبہ و استغفار کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ.

اے مرے معبود حق اے کردگار — سارے عالم کا تو ہے پروردگار
ناز ہے اتنی سی نسبت پر مجھے — میں ہوں مجرم اور تو آمرز گار
بخش دے یارب خطائیں سب مری — تو ہے غفار اور میں عصیاں شعار

1۔ شرح الصدور ص178۔

تیری رحمت پر بھروسہ ہے مجھے فضل کا تیرے ہوں میں امیدوار
خاک پائے مصطفیٰ ہے اعظمیٰ
حشر میں یا رب نہ ہو یہ شرمسار

سفید بالوں کا اعزاز

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ محمد بن صالح خواص نے قاضی یحییٰ بن اکثم کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو دریافت کیا کہ کہئے خداوند تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو قاضی یحییٰ نے جواب دیا کہ میں جب دربار خداوندی میں حاضر کیا گیا تو تین مرتبہ میرے مولا نے مجھ سے یہ فرمایا کہ:

"اے بدکار بڈھے اگر تیرے بال سفید نہ ہوتے تو میں تجھ کو جہنم میں جلا دیتا۔"

یہ سن کر میرا وہی حال ہوا جو ایک خطاکار غلام کا اپنے ناراض مولا کے سامنے ہوا کرتا ہے خوف و دہشت سے میرے ہوش اڑ گئے لیکن جب میرے ہوش و حواس بجا ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ اے پروردگار تیرا یہ کلام تو دنیا میں کبھی کسی سے میں نے نہیں سنا تھا تو میرے رب نے باوجودیکہ اس کو سب کچھ علم ہے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تو نے دنیا میں کیا سنا تھا؟ تو میں نے اپنی سند سے یہ حدیث پڑھ دی کہ:

"مجھ سے عبدالرزاق رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کیا انہوں نے معمر بن راشد رحمتہ اللہ علیہ سے سنا۔ انہوں نے زہری رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کی انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے تیرے نبی ﷺ سے سنا، انہوں نے جبرئیل سے انہوں نے اے عظمت والے رب تجھ سے روایت کی کہ تو نے یہ ارشاد فرمایا کہ جو میرا بندہ اسلام میں بوڑھا ہو گیا مجھے اس سے شرم آتی ہے کہ میں اس کو جہنم میں عذاب دوں۔"

میری زبان سے میرے رب کریم نے یہ حدیث سن کر یہ ارشاد فرمایا:

"عبدالرزاق نے سچ کہا، معمر نے سچ کہا، زہری نے سچ کہا، انس نے سچ کہا، میرے نبی سچے ہیں، جبرئیل سچے ہیں بیشک میں نے یہی فرمایا ہے اے فرشتو! قاضی یحییٰ کو

جنت میں لے جاؤ۔(1)"

تبصرہ:۔ کسی مسلمان کا اسلامی زندگی بسر کرتے ہوئے اتنی طویل عمر پا جانا کہ اس کے بال سفید ہو جائیں بلاشبہ یہ مومن کے لئے سرمایہ سعادت اور عظمت و وقار کا باعث ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ سب سے پہلے جس شخص کا بال سفید ہوا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں چنانچہ انہوں نے اپنے چند بالوں کو سفید دیکھ کر باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار یہ کیا ہے؟ تو ارشاد ربانی ہوا کہ اے ابراہیم یہ وقار ہے تو آپ نے یہ دعا مانگی رَبِّ زِدْنِیْ وَقَاراً. اے میرے پروردگار تو میرے وقار کو بڑھادے۔

جوانوں کو لازم ہے کہ بوڑھوں میں کوئی خاص کمال نہ ہونے کے باوجود بھی سفید بالوں کا اعزاز کرتے ہوئے ان کا اکرام واحترام کرتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی بوڑھے مسلمان کا اس کے بڑھاپے کی بناء پر اعزاز واحترام کرے گا تو اللہ تعالیٰ کچھ ایسے لوگوں پیدا فرمادے گا جو اس کے بڑھاپے کے وقت اس کا احترام واکرام کریں گے۔

جو بوڑھوں کا اکرام کرتے رہو گے
رہو گے بڑھاپے میں تم بھی مکرم

استحضارِ علمی

خلیفہ دمشق عبدالملک بن مروان خلفاء بنو امیہ میں اسلامی علوم و فنون کا بہت ہی ماہر تھا۔ چنانچہ "ابوالزناد نے تو یہاں تک فرمایا کہ مدینہ کے فقہاء چار ہیں: 1۔ سعید بن مسیب، 2۔ عروہ بن زبیر، 3۔ قبیصہ بن ذویب، 4۔ عبدالملک بن مروان۔ سلفی نے طیوریات میں بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت خلیفہ عبدالملک بن مروان کے سامنے حاضر ہوئی اور یہ کہا کہ اے امیر المومنین! میرے بھائی کا انتقال ہو گیا اور اس نے چھ سو دینار مال چھوڑا۔ لوگوں نے اس سے مجھے صرف ایک دینار دیا ہے اور کہتے ہیں کہ میراث میں اتنا ہی تیرا حق ہے اے امیر المومنین! میرا کتنا حق ہوتا ہے میرا پورا حق مجھے دلادیجئے عبدالملک یہ سن کر چکرا گیا اور فوراً حضرت امام شعبی رحمتہ اللہ علیہ کو بلا کر دریافت کیا تو انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ امیر المومنین! اس عورت کا حق واقعی ایک ہی دینار ہوتا ہے اس کے بھائی نے اپنے وارثوں میں دو لڑکیاں چھوڑی ہوں گی تو دو ثلث

1۔ شرح الصدور ص 118۔

یعنی چار سو دینار تو دونوں لڑکیوں کا ہو گیا اور اس کی ماں بھی وارث ہو گی تو ایک سدس یعنی ایک سو دینار اس کا حصہ ہو گیا اور بیوی بھی وارث ہو گی تو پچھتر دینار اس کو مل گیا اور بارہ بھائی ہوں گے تو دو دو دینار ہر ایک بھائی کو عصبہ ہونے کی بناء پر ملیں گے اور ایک دینار اس کو ملے گا۔ عورت نے اس کی تصدیق کی کہ واقعی میرے بھائی کے وارثوں کی فہرست یہی ہے اور وہ مطمئن ہو کر چلی گئی۔ خلیفہ عبدالملک حضرت امام شعبی رحمتہ اللہ علیہ کے اس استحضار علمی پر حیران رہ گیا(1)۔"

تبصرہ:۔ اس قدر علمی یادداشت اور علوم و فنون پر قدرت بلاشبہ عجائبات میں شمار کرنے کے قابل ہے۔ علماء سلف میں تو اس کی بہت سی مثالیں ملیں گی۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی نے اپنی تاریخ الخلفاء کے ص219 پر تحریر فرمایا ہے کہ بالکل یہی صورت مسئلہ ایک مرتبہ خلیفہ بغداد مامون رشید کے سامنے پیش کی گئی تو اس نے بھی اسی طرح جواب دیا۔ مگر آج کل قحط الرجال کے دور میں تو اس قسم کی مثالیں نوادرات ہی شمار کی جائیں گی کیونکہ عام طور پر آج کل بزرگوں کی خانقاہوں اور اساتذہ کی درس گاہوں میں ایسے ہی لوگ بیٹھے ہیں جنہیں دیکھ کر ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر اداآ جاتا ہے کہ ؎

زاغوت کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن آئی ہے وارثت میں انہیں پیر کی گدی

لیکن بہر حال یہ دور بھی غنیمت ہی ہے طلبہ کی بد شوقی اور علوم اسلامیہ کا انحطاط کا عالم دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید نصف صدی گزرنے کے بعد یہ حال ہو جائے گا کہ ؎

"علماء درگور و علم در کتاب"

مگر یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا محافظ ہے اس لئے وہ ضرور ہر دور میں ایسے خوش نصیبوں کو پیدا فرماتا رہے گا جو اس کے حبیب ﷺ کے علم نبوت کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھیں گے یہ اور بات ہے کہ ان لوگوں کی تعداد کم ہوتی جائے گی۔

نہیں مایوس اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

1۔ تاریخ الخلفاء ص154۔

خلیفہ سلیمان کی خوراک

خلفاء بنوامیہ میں سلیمان بن عبدالملک بڑی شان و شوکت کا سلطان ہو گزرا ہے۔ جلد اول میں اس کی چند حکایات بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی عجائبات میں سے ہے کہ یہ بہت ہی کثیر خوراک والا تھا۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک نشست میں یہ چھ مرغیاں، ایک بکرا ستر انار تقریباً چھ کلو کشمش کھا کر اٹھا۔ نہایت ہی تندرست، خوشرو اور خوب صورت جوان تھا۔ یحییٰ غسانی کا بیان ہے کہ ایک دن سلیمان بن عبدالملک نے آئینہ میں اپنا حسین و جمیل چہرہ دیکھا تو یہ کہا کہ حضرت محمد ﷺ خدا کے نبی ہیں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ صدیق تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حیادار تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حلیم تھے اور عبدالملک سیاسی تھے اور ولید بن عبدالملک میرا بھائی ظالم تھا اور میں بادشاہ شباب ہوں۔

اس کلام کے بعد ایک مہینہ بھی نہیں گزرا کہ 10 صفر بروز جمعہ 99ھ میں اس کا انتقال ہو گیا(1)۔

اس میں شک نہیں کہ سلیمان بہت ہی کثیر مقدار میں کھانے والا نہایت ہی پیٹو انسان تھا لیکن اس کے شاندار اصلاحی کارنامے بلاشبہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کے بارے میں فرمایا کہ كان من خيار ملوك بنی اُمیّه یعنی یہ شخص بنو امیہ کے بادشاہوں میں ایک نہایت ہی اچھا بادشاہ تھا۔ فصاحت و بلاغت میں ممتاز اور عدل میں یکتا، پابند شرع اور جہاد فی سبیل اللہ کا شیدائی تھا۔ اسی طرح اولیاء و محدثین کے سرگروہ حضرت محمد بن سیرین اس سلیمان بن عبدالملک کے لئے اس طرح دعا فرمایا کرتے تھے کہ:

"کہ اللہ تعالیٰ سلیمان بن عبدالملک پر اپنی رحمت نازل فرمائے اس نے اپنی خلافت کا افتتاح اس طرح کیا کہ پوری سلطنت میں ہر نماز کو اول وقت میں ادا کرنے کا اہتمام کیا اور اپنی خلافت کا خاتمہ اس طرح کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اپنا جانشین بنا کر دنیا سے رخصت ہوا۔"

1۔ تاریخ الخلفاء ص175۔

تبصرہ:۔ سلیمان بن عبدالملک کی خوش پوشاکی اور کثیر خوراک کے باوجود جلیل القدر اماموں کو اس کی مدح و ثنا کے ساتھ اس کے لئے دعا کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محض کم خوراکی اور پھٹے پرانے کپڑوں پر تقویٰ و بزرگی کا دارومدار نہیں ہے۔ قلیل غذا، سادہ لباس اگرچہ عام طور پر بزرگوں کا طریقہ رہا ہے مگر یہ پرہیزگاری اور تقویٰ شعاری کا کوئی خاص معیار نہیں ہے بلکہ لذیذ و کثیر غذا کھا کر اور نفیس پوشاک پہن کر بھی اگر کوئی شخص تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی بسر کرے اور شریعت مطہرہ کی پابندی اور خدا کی عبادت کرے تو بلاشبہ یہ شخص بھی متقی و پرہیزگار اور محمود خلائق و محبوب پروردگار سمجھا جائے گا چنانچہ بہت سے اولیاء اللہ مثلاً حضرت خواجہ عبیداللہ احرار نقشبندی رضی اللہ عنہ جن کی بزرگی پر تمام امت کا اجماع ہے عام مؤرخین کا ان کے بارے میں یہی بیان ہے کہ یہ شاہانہ خوراک و پوشاک والے تھے اطلس و زربفت کے خیموں میں کمخواب کا فرش بچھا کر اور مسند لگا کر شاہانہ کروفر کے ساتھ نشست فرمایا کرتے تھے اور سفر میں آپ کے جلوس کے ساتھ آپ کے جھنڈے کے نیچے بہت سے سلاطین و امراء دست بستہ پاپیادہ چلتے تھے۔ چنانچہ مولانا جامی علیہ الرحمہ نے ان ہی حقائق کی طرف لطیف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ؎

چہ فقر اندر لباس شاہی آمد   بہ تدبیر عبید اللہی آمد

یعنی جب درویشی و شاہی کے لباس میں آئی تو حضرت عبیداللہ احرار کی تدبیر سے آئی۔

بہرحال عوام کا جو آج کل یہ نظریہ ہو گیا ہے کہ فلاں شخص بہت بزرگ ہیں کیونکہ وہ صرف جنگلی درختوں کے پتے کھاتے ہیں اور ٹاٹ کا لباس پہنتے ہیں۔ زمین پر بلا بستر کے سوتے ہیں یہ نظریہ سراسر جاہلانہ ہے لباس اور غذا بزرگی کا کوئی معیار نہیں بلکہ درحقیقت بزرگی کا دارومدار تقویٰ، اتباع شریعت ہے ایک خوش خوراک و خوش پوشاک مسلمان بھی اگر وہ متقی و پرہیزگار اللہ و رسول کا فرمانبردار اور اپنے پروردگار کا عبادت گزار ہے تو بلاشبہ وہ بزرگ اور خدا کا برگزیدہ بندہ ہے اور یقیناً وہ اس قابل ہے کہ اگر خداوند قدوس اپنا فضل فرمائے تو اس کو ولایت و کرامت کا تاجدار بنا دے۔

فارسی کی مشہور کہاوت ہے کہ "در عمل کوش ہرچہ خواہی پوش" یعنی عمل میں کوشش کرو اور جو لباس چاہو پہنو!

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے اس بارے میں کیا خوب ارشاد فرمایا ہے کہ ؎

دلقت بچہ کار آید و تسبیح و مرقع   خود راز عملہائے نکوہیدہ بری دار
حاجت بہ کلاہ برکی و اشتنت نیست   درویش صفت باش وکلاہ تری دار

یعنی کفن، تسبیح اور گدڑی تمہارے کیا کام آئے گی؟ تم برے اعمال سے اپنے کو بچائے رکھو۔ کلاہ برکی پہننے کی تم کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم درویشوں کی صفت اپنے اندر پیدا کرلو اور کلاہ تتری (سپاہیوں کی ٹوپی) پہنو۔

کیوں؟ اس لئے کہ بزرگی کا معیار اور ولایت کا دارومدار لباس و خوراک نہیں بلکہ ایمان کامل اور اعمال صالحہ کے ساتھ تقویٰ و پرہیز گاری یہ درحقیقت ولایت و بزرگی کی عمارت کے بنیادی پتھر ہیں جن پر ولایتوں اور کرامتوں کے فلک بوس محلات قائم ہیں۔ کیا خوب فرمایا کسی حقیقت شناس نے ؎

توحید کا پیغام نہ ہندی نہ عراقی   اسلام کے نقشہ میں نہ قندھار نہ جمرود
جب تک کہ ابراہیم کی فطرت نہ ہو پیدا   وجدان بھی آذر ہے تخیل بھی نمرود
ایمان کے سائے میں خطائیں بھی ہیں مقبول   بے جذب یقین نیکی اعمال بھی مردود

مامون رشید کا دستر خوان

بادشاہ بغداد مامون رشید کا دستر خوان بھی درحقیقت عجائبات میں شمار کرنے کے قابل ہے مشہور عالم محمد بن حفص انماطی کا بیان ہے کہ عید کے دن ہم لوگ دوپہر کے کھانے میں مدعو ہو گئے تو تین سو سے زائد قسم کے کھانے دستر خوان پر رکھے گئے۔ جو کھانا دستر خوان پر رکھا جاتا مامون رشید اس کو دیکھ کر یہ کہتا کہ یہ کھانا فلاں فلاں امراض کے لئے مفید اور فلاں فلاں بیماریوں کے لئے مضر ہے۔ بلغمی مزاج والے اس کو نہ کھائیں۔ صفراوی مزاج والے اس کو ضرور کھائیں۔ سوادی مزاج والوں کو اس سے احتیاط بہتر ہے۔ غرض ہر کھانے کے بارے میں اس کے فوائد و نقصانات پر سیر حاصل گفتگو کرتا۔ یہاں تک کہ مامون رشید کی اس وسعت معلومات کو دیکھ کر قاضی یحییٰ بن اکثم یہ کہنے لگے اے امیر المومنین! آپ جب علم طب میں بحث کرتے ہیں تو اپنے وقت کے جالینوس معلوم ہوتے ہیں اور علم نجوم میں آپ پر ہرمس کا گمان ہوتا ہے۔ بات کی صداقت میں دیکھئے تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی شان کی یاد آجاتی ہے فقہی معلومات میں

مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقاہت کا جلوہ نظر آتا ہے۔ سخاوت میں حاتم طائی اور ایفاء وعدہ میں سموئل بن عادیا نظر آتے ہیں۔ یہ سن کر مامون رشید نے کہا کہ قاضی صاحب! تمام جاندار مخلوقات میں انسان اشرف المخلوقات اسی لئے تو ہے کہ وہ جوہر عقل کی دولت سے مالا مال ہے ورنہ انسان کے گوشت و خون اور دوسرے جانوروں کے خون اور گوشت میں کیا فرق ہے؟(1)

تبصرہ:۔ اس حکایت سے جہاں مامون رشید کی کھانوں کے معاملہ میں وسیع معلومات کا پتہ چلتا ہے وہاں اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ خلفاء بنو عباس کے دور میں خوراک کا معیار کتنا بلند تھا اور باورچیوں کا فن کس قدر ترقی کر چکا تھا کہ ایک دستر خوان پر یک وقت تین سو قسموں سے زائد اقسام کے کھانے پیش کئے گئے پھر اس حکایت سے یہ حقیقت بھی آفتاب بن کر نمودار ہو جاتی ہے کہ سلاطین اسلام کو طبقہ علماء سے کتنی عقیدت تھی کہ وہ عید وغیرہ تہواروں کے موقعوں پر علماء کو اپنے دستر خوانوں پر مدعو کر کے ان کی میزبانی کرنے کو اپنے لئے سرمایہ عزت و سامان آخرت تصور کرتے تھے اور علماء کرام کے اعزاز اور خدمت گزاری کو خدا و رسول کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

مگر آج کل جبکہ مسلمانوں کے اقبال کا سورج بالکل غروب ہو چکا ہے مسلمان امراء کا یہ حال ہے کہ تہواروں اور شادیوں کے موقعوں پر علماء کی دعوتوں کا انہیں خیال نہیں آتا بلکہ علماء کی موجودگی کو یہ لوگ نحوست سمجھتے ہیں۔ ہاں جب سوئم یا چہلم میں میت کے ایصال ثواب کا کھانا پکاتے ہیں تو اس وقت فقیروں کے ساتھ مولویوں کو بھی دعوت دیتے ہیں اور اگر کوئی غیرت مند مولوی میت کے کھانوں سے اظہار معذرت کرتا ہے تو سیٹھ صاحبان گرجتے ہیں کہ دعوت قبول کرنا سنت ہے۔ مولانا نے ہماری دعوت کیوں نہیں قبول کی؟ غریب مولویوں کو پچاسوں صلواتیں سنانے لگتے ہیں لیکن خوشی کی دعوتوں میں جب یہ سیٹھ صاحبان لیڈروں، پلیڈروں، ایکٹروں، ایکٹرسوں کو موٹروں پر اعزاز کے ساتھ بلا کر بلا تکلف کھانے کھلاتے ہیں اس وقت یہ مسئلہ بھول جاتے ہیں اور انہیں ذرا بھی توفیق نہیں ہوتی کہ علماء کرام کو مدعو کریں اور پھر دیکھیں

1۔ تاریخ الخلفاء ص219۔

کہ علماء پابند سنت ہیں یا تارک سنت؟

افسوس! مسلمانوں کی ذہنیتوں میں کتنا بڑا انقلاب عظیم ہو گیا۔ گانے بجانے اور ناچنے کا رواج ہر دور میں رہا مگر تاریخ میں اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا کہ ناچنے گانے والوں کو کبھی عزت کی نظر سے دیکھا گیا ہو بلکہ گانا بجانا سننے والوں کی نظر میں بھی یہ پیشہ کرنے والے ذلیل و حقیر ہی شمار کئے جاتے رہے ہیں اور شرفاء نے کبھی اس بات کو گوارا نہیں کیا کہ کسی طوائف کو عزت کے ساتھ اپنے دستر خوان پر بلایا ہو یا اپنے برابر بٹھایا ہو مگر آج مسلمانوں کا یہ ذوق ہو گیا ہے کہ سینما میں گانے اور ناچنے والے ایکٹروں کا اتنا اعزاز و اکرام کیا جاتا ہے کہ محفلوں میں ان کی شرکت کو باعث افتخار سمجھا جاتا ہے افسوس! تف ہے مسلمانوں کی اس غلامانہ ذہنیت پر۔ سچ کہا ہے شاعر مشرق نے کہ ؎

تھا جو نا خوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتے ہیں قوموں کے ضمیر

ابو جہل کی پیاس

امام طبرانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اوسط میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں بدر کی اطراف میں چل رہا تھا تو بالکل اچانک گڑھے میں سے ایک شخص نکلا جس کی گردن میں زنجیر بندھی تھی اس نے مجھے پکارا کہ اے عبداللہ! مجھے پانی پلا دے پھر اسی گڑھے سے ایک اور شخص نکلا جس کے ہاتھ میں کوڑا تھا اور اس نے مجھ سے کہا اے عبداللہ! اس کو پانی مت پلانا یہ کافر ہے یہ کہہ کر اس کو کوڑا مارا تو وہ شخص پھر اسی گڑھے میں چلا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ میں آکر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا کیا تم نے اس شخص کو دیکھ لیا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں تو فرمایا کہ یہ شخص خدا کا دشمن ابو جہل تھا۔ قیامت تک بدر کے گڑھے میں اسی طرح عذاب میں گرفتار رہے گا(1)۔

1۔ شرح الصدور ص 76۔

آدھا سر آدھی داڑھی سفید

امام مکحول رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا جس کے سر کے ایک طرف کے آدھے بال اور آدھی داڑھی سفید، آدھا سر اور آدھی داڑھی سیاہ تھی۔ امیر المومنین نے اس کا سبب دریافت فرمایا تو اس نے بتایا کہ میں رات کو ایک قبرستان میں گیا تو دیکھا کہ ایک آدمی ایک آدمی کے پیچھے کوڑا ہاتھ میں لئے دوڑا رہا ہے اور جب اس کو پالیتا ہے تو کوڑا مارتا ہے اور کوڑا مارتے ہی اس شخص کا بدن سر سے قدم تک جل کر شعلہ مارنے لگتا ہے۔ میں جب اس کے قریب پہنچا تو وہ ایک دم دوڑ کر مجھ سے چمٹ گیا اور کہا کہ اے اللہ کے بندے! مجھے بچا۔ پھر کوڑا مارنے والے نے کہا اے اللہ کے بندے تو اس کی فریاد رسی مت کر یہ کافر ہے۔ اس شخص کے میرے بدن سے چمٹ جانے کا یہ اثر ہوا کہ جس طرف اس کا بدن میرے بدن سے چھو گیا اس طرف کا میرا آدھا سر اور آدھی داڑھی سفید ہو گئی۔ یہ سن کر امیر المومنین نے فرمایا یہی وجہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اکیلے سفر کرنے سے منع فرمایا ہے(1)۔

اچانک چار انگلی غائب

علامہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب عیون الحکایات میں اپنی سند کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کہ ایک شخص جب اپنے بھائی کو قبر میں دفن کر چکا۔ تو قبر سے اُوہ کی آواز آئی بھائی کی محبت نے جوش مارا، قبر کھود کر دیکھنے کا ارادہ کیا تو ایک غیبی آواز آئی کہ قبر مت کھول۔ یہ شخص رک گیا مگر جب دوسری اور تیسری مرتبہ قبر کے اندر سے اوہ کی آواز آئی تو پھر اس سے صبر نہ ہو سکا اس نے قبر کی مٹی ہٹا کر کھول دیا تو یہ دیکھا کہ لاش آگ کا طوق پہنے ہے اور پوری قبر میں آگ کے شعلے ہیں۔ اس شخص نے جھٹ طوق پر ہاتھ ڈالا کہ میت کے گلے میں سے اس کو جدا کر دے ہاتھ پڑتے ہی ہاتھ کی چار انگلیاں ایکدم اچانک ہاتھ سے غائب ہو گئیں اس شخص کا بیان ہے کہ میں نے اس واقعہ کو محدث شام امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہودی، نصرانی اور دوسرے کفار بھی مرتے ہیں مگر ان کی قبروں میں ایسا معاملہ نہیں دیکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک موحد کی قبر میں تم لوگوں کو یہ منظر دکھا دیا تاکہ تم لوگ عبرت پکڑو(2)۔

1۔ شرح الصدور ص 74۔ 2۔ شرح الصدور ص 74۔

ایک قاتل کی قبر کا منظر

صدقہ بن خالد نے دمشق کے بعض مشائخ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حج کے سفر میں ہمارا ایک ساتھی مر گیا ہم نے کدال سے اس کی قبر کھودی اور اس کو دفن کر دیا مگر غلطی سے کدال قبر میں رہ گئی ہم نے کدال نکالنے کے لئے مٹی ہٹا کر اس کی قبر کو کھولا۔ نظر یہ آیا کہ اس میت کی گردن اور ہاتھ پاؤں کدال سے جکڑے ہوئے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر ہم لوگوں نے جلدی سے قبر کو بند کر دیا اور کدال والوں کو قیمت دے کر راضی کر لیا۔ جب ہم حج سے واپس ہوئے تو اس کی بیوی سے اس کا حال دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میرے شوہر کے ساتھ ایک امیر آدمی رہتا تھا۔ میرے شوہر نے اس کو قتل کر کے اس کا سارا مال لے لیا تھا اور میرا شوہر ہمیشہ حج بھی کرتا تھا اور جہاد کے لئے بھی جایا کرتا تھا (1)۔

بدن آدمی کا سر گدھے کا

اصبہانی نے اپنی کتاب ترغیب میں عوام بن حوشب سے روایت کی ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ ایک قبیلے کے قبرستان میں گیا تو میں نے دیکھا کہ عصر کے بعد ایک قبر پھٹی اور اس میں سے ایک آدمی نکلا جس کا بدن آدمی جیسا اور سر گدھے جیسا تھا۔ وہ تین مرتبہ گدھے کی بولی بولا پھر قبر میں چلا گیا قبر بند ہو گئی۔ عوام بن حوشب کہتے ہیں کہ جب میں نے لوگوں سے اس کا حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ شخص شرابی تھا اور جب اس کی ماں اس کو خوف خدا سے ڈراتی تو یہ بد نصیب اپنی ماں کو یہ جواب دیتا تھا کہ تو خالی گدھے کی طرح بولتی رہتی ہے عصر کے بعد اس شخص کا انتقال ہوا تو روزانہ عصر کے وقت قبر پھٹ جاتی ہے اور یہ سر نکال کر تین مرتبہ گدھے کی بولی بول کر پھر قبر میں چلا جاتا ہے اور قبر بند ہو جاتی ہے (2)۔

تبصرہ:۔ ان واقعات میں عذاب قبر کی ہولناکیوں سے ہر مومن کے لئے عبرت کا سامان ہے۔ عذاب قبر حق ہے اور ہر مومن کو اس کی فکر لازم ہے قبر میں اعمال صالحہ کے سوا کوئی رفیق نہیں ہو گا۔ یہ بڑی کٹھن منزل ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر کے پاس

1۔ شرح الصدور ص72۔

2۔ شرح الصدور ص72۔

کھڑے ہوتے تھے اس قدر روتے تھے کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہو جاتی تھی۔ لوگوں نے کہا آپ جنت اور دوزخ کے ذکر سے اتنا روتے ہیں جتنا قبر کے پاس روتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ پہلی منزل ہے۔ اگر یہ آسان ہو گئی تو ان کے آگے آسانی ہی آسانی ہے اور اگر یہ منزل دشواری ہو گئی تو اس کے آگے تمام منزلیں دشوار تر ہوتی جائیں گی۔ اللہ اکبر۔ سچ فرمایا مولانا علمی نے ؎

واسطے حق کے نہ ایسی راہ چل　　قبر میں جس سے ہو تجھ کو کچھ خلل
قبر میں جانے کی بھی کچھ فکر کر　　اونچے اونچے یاں تو بنوائے محل
روشنی قبر کا سامان کر　　ہیں یہاں بیکار سب شمع و کنول

مجاہدات

جوش جہاد کا مزا جذبہ حق سے پوچھئے
گویا ہلال عید ہے معرکہ "مجاہدات"

پانچ مرتبہ گردن پر تلوار

شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل عبد اللہ بن محمد انصاری کا شمار ان علماء حق کی فہرست میں ہے جو خوارج و معتزلہ بدمذہبوں کے مقابل میں شمشیر برہنہ تھے اور اہلسنت کی طرف سے ہمیشہ ان گمراہ توتوں کو کھلم کھلا رد کرتے تھے بدمذہبوں میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ ان کے حقانی دلائل قاہرہ کا مقابلہ کرتے اس لئے تمام گمراہ فرقوں والے ہمیشہ ان کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ ان کو ان کے وطن بلخ سے شہر بدر کرادیا اور ایک مرتبہ تو بدمذہبوں نے ان کے خلاف یہاں تک سازش کی کہ جب سلطان الپ ارسلان ہرات میں آئے تو اس شہر کے بدمذہب اور شیخ الاسلام کے حاسدین ایک ٹولی بنا کر شیخ الاسلام کے مکان پر آئے اور کہا کہ ہم لوگ سلطان الپ ارسلان کے سلام کے لئے جا رہے تھے تو خیال ہوا کہ پہلے آپ کو سلام کر لیں۔ شیخ الاسلام مکان کے اندر تشریف لے گئے تو ان ظالموں نے آپ کی مصلی کے نیچے تانبے کی ایک مورتی رکھ دی اور پھر ان لوگوں نے جا کر سلطان الپ ارسلان کے دربار میں فریاد کی کہ شیخ الاسلام فرقہ مجسمہ سے تعلق رکھتے ہیں چنانچہ وہ تانبے کا ایک بت بنا کر کہتے ہیں کہ خدا اسی شکل کا ہے اور وہ مصلی پر بت کو آگے رکھ کر اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر ابھی ابھی سلطان کسی معتمد شخص کو بھیج کر شیخ الاسلام کے مصلی کی تلاشی لیں تو یہ مورتی مل جائے گی۔ سلطان نے اس خبر سے حیران ہو کر فوراً ایک شخص کو شیخ الاسلام کے مکان کی تلاشی کے لئے بھیجا تو واقعی مصلی

کے نیچے سے تانبے کی مورتی بر آمد ہو گئی۔ سلطان نے غضبناک ہو کر شیخ الاسلام کو دربار میں طلب کیا اور مورتی دکھا کر پوچھا کہ بتائیے یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تانبے کی مورتی ہے بچوں کے کھیلنے کی گڑیا جیسی ہے۔ سلطان نے کہا کہ یہ میں نہیں پوچھتا۔ آپ نے فرمایا پھر آپ مجھ سے کیا دریافت کرنا چاہتے ہیں؟ سلطان نے غضب بھرے لہجہ میں کہا کہ یہ علماء کہتے ہیں کہ یہ اس مورتی کی عبادت کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام نے جلال میں آکر بلند آواز سے فرمایا کہ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ● خدا پاک ہے یہ میرے اوپر بہت بڑی تہمت ہے۔ شیخ الاسلام کا نورانی چہرہ پر جلال حقانی آواز مجاہدانہ تیور دیکھ کر سلطان تاڑ گیا کہ یہ فتنہ پرداز مولویوں کا افتراء اور دسیسہ کاری ہے۔ چنانچہ سلطان نے انتہائی اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو دربار سے رخصت کر دیا اور دسیسہ کار مولویوں کو دھمکی دی کہ اگر تم لوگوں نے سچی بات کا اقرار نہیں کیا تو تمہاری خیر نہیں۔ سلطان کا غضب ناک تیور دیکھ کر دسیسہ کار و افترا پرداز مولویوں کے ہوش اڑ گئے اور خوف و دہشت سے کانپنے لگے ان مجرموں نے اقرار کر لیا کہ شیخ الاسلام کے مصلی کے نیچے مورتی ہم لوگوں ہی نے رکھی تھی۔ سلطان نے ان مولویوں پر جرمانہ کر کے نہایت ذلت و حقارت کے ساتھ ان مفتریوں کو دربار سے نکلوا دیا۔ الغرض ہمیشہ شیخ الاسلام کے ساتھ ایسی سازشیں ہوتی رہیں یہاں تک کہ پانچ مرتبہ ایسا موقع آگیا کہ ان دشمنوں کی مکاری و عیاری سے شیخ الاسلام کی گردن پر تلوار رکھ کر یہ کہا گیا کہ آپ گمراہ فرقوں کو رد نہ کریں ورنہ آپ کی گردن اسی تلوار سے مار دی جائے گی۔ مگر ہر مرتبہ اس حق گو حق پرست عالم نے یہی فرمایا کہ جب تک میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ اور زندگی کی ایک سانس باقی ہے۔ میں ہمیشہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہتا رہوں گا اور اپنے حقانی دلائل سے باطل کی دھجیاں اڑاتا رہوں گا۔ خدا کی شان کہ ہر مرتبہ امداد غیبی اور نصرت خداوندی سے آپ کی جان بچتی رہی۔ یہاں تک کہ ذوالحجہ 481ھ میں پیکر استقامت تمام سنیوں کو داغ مفارقت دے کر خداوند قدوس کے جوار رحمت میں پہنچ گیا(1)۔

تبصرہ:۔ علماء حق کی یہ استقامت یقیناً دور حاضر کے مصلحت اندیش اور صلح کلی سیاست پرستوں کے لئے ایک تازیانہ عبرت ہے۔ جلاد گردن پر تلوار رکھ کر صرف یہ کہلانا چاہتا ہے کہ باطل کو

1۔ تذکرۃ الحفاظ ج2 ص360۔

باطل کہنا چھوڑ دو۔ اس خوفناک ماحول میں شاید رستم بھی ہوتا تو اس کے قدم ڈگمگا جاتے۔ شیر بھی ہوتا تو شاید لرزہ براندام ہو کر سر جھکا لیتا مگر دلورہے حقانی علماء کا جوش مجاہدہ اور جذبہ جہاد کہ اس خوفناک اور خطرناک ماحول میں بھی ذرا برابر ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں ہوتی بلکہ استقامت کا پہاڑ بن کر حق پر ثابت قدم رہے۔ یہاں تک کہ نصرت آسمانی نے فرط عقیدت سے ان کی پیشانی چوم لی اور تلوار کی دھار ان کا ایک بال بھی نہیں کاٹ سکی اور یہ ہر دم ہر قدم پر مظفر و منصور ہو کر آخری دم تک امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہے اور امت مسلمہ کے لئے رشد و ہدایت کا ایک نقش دوام چھوڑ کر دنیا سے گئے کہ قیامت تک آنے والی نسلوں کو ان کے اسوۂ حسنہ سے ہدایت کی روشنی ملتی رہے گی۔ آسمان کا سورج روزانہ غروب ہو جاتا ہے اور سینکڑوں بار گرہن کی زد میں آتا ہے مگر علماء حق کے شاہکاروں کا آفتاب نہ کبھی غروب ہو سکتا ہے اور نہ یہ کسی گرہن کا سنکٹ اس پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔ سچ ہے کیوں نہ ہو؟ خدا گواہ ہے کہ ؎

پرچم حق تا ابد ان کا سلامی ہو گیا
زندۂ جاوید ان کا نام نامی ہو گیا

سید ہونے کی نشانی

علامہ سید شریف مرتضیٰ حسین بغدادی جو ثمرقند میں مقیم ہو گئے تھے۔ بڑے امیر کبیر عالم تھے۔ بادشاہ ماوراء النہر خاقان نے ان کو خلیفہ بغداد کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ ان کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ ساڑھے چار ہزار دینار سے دس ہزار دینار تک سالانہ علماء اور ائمہ حدیث کی دعوتوں اور نذرانوں پر خرچ کروا ڈالتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنے ایک باغ میں علمائے کرام کی دعوت کا اہتمام کیا تو بادشاہ خاقان نے بھی اس دعوت میں شرکت کا ارادہ کیا مگر آپ نے صاف صاف فرمایا کہ میں اس دعوت میں بادشاہ کی رضاجوئی کے لئے گانے بجانے اور فسق و فجور کا سامان کر کے اپنے رب کو ناراض کرنے کا گناہ عظیم اپنے سر پر نہیں لے سکتا۔ خاقان نے ناراض ہو کر آپ کو گرفتار کر لینے کا ارادہ کیا مگر آپ ایک ماہ تک اس طرح روپوش رہے کہ خاقان ہزاروں کوششوں کے باوجود آپ کو گرفتار

1۔ تذکرۃ الحفاظ ج 4 ص 11۔

نہیں کر سکا۔ پھر خاقان نے آپ کے لئے عام امن وامان کا اعلان کر دیا اور آپ کو دربار میں بلا کر فریب سے گرفتار کر کے جیل خانہ میں بند کر دیا اور آپ کی ساری جائیداد اور مال و متاع کو ضبط کر لیا۔ اس وقت ایک دن آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو شخص واقعی اہل بیت نبوت میں سے ہوگا وہ ضرور کبھی نہ کبھی اس قسم کی مصیبتوں میں گرفتار ہوگا۔ میں ہمیشہ ناز و نعمت میں پلا تھا اس لئے کبھی کبھی مجھ کو یہ وہم ہونے لگتا تھا کہ میں سید ہوں یا نہیں؟ مگر اس حادثہ کے بعد مجھے اطمینان ہو گیا کہ یقیناً میرا سلسلہ نسب حضور اکرم ﷺ تک متصل ہے۔

ظالم خاقان نے جیل خانہ میں آب و دانہ بند کر دیا اور بھوک و پیاس سے تڑپ تڑپ کر آپ کی شہادت ہو گئی مگر آپ آخری دم تک صابر و شاکر رہے۔

آپ کے وصال کے بعد ابوالعباس جوہری نے یہ خواب دیکھا کہ علامہ سید شریف مرتضٰی جنت میں ہیں اور ان کے سامنے کھانا رکھا ہوا ہے اور وہ لوگ ان سے درخواست کر رہے ہیں کہ آپ کھانا تناول فرمالیجئے تو وہ یہ فرما رہے ہیں کہ جب تک میرا بچہ نہیں آجائے میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ ابوالعباس جوہری خواب سے بیدار ہوئے تو رمضان کی انتیسویں تاریخ تھی اور اسی دن علامہ سید شریف مرتضٰی کے صاحبزادے شہید کئے گئے۔ آپ 405ھ میں پیدا ہوئے اور 476ھ میں خاقان خضر بن ابراہیم نے آپ کو شہید کرا لیا (1)۔

تبصرہ:۔ اس رقت انگیز و عبرت خیز حکایت میں بلاشبہ علماء حق کے لئے بہت بڑا درس عمل ہے۔ ایک ظالم بادشاہ کے مقابلہ میں خداوند قدوس کی رضاجوئی کے لئے بڑے بڑے مصائب و آلام برداشت کرنے کے لئے استقامت کا ہمالیہ بن کر ڈٹ جانا یہ کسی معمولی دل گردے والے کا کام نہیں ہے۔ بلاشبہ علماء حق کا یہ جذبہ حق پرستی اپنی رفعت و سربلندی میں ایسی اعلیٰ منزل پر ہے کہ ہمالیہ کی چوٹیاں سر اٹھا اٹھا کر حسرت سے اس کا منہ تکتی ہیں اور آسمانوں کی سربلندی جھک جھک کر اس کو سلام کرتی ہیں!

حضرت علامہ سید شریف مرتضٰی کا یہ ارشاد کہ جو سید ہوگا وہ ضرور کبھی نہ کبھی مصائب و آفات کا شکار ہوگا۔ واقعی آپ کا یہ فرمان والا شان تاریخی شواہد کی روشنی میں آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ مصائب اور بلاؤں کا استقبال خاصان خدا کا خاص الخاص حصہ ہے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالا مثل۔

یعنی سب سے زیادہ سخت امتحان اور آزمائش حضرات انبیاء علیہم السلام کی ہوا کرتی ہے پھر ان کے بعد جو شخص جس درجے کا بلند مرتبہ ہوگا اسی درجے کا اس کے لئے مصائب اور بلاؤں کے ذریعہ امتحان ہوا کرے گا کیوں نہ ہو کہ ؎

منزل عشق میں تسلیم و رضا مشکل ہے
بن کے رہتے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

محبوبان خدا خصوصاً حضرات اہل بیت کرام چونکہ یہ بزرگیوں اور کرامتوں کے بڑے بڑے انعام واکرام ربانی سے نوازے جاتے ہیں اس لئے اس اصول کے مطابق کہ "جتنا بڑا انعام اتنا ہی بڑا امتحان" یہ لوگ بڑے بڑے روح فرسا مصائب و آلام کی منزلوں سے گزرتے اور بڑے بڑے مشکل امتحانوں کی آزمائش میں جتلا کئے جاتے ہیں اور یہ لوگ جب صبر واستقامت کے ساتھ ہر مصیبت کا مقابلہ کر کے امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو خداوند قدوس ان کو ایسے ایسے انعام و اکرام کی دولتوں سے مالا مال فرما دیتا ہے کہ قدسی صفت ملائکہ بھی ان کے بلند درجات کے دیدار اور درشن کے تمنائی بن جاتے ہیں۔ کسی شاعر نے اس حقیقت کو نہایت ہی حسین طرز بیان میں زیب قرطاس کیا ہے کہ ؎

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

مصر کا ایک حقانی عالم

والی مصر احمد بن طولون بڑا ہی سفاک اور خون ریز بادشاہ تھا مگر اس کے باوجود اس کو مقدمات میں ظالم و مظلوم کے درمیان عدل کرنے کا بڑا جذبہ تھا۔ ایک دن اس کا لڑکا عباس ایک گانے والی عورت کے ساتھ چلا جارہا تھا اور اس کا غلام ہاتھ میں "ستار" لئے جارہا تھا۔ ایک عالم حقانی نے جو یہ منظر دیکھا تو ایک دم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ سینے میں بیدار ہو گیا۔ غضب و جلال میں بے قرار ہو کر دوڑ پڑے اور غلام کے ہاتھ سے ستار چھین کر زمین پر اس طرح پٹخ دیا کہ وہ چور چور ہو کر بکھر گیا۔ عباس نے غضب ناک ہو کر اپنے باپ احمد بن طولون کی کچہری میں اس حقانی عالم پر مقدمہ دائر کر دیا۔ جب یہ پیکر علم و عمل کچہری میں پہنچا تو احمد بن طولون نے سوال کیا کہ کیا واقعی تم نے ستار کو توڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جی ہاں، احمد بن طولون نے تیور بدل کر بڑے

گار لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا اور بخشنے والا پائیں گے (1)۔

میں مٹی اور پتھر کے پاس نہیں آیا

مدینہ منورہ کا اموی گورنر مروان بن الحکم روضہ منورہ کے پاس حاضر ہوا تو یہ دیکھا کہ ایک شخص قبر انور سے چمٹا ہوا پڑا ہے۔ مروان نے اس کی گردن پکڑ کر اٹھایا اور کہا کہ اے شخص! تجھے کچھ خبر ہے؟ کہ تو کیا کہہ رہا ہے؟ تو اس شخص نے سر اٹھا کر جواب دیا کہ ہاں؟ میں خوب جانتا ہوں کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اے مروان! میں مٹی اور پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں بلکہ میں رسول اللہ ﷺ کے دربار میں حاضر ہوں۔ اے مروان! جب دیندار لوگ والی بنیں تو رونے کی ضرورت نہیں ہے لیکن جب نااہل لوگ دین کے والی بنیں تو رونا چاہئے۔ مروان یہ گرم گرم جملے سن کر خاموشی کے ساتھ چلا گیا۔ مطلب بن عبداللہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگ جنہوں نے مروان گورنر کو جھنجھوڑ کر ڈانٹ دیا ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے!(2)

تبصرہ:۔ اوپر ذکر کی ہوئی دونوں حکایتوں میں بڑے بڑے ایمان افروز روح پرور نتائج کی تجلیاں ہیں:۔

(1) حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ کے جاہ و جلال اور رعب و داب سے بال برابر بھی مرعوب نہیں ہوئے اور دربار رسول میں ادب کی کمی دیکھ کر تڑپ گئے اور منصور کو ڈانٹ کر چپ کرا دیا اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ پر بھی بنو امیہ کے ظالم گورنر کی ہیبت کا کوئی اثر نہیں پڑا اور آپ نے اس کے منہ پر انتہائی جرأت و بے باکی سے کلمۃ الحق سنا کر اس کو ڈانٹ کر جھنجھوڑ ڈالا۔ بلاشبہ ان دونوں بزرگوں کے اسوۂ حسنہ میں تمام امت رسول کے لئے بہت بڑا درس ہے کہ کلمۃ الحق کہنے اور شریعت مطہرہ کے مسائل کو علی الاعلان بیان کرنے میں کسی گورنر یا بادشاہ کا خوف دامن گیر نہیں ہونا چاہئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کا کام نہیں۔ اس افضل الجہاد کی فضیلت سے وہی شخص سرفراز ہو سکتا ہے جس کے سر پر رب العزت خوش نصیبی کا تاج رکھ دے اور جذبہ ایمانی و جوش اسلامی کی

1۔ وفاء الوفاء ج 4 ص 1376۔

2۔ وفاء الوفاء ص 1402۔

حق گو

حضرت مولانا شیخ شہاب الدین مولانا فخر الدین زاہدی کا لقب "حق گو" ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ دہلی محمد بن تغلق بڑا ہی ظالم تھا۔ مگر ایک دم اس کے سر پر یہ خبط بھوت بن کر سوار ہو گیا کہ سب مجھے "محمد عادل" کہیں۔ چنانچہ اس نے حضرت مولانا کو دربار میں بلایا اور حکم دیا کہ آپ مجھے "محمد عادل" کے لقب سے پکاریں۔ یہ سن کر آپ نے نہایت ہی مجاہدانہ لہجے میں ارشاد فرمایا کہ میں ایک ظالم کو ہرگز ہرگز کبھی عادل نہیں کہہ سکتا۔ بادشاہ نے غضبناک ہو کر جلادوں کو حکم دے دیا کہ ان کو قلعہ کی دیوار سے نیچے پھینک دو۔ چنانچہ جلادوں نے آپ کو دیوار سے نیچے پھینک دیا اور آپ شہید ہو گئے۔ آپ کی قبر شریف قلعہ کے نیچے بنی ہوئی ہے۔ اس واقعہ کے بعد لوگ آپ کو شہاب الدین حق گو کہنے لگے (1)۔

نجاست مت کھاؤ

بادشاہ دہلی محمد تغلق ظالم ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی گستاخ بے ادب بھی تھا اور اپنی سلطنت کے غرور اور گھمنڈ میں کبھی کبھی مسائل شریعت پر بھی جرح و قدح کرنے لگتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اس نے یہ کہہ دیا کہ خدا کا فیض منقطع نہیں ہوتا۔ پھر فیض نبوت کیونکر منقطع ہو سکتا ہے؟ اگر اب کوئی نبوت کا دعویٰ کرے اور معجزہ دکھائے تو اس کی تصدیق کرو گے یا نہیں؟ مولانا عماد نے اسی وقت بھرے دربار میں یہ کہہ دیا کہ "گُہہ مخور چہ می گوئی" (پائخانہ مت کھا، کیا بک رہا ہے؟) محمد تغلق نے حکم دیا کہ ان کو ذبح کر کے زبان کھینچ لی جائے۔ چنانچہ جلادوں نے آپ کو ذبح کر کے آپ کی زبان کھینچ لی (2)۔

تبصرہ:۔ مولانا شہاب الدین اور مولانا عماد وغیرہ سینکڑوں علماء سلف ایسے ہوئے جنہوں نے کلمہ حق کہنے کی وجہ سے جام شہادت نوش کیا۔ بلاشبہ یہ مقدس ہستیاں "شہدائے حق" ہیں۔ جو خود کٹ گئے مگر حق کو کٹنے نہیں دیا خود مٹ گئے مگر حق کو مٹنے نہیں دیا۔ یقیناً ان کی قربانیوں کی بدولت سارے عالم میں حق کا بول بالا ہو گیا۔ ظالم بادشاہوں کی تلواروں سے ان حقانی شہیدوں

1۔ مسطرف ج1 ص100۔

2۔ اخبار الاخیار ص127۔

کی گردنیں تو کٹ گئیں لیکن ان کی حقانیت کی شہ رگ نہ آج تک کٹی نہ قیامت تک کٹ سکتی ہے بلکہ قیامت تک ان کی حقانیت زندہ رہے گی اور ان کی حقانیت کا پرچم ہمیشہ فضاء آسمانی میں لہراتا ہوا زبان حال سے یہ وجد آفرین اور روح پرور پیغام نشر کرتا رہے گا کہ۔

زندہ ہے ملت بیضا شہداء کے دم سے
ان کی روحوں پہ ہو سو بار درود اور سلام

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور خلیفہ منصور

علامہ قاضی عیاض ناقل ہیں کہ خلیفہ بغداد منصور مسجد نبوی میں حاضر ہوا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے گفتگو کرتے ہوئے اس کی آواز کچھ بلند ہو گئی تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ڈانٹ کر فرمایا کہ اے امیر المومنین! خداوند عالم جل جلالہٗ کا فرمان ہے کہ:

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

یعنی اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند مت کرو۔

اے امیر المومنین! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادب واحترام اب بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ظاہری حیات مبارکہ میں تھا۔ اس لئے قبر انور کے پاس خبردار ہرگز بلند آواز سے گفتگو نہ کیجئے۔ امام ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کی ڈانٹ سن کر خلیفہ منصور بالکل خاموش ہو گیا۔ پھر نہایت ہی پست آواز سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ اے مالک! میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں سلام عرض کر چکا۔ اب میں قبر انور ہی کی طرف اپنا رخ کر کے دعا کروں؟ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا تم اپنا چہرہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیوں اور کس طرح پھیرو گے؟ جبکہ وہ بارگاہ خداوندی میں تمہارا اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں۔ تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منہ کر کے خدا سے دعا مانگو اور ان کو بارگاہ الٰہی میں اپنا شفیع بناؤ تو خداوند کریم ان کے وسیلہ سے تمہاری دعاؤں کو قبول فرمائے گا۔

خداوند قدوس کے اس پیغام کو یاد رکھو کہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝ یعنی اگر لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں تو انہیں چاہئے کہ اے محبوب وہ آپ کے پاس حاضر ہو جائیں پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں اور رسول بھی ان کے لئے دعائے مغفرت طلب کریں تو یقیناً گناہ

غصہ میں پوچھا کہ کیا تم کو علم تھا کہ وہ ستار کس کا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جی ہاں، وہ آپ کے فرزند عباس کا تھا۔ احمد بن طولون نے پوچھا کہ پھر بھی تم نے میرے اعزاز کا کچھ بھی خیال نہیں رکھا۔ عالم حقانی نے نہایت ہی بے خوفی کے ساتھ جواب دیا کہ عزت مآب! یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ میں ایک گناہ ہوتے ہوئے دیکھوں اور آپ کے اعزاز کے خیال سے خاموش رہوں حالانکہ اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے کہ:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ.

یعنی تمام مومنین اور تمام مومنات ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ ان کا یہی کام ہے کہ یہ لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ.

یعنی خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ عالم حقانی کی یہ حق نما تقریر تاثیر تیر بن کر احمد بن طولون کے دل میں پیوست ہو گئی۔ ایک دم اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور اس نے یہ کہہ دیا کہ میں آپ کو مجاز بناتا ہوں کہ آپ پورے شہر میں جو بات بھی خلاف شرع دیکھیں اس کو برباد اور تہس نہس کر دیجئے۔ میں آپ کا معین و مددگار ہوں (1)۔

تبصرہ:۔ اس حکایت سے یہ روشنی ملتی ہے کہ اگر کوئی حق پرست واقعی جذبہ اخلاص اور جوش صداقت سے کوئی کلمہ حق کہے تو خداوند عالم اس کے کلام میں ایسی تاثیر پیدا فرما دیتا ہے کہ بڑے بڑے ظالموں کے سینوں میں آہنی دل بھی پگھل کر موم بن جاتے ہیں اور حق کہنے والے کی نصرت و حمایت کے لئے آسمانوں سے قدسیوں کی ایسی فوج اتر پڑتی ہے جس کی ہیبت و جلالت سے ظالموں کے جسم کا رونگٹا اور بدن کا بال بال لرزنے لگتا ہے اور فتح مبین انتہائی جذبہ عقیدت کے ساتھ حق پرست انسان کے قدموں کا بوسہ لینے لگتی ہے۔ سبحان اللہ! سچ کہا ہے شاعر مشرق نے:

مثل کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لا تخف

1۔ مستطرف ج1 ص100۔

دولت لازوال سے مالا مال ہو جائے اور کلمۃ الحق کہہ دینے کی پاداش میں اپنا سر کٹادینے کو اپنے سر کی معراج سمجھتا ہو ۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دارورسن کہاں؟

(2) حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے منصور! تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منہ کر کے اور ان کو دربار خداوندی میں اپنا شفیع بنا کر خدا سے دعا مانگو کیونکہ رحمت عالم کی ذات اقدس تم تو کیا تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی بارگاہ خداوندی میں وسیلہ ہیں۔

سبحان اللہ! کس قدر ایمان افروز تعلیم آپ نے خلیفہ منصور کو دی اور اس مسئلہ کو قیامت تک کے لئے حل کر دیا کہ مسجد نبوی میں روضہ انور کے مواجہہ اقدس میں دعا مانگنے کا مودب طریقہ یہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منہ کر کے دعا مانگے کیونکہ اس جگہ کعبہ مکرمہ کی طرف منہ کرنے سے قبر انور کی طرف پشت ہو جاتی ہے۔ جس کو محبت رسول سے بھرا ہوا دل کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس فقیر راقم الحروف نے بارہ دن مدینہ منورہ میں قیام کر کے بچشم خود دیکھا کہ عرب و عجم حل و حرم کے تمام اکابر علماء و مشائخ قبر انور ہی طرف منہ کر کے دعائیں مانگتے ہیں۔ ہاں البتہ منحوس نجدیوں اور ہندوستان کے چند کھوسٹ وہابیوں کو دیکھا کہ یہ لوگ خود بھی روضہ اقدس کی طرف پیٹھ کر کے دعائیں مانگتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس سوادب کا حکم دیتے ہیں۔ چنانچہ اس مسئلہ پر ایک نجدی سے میری بحث ہو گئی۔ اور الحمد للہ! کہ وہ لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا۔

کاش اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے یہ دو شعر ان کور بختوں کے لئے ذریعہ ہدایت بنیں۔

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو   واللہ ذکر حق نہیں، کنجی سقر کی ہے
بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے   حاشا، غلط غلط، یہ ہوس بے بصر کی ہے

(3) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے مروان گورنر کو ڈانٹ کر جھڑک دیا اور یہ فرمایا کہ میں مٹی اور پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں بلکہ میں رسول اللہ ﷺ کی

بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ صحابی رسول ﷺ نے یہ فرما کر ہمیشہ کے لئے اس مسئلہ پر مہر تصدیق ثبت فرمادی کہ روضہ انور پر حاضری دینے والا یہ یقین وایمان رکھے کہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا ہوں اور حضور سید عالم ﷺ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اور میں اور میرے سب اعمال ان کے پیش نظر ہیں۔ اس لئے ہر زائر قبر انور کے پاس وہی ادب واحترام اور تعظیم و تکریم ملحوظ رکھے جو صحابہ کرام بارگاہ نبوت میں حاضر ہونے کے وقت ملحوظ رکھتے تھے کیونکہ آج بھی حضور انور ﷺ اپنے تمام لوازم حیات کے ساتھ اس طرح زندہ اور اپنی امت کے اعمال واحوال سے باخبر ہیں کہ ہر شخص قبر منور کے پاس پورے یقین واعتقاد کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مری چشم عالم سے چھپ جانے والے

پھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے نجدیوں کے اس عقیدے کی دھجیاں اڑانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی کہ مدینہ کے سفر کے وقت مسجد نبوی کی حاضری کی نیت کرے۔ روضہ منورہ کی حاضری کی نیت نہ کرے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے صاف صاف فرمادیا کہ میں اینٹ اور پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں بلکہ خاص دربار رسالت ﷺ کی حاضری کے قصد ونیت سے یہاں آیا ہوں۔

سبحان اللہ! صحابی رسول ﷺ کی ایمان افروز والہانہ محبت کا کیا کہنا؟ خداوند قدوس ہر مسلمان کے قلب ودماغ میں محبت رسول کا ایسا ہی آفتاب وماہتاب روشن فرمادے جس سے جسم کا رونگٹا رونگٹا اور بدن کا بال بال نور ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جائے اور قبر انور کے پاس حاضر ہوتے ہی دو شعر ورد زبان ہو جائے کہ۔

اللہ اکبر! اپنے قدم اور یہ خاک پا — حسرت ملائکہ کو جہاں وضع سر کی ہے
معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائرو — کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک در کی ہے

ابراہیم محدث اور ہشام

مشہور اور مایہ ناز محدث ابراہیم کو خلیفہ دمشق ہشام بن عبدالملک نے خراج مصر کی تولیت

کا عہدہ پیش کیا۔ آپ نے یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ "میں اس کا اہل نہیں ہوں۔" خلیفہ آپ کا انکار سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور غضب ناک ہو کر کہنے لگا کہ آپ کو یہ عہدہ قبول کرنا پڑے گا۔ ورنہ آپ سخت سزا کے مستحق ہوں گے آپ ہشام کی قہر آلود دھمکیوں کو نہایت سکون واطمینان کے ساتھ سنتے رہے، جب ہشام خاموش ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اے امیر المومنین قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا.

"یعنی ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو ان سبھوں نے خائف ہو کر اس بار امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔"

اے امیر المومنین جب بار امانت اٹھانے سے انکار کرنے پر اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر ناراض نہیں ہوا تو آپ مجھ کو بار امانت اٹھانے سے انکار کرنے پر اس قدر ناراض ہو کر کس طرح سزا دے سکتے ہیں؟ ابراہیم محدث کی یہ حقانی تقریر سن کر ہشام کے ہوش و حواس کا طوطا اڑ گیا اور بالکل لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا اور اس عہدہ پر کسی دوسرے شخص کو مقرر کر دیا (1)۔

مولانا علاءُ الدین اور عالمگیر

مولانا علاءُ الدین اپنے دور کے مشاہیر علماء میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ عمر بھر درس و تدریس کا مشغلہ رکھا۔ شاہجان بادشاہ کے دربار سے منسلک رہے۔ شاہجان کے بعد عالمگیر کے دربار سے تعلق ہو گیا۔ منقول ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے بھائیوں کو قتل کرانے اور اپنے باپ شاہجہان کو آگرہ کے قلعہ میں قید کرنے کے بعد ایک دربار خاص منعقد کیا جس میں ملک بھر کے علماء اور دوسرے دانشوروں کو مدعو کیا۔ مولانا علاءُ الدین بھی حاضر دربار تھے۔ عالمگیر نے حاضرین کے سامنے تقریر کرتے ہوئے یہ یقین دلایا کہ میرا حکومت پر قبضہ کرنا میرے کسی دنیاوی مفاد کی خاطر نہیں ہے بلکہ صرف خلق خدا کے فائدے کے لئے ہے۔ تمام

1۔ تاریخ الخلفاء ص 173۔

حاضرین نے بادشاہ کی تائید کی اور بے شک بے شک بجا ہے، درست ہے کا نعرہ لگایا مگر مولانا علاءُالدین کا جذبہ حق گوئی برداشت نہ کر سکا۔ آپ نے کھڑے ہو کر بھرے دربار میں بادشاہ کے منہ پر یہ کہہ دیا کہ:

"جو شخص اپنے باپ کو جیل خانہ میں ڈال سکتا ہے اس سے خلق خدا کو اگر فائدہ پہنچ جائے تو بڑے تعجب کی بات ہے۔"

مولانا علاءُالدین کی اس صاف گوئی پر تمام حاضرین دربار حیرت زدہ ہو گئے اور بادشاہ عالمگیر بھی آپ کا منہ تکتا رہ گیا اور کوئی جواب بن نہیں پڑا(1)۔

قاضی سوار اور منصور

خلیفہ بغداد منصور کے دور حکومت میں قاضی سوار بن عبد اللہ بصرہ کے قاضی تھے۔ کچھ لوگوں نے دربار خلافت میں چغلی کھائی کہ قاضی صاحب لوگوں کی شخصیت سے متاثر ہو کر اور منہ دیکھ کر فیصلہ کر دیا کرتے ہیں۔ خلیفہ منصور نے آپ کو دربار خلافت میں جواب دہی کے لئے طلب کیا۔ قاضی صاحب جیسے ہی دربار میں منصور کے سامنے کھڑے ہوئے منصور کو ایک دم چھینک آ گئی۔ قاضی صاحب نے منصور کی چھینک پر یَرْحَمُكَ اللهُ کیوں نہیں کہا۔ منصور نے ڈانٹ کر پوچھا آپ نے میری چھینک پر یَرْحَمُكَ اللهُ کیوں نہیں کہا؟ قاضی صاحب نے برجستہ جواب دیا اس لئے کہ آپ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نہیں کہا۔ منصور نے کہا کہ میں نے دل میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہہ لیا تھا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ میں نے بھی دل میں یَرْحَمُكَ اللهُ کہہ دیا تھا۔

خلیفہ منصور قاضی سوار کی بے خوفی اور حاضر جوابی سے بے حد متاثر ہوا اور کہا کہ آپ جایئے اور اپنے عہدہ پر برقرار رہئے۔ جب آپ مجھ سے مرعوب نہیں ہوئے اور میری ہاں میں ہاں نہیں ملائی تو پھر مجھے یقین ہے کہ آپ کسی کی شخصیت سے مرعوب نہیں ہو سکتے اور ہرگز ہرگز کسی کا منہ دیکھ کر یا کسی کے دباؤ سے کوئی غلط فیصلہ نہیں کر سکتے(2)۔

1۔ علماء حق ص 74۔

2۔ تاریخ الخلفاء، صفحہ 185

سلطنت کی قیمت

منقول ہے کہ ایک مرتبہ "ابن سماک" خلیفہ بغداد ہارون الرشید کے دربار میں تشریف لے گئے۔ ایک دم ہارون رشید کو پیاس لگی اور اس نے پانی طلب کیا۔ خادم نے پانی کا گلاس ہارون رشید کے ہاتھ میں دیا تو ابن سماک نے فرمایا کہ اے امیر المومنین! ذرا ٹھہر جائیے اور مجھے بتائیے کہ اگر پیاس کے وقت کہیں پانی نہ ملے اور آپ پیاس سے بے قرار ہو جائیں تو یہ ایک گلاس پانی آپ کتنی قیمت دے کر خریدیں گے۔ ہارون رشید نے جواب دیا کہ آدھی سلطنت۔ پھر ابن سماک نے پوچھا کہ اگر یہ پانی آپ کے پیٹ میں پہنچ جائے اور آپ کا پیشاب بند ہو جائے اور یہ پانی آپ کے بدن سے نہ نکل سکے تو آپ اس کے علاج پر کتنی رقم خرچ کر دیں گے؟ ہارون رشید نے کہا کہ پوری سلطنت۔ یہ سن کر ابن سماک نے فرمایا کہ اے امیر المومنین وہ سلطنت جس کی قیمت ایک گلاس پانی اور اس کا پیشاب ہو۔ بھلا کب اس قابل ہے کہ اس کی رغبت کی طرف جائے اور اس پر گھمنڈ کیا جائے۔ ابن سماک کے ان کلمات کو سن کر ہارون رشید چیخ مار مار کر رونے لگا اور کچھ جواب نہیں دیا(1)۔

میں اندھا نہیں ہوں

احمد بن علی بصری ناقل ہیں کہ ایک دن خلیفہ بغداد "متوکل باللہ" نے علامہ "احمد بن معدل" اور دوسرے علماء بغداد کو اپنے دربار میں بلایا۔ جب تمام علماء مجتمع ہو گئے تو خلیفہ اپنے پورے کروفر اور شاہانہ شان و شوکت سے دربار میں آیا۔ خلیفہ کو دیکھتے ہی سب لوگ اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے مگر علامہ احمد بن معدل بدستور بیٹھے رہے اور اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔ خلیفہ نے علامہ کی اس حرکت پر دل میں ناراض ہو کر اپنے خادم "عبید اللہ" سے دریافت کیا کہ کیا انہوں نے میری بیعت نہیں کی ہے؟ کیا یہ مجھے امیر المومنین نہیں تسلیم کرتے؟ عبید اللہ نے عرض کیا کہ کیوں نہیں۔ لیکن اے امیر المومنین! ان کی بصارت میں کچھ کمی آ گئی ہے اور نظر بہت کمزور ہو گئی ہے۔ غالباً انہوں نے آپ کو دیکھا نہیں۔ یہ سن کر علامہ احمد بن معدل نے بلند آواز سے فرمایا کہ نہیں اے امیر المومنین! میں اندھا نہیں ہوں لیکن میں نے اللہ تعالیٰ

2۔ تاریخ الخلفاء ص203۔

کے عذاب سے آپ کو بچایا ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ:

"جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں اس کو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔"

تبصرہ:۔ یہ سن کر متوکل باللہ علامہ بن معدل کے پہلو میں بیٹھ گیا اور کوئی جواب نہیں دیا(1)۔

مذکورہ بالا پانچوں حکایتوں میں اس حقیقت کی تجلی ہے کہ علماء سلف "کلمہ الحق" کا اعلان کرنے میں ہرگز ہرگز کبھی بادشاہوں کے رعب و جلال سے مرعوب یا خائف و ہراساں نہیں ہوتے تھے بلکہ انتہائی بے خوف اور نڈر ہو کر امراؤ سلاطین کو نصیحت کرتے تھے اور اعلاء کلمۃ الحق کے معاملہ میں اپنی جان کی بھی پراوہ نہیں کرتے تھے۔ یہ درحقیقت ان علماء حق کی ایمانی قوتوں اور روحانی توانائیوں کا کرشمہ تھا کہ بڑے بڑے ظالم و جابر بادشاہوں کی تلواریں ان قدس صفت عالموں کی سیف زبانی کے مقابلہ میں کند ہو کر رہ جاتی تھیں اور ان باخدا بزرگوں کی ہر تقریر صداقت تاثیر کی شمشیر بن کر ظالموں کے ظالمانہ عزائم کے پرخچے اڑادیا کرتی تھی۔ درحقیقت یہی وہ مقدس جماعت ہے جن کے بارے میں خداوند قدوس نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ **لَا یَخَافُوْنَ اِلَّا اللہ** یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے سینوں میں اللہ کے خوف کے سوا کسی غیر اللہ کے خوف کی گنجائش ہی نہیں۔ یہ لوگ صرف خدا سے ڈرتے ہیں اور ساری خدائی میں کسی سے نہیں ڈرتے۔ جس کا نتیجہ اور ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ خداوند قدوس ان کے سروں پر **لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ** کا تاج رکھ کر ان کو امن و بے خوفی اور مجاہدانہ جرأت و ہمت کا ایسا سلطان بنادیتا ہے کہ یہ لوگ صرف خدا سے ڈرتے ہیں اور ساری خدائی ان سے ڈرنے لگتی ہے اور ان کی وہ شان نظر آتی ہے کہ ان کے دشمن بھی ان کو دیکھ کر پکار اٹھتے ہیں کہ

غیر حق کے سامنے مومن کا سر جھکتا نہیں
یہ وہ طوفان ہے پہاڑوں سے بھی جو رکتا نہیں

آج کل کے علماء کرام و مشائخ عظام جو محض اس بے خوف سے کہ لوگ ہمیں "جھگڑالو" یا "تشدد پسند" یا "خشک ملا" کہیں گے۔ کلمہ حق کہنے سے رکتے اور جھجکتے ہیں اور بداعمالیوں اور بداعتقادیوں کا رد نہیں کرسکتے۔ کاش ان بزرگان سلف و علماء حق کے نقش قدم کی پیروی کرتے تو

1۔ تاریخ الخلفاء ص244۔

آج ملک کے ماحول کا نقشہ ہی بدل جاتا مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ اس دور میں علماء کرام کا عمل و کردار اس قدر پست اور جوش حقانیت و جذبہ جہاد اتنا مردہ ہو چکا ہے کہ ہر دیکھنے والا ان کو دیکھ کر یہی کہنے لگتا ہے کہ ؎

میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے
قُلْ هُوَ اللّٰه کی شمشیر سے خالی ہے نیام

حضرت مجدد الف ثانی اور جہانگیر

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ ان علماء حق میں سے ہیں جو اکبری دور کی مشرکانہ و ملحدانہ مراسم اور جہانگیری عہد کی کفر نوازیوں کو مٹانے کے لئے اپنی زبان و قلم سے عمر بھر مصروف جہاد و سرگرم عمل رہے۔ دربار کے خوشامدی علماء سوء نے آپ کے خلاف جہانگیر سے ایسی الٹی سیدھی لگائی کہ جہانگیر اپنی سلطنت کے غرور میں آپ کے درپے آزار ہو گیا اور آپ کو دربار میں طلب کر کے نہایت تلخ کلامی کے ساتھ آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے جہانگیر کے تمام سوالوں کا نہایت ہی معقول و مسکت جواب دیا اور جہانگیر کی قہر آلود دھمکیوں کا ذرہ بھر بھی آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ آپ کی کھری کھری باتوں سے جہانگیر جل بھن گیا۔ کوئی جواب تو بن نہیں پڑا مگر حکومت کے نشہ میں آپ کی توہین کرنے لگا اور گوالیار کے قلعہ میں آپ کو قید کر دیا آپ نے جہانگیر کے اس ظالمانہ سلوک کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ قبول فرما لیا اور قلعہ کی چہار دیواری میں مجبوس ہو کر قیام پذیر ہو گئے۔

ہندوستان میں آپ کے لاکھوں مُریدین و معتقدین تھے بلکہ دربار کے بعض امراء سلطنت بھی آپ ہی کے مرید و معتقد تھے۔ آپ کے ایک ادنیٰ اشارے پر جہانگیری حکومت کا تختہ الٹ پلٹ ہو سکتا تھا مگر آپ نے حکومت کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں فرمایا لیکن اکبر و جہانگیر کے خلاف شرع مشرکانہ رسوم اور کفر نوازیوں کے خلاف برابر اپنی زبان و قلم سے نعرۂ جہاد بلند فرماتے رہے۔ جہانگیر کو جب آپ کی جلالت شان اور تبلیغی کارناموں کا علم ہوا اور امراء دربار کی نگاہیں بھی کچھ کچھ پھری پھری سی نظر آنے لگیں تو اس کو ہوش آیا۔ فوراً آپ کو قید سے رہا کر کے دربار میں انتہائی اعزاز و اکرام کے ساتھ مدعو کیا۔ معافی کا خواستگار ہوا بلکہ آپ کے دست حق پرست پُر تائب ہو کر آپ کا مرید ہو گیا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ میرے فرزند شاہزادہ خرم

(شاہجان) کو آپ اپنی خدمت میں رکھ کر اس کی تربیت فرمائیں(1)۔

سبحان اللہ! حضرت امام ربانی علیہ الرحمتہ کے ان ہی مجاہدانہ کارناموں سے متاثر ہو کر ڈاکٹر اقبال نے سرہند شریف میں مزار پرانوار پر حاضر ہو کر اس طرح نذرانہ عقیدت پیش کیا ۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انور

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے، وہ صاحب اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو کہ بیدار

کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں میری بینا ہیں ولیکن نہیں بیدار

آئی یہ صدا سلسلہ فقر ہوا بند
ہیں اہل نظر کشور پنجاب سے بیزار

عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خطہ کہ جس میں
پیدا کلۂ فقر سے ہوں طرۂ دستار

باقی کلہِ فقر سے تھا ولولہ حق
طروں نے چڑھایا نشہ خدمت سرکار

شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ اور نجف خاں

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اس دور میں جبکہ ہندوستان کی درسگاہوں میں ہر طرف منطق و فلسفہ کا دور دورہ تھا۔ آپ نے قرآن و حدیث کے درس کا چرچا کیا فارسی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ لکھا اور دوسری مفید کتابیں تصنیف فرمائیں۔ کچھ عرصہ کے لئے حرمین شریفین میں بھی مقیم رہے۔ شاہ عالم بادشاہ کے دور میں نواب ذوالفقار الدولہ نجف خاں ایرانی امیر الامراء تھا۔ اس کے عہد میں رافضیت کی بڑی ترویج واشاعت ہوئی۔ یہاں تک کہ دہلی میں عام طور پر خلفاء راشدین کی منقبت نہیں بیان کی جاسکتی تھی۔ ہر طرف تعزیہ پرستی اور تفضیلیت کی گرم بازاری اور دھوم دھام تھی۔ حضرت شاہ صاحب نے اس گمراہی کے استیصال کے لئے قلم اٹھایا اور اپنی مشہور کتاب "ازالۃ الخفاء" تصنیف فرمائی۔ اس کتاب کا شائع ہونا تھا کہ روافض میں کہرام مچ گیا۔ یہاں تک کہ امیر الامراء نجف خاں کو اس کی خبر کی گئی۔ اس نے آپ سے کہا کہ آپ کوئی ایسی کتاب نہ لکھیں جس سے روافض کو تکلیف پہنچے۔ آپ نے انتہائی ایمانی جرأت کے ساتھ یہ جواب دیا کہ میرا بحیثیت عالم دین کے فرض ہے کہ میں حق بات کا اپنی زبان و قلم سے

1۔ علماء حق وغیرہ ص 47۔

ضرور ضرور اظہار کرتا ہوں۔ اس لئے میں مذہب اہل سنت کی حمایت سے کبھی بھی اپنے قلم کو نہیں روک سکتا۔ نجف خان نے آپ کے اس مجاہدانہ جواب سے غصہ میں جل بھن کر یہ ظلم ڈھایا کہ پہنچوں سے آپ کے ہاتھوں کو توڑ ڈالنے کا حکم دے دیا تاکہ قلم پکڑنے کی طاقت نہ رہے مگر اس حادثہ کے بعد بھی آپ کا حوصلہ پست نہیں ہوا بلکہ آپ نے شاگردوں سے لکھوانا شروع کر دیا اور اس طرح آپ کی تصنیفات کا سلسلہ برابر جاری رہا چنانچہ اس زمانہ کی کئی کتابیں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی تصنیف کی ہوئی موجود ہیں۔ 1176ھ میں آپ کا وصال ہوا (1)۔

تحفہ اور ذوالفقار

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اپنے دور میں "صدر العلماء" تھے۔ قرآن و حدیث کے درس میں اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بعد آپ کا بہت حصہ ہے اور تقریباً ہندوستان بھر کے محدثین آپ ہی کے شجرۂ تلمذ کے شیریں پھل ہیں۔ تفسیری عزیزی و فتاویٰ عزیزیہ وغیرہ آپ کی بہت ہی گراں مایہ تصنیفات ہیں اور ردِ روافض میں آپ کی کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" تو آپ کا ایسا شاہکار ہے کہ آج تک روافض اس کا جواب نہیں تحریر کر سکے۔ نواب آصف الدولہ نے اپنے مولوی دلدار علی جائسی مجتہد لکھنؤ سے تحفہ اثناء عشریہ کے جواب میں لکھوائی جس کا نام "ذوالفقار" ہے۔ ایک مرتبہ نواب آصف الدولہ نے اپنے ایک مصاحب مرزا قتیل سے دریافت کیا کہ قبلہ وکعبہ نے تحفہ اثنا عشریہ کے جواب میں کیسی کتاب لکھی ہے؟ مرزا قتیل نے کہا کہ خیر۔ کتاب جیسی ہو گی وہ اپنی جگہ ہے مگر قبلہ وکعبہ کو تو کتاب کا نام رکھنا بھی نہیں آیا۔ بھلا یہ کوئی تک کی بات ہے کہ شاہ عبدالعزیز تو "تحفہ" پیش کریں اور قبلہ وکعبہ اس کے جواب میں ذوالفقار (تلوار) دکھائیں۔ مرزا قتیل باوجودیکہ خود بھی شیعہ تھے مگر چونکہ ہوش مند اور صاف گو آدمی تھے۔ اس لئے سچی بات انہیں کہنی ہی پڑی اور نواب صاحب کو بھی خاموش ہی ہونا پڑا۔

"تحفہ اثنا عشریہ" کے شائع ہوتے ہی روافض میں تہلکہ پڑ گیا اور امیر الامراء نجف خاں نے آپ کی ایذا رسانی کا عزم کیا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ زہریلی چھپکلی کا ابٹن حضرت شاہ صاحب کے جسم پر جبر آملوا دیا۔ جس سے آپ کے بدن پر جذام کا اثر نمودار ہو گیا اور آپ کو اور آپ کے بھائی

1۔ علماء حق ص 48۔

حضرت شاہ عبدالقادر کو دہلی سے شہر بدر کر دیا۔ چنانچہ نجف خاں کے مرنے کے بعد آپ لوگ پھر دہلی واپس آ گئے۔ 25/ رمضان 1159ھ میں آپ پیدا ہوئے اور 7/ شوال 1239ھ میں وصال فرمایا(1)۔

تبصرہ:۔ مندرجہ بالا تینوں حکایات سے دو عبرت خیز نتائج بہت ہی صاف طور پر برآمد ہوتے ہیں:۔

(1) علماء سلف نے دین کی حفاظت و خدمت میں ظالم امراء اور بادشاہوں کے ہاتھوں کیسی کیسی ہوش ربا مصیبتیں اٹھائی ہیں مگر مصائب و آلام کے ان طوفانوں میں بھی وہ برابر ملت اسلامیہ کی کشتی کی ناخدائی کرتے رہے اور تعلیم رسول کے مقدس سفینہ کو غرقاب ہونے سے بچاتے رہے۔ یہاں تک کہ دین اسلام صحیح و سلامت حالت میں ہم لوگوں تک پہنچا۔ یہ علماء سلف کا امت رسول پر اتنا بڑا احسان عظیم ہے کہ قیامت تک امت مسلمہ ہزاروں شکریہ ادا کرنے کے باوجود اس بارِ منت سے سبکدوش نہیں ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ان مسلمانوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو دن رات علماء امت پر طعنہ زنی کرتے رہتے ہیں اور برملا یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ مولویوں نے سوائے مسجد کا لوٹا توڑنے اور مفت خوری کے قوم کے لئے کچھ کام ہی نہیں کیا۔ للہ! انصاف کیجئے کہ اکبر بادشاہ اور جہانگیر بادشاہ کی کفری رسومات اور اکبر کے ایجاد کردہ "دین الٰہی" کے خلاف اگر حضرت مجدد الف ثانی نے نعرۂ جہاد نہ بلند کیا ہوتا تو شاید ملحدوں نے اب تک اسلام کا حسین و جمیل نورانی چہرہ مسخ کر دیا ہوتا اور ہندوستان میں حقیقی اسلام کا خط و خال لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔ اسی طرح اگر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے کمر کس کر ردّ روافض کا بیڑا نہ اٹھایا ہوتا تو روافض حکام نے اپنے ظالمانہ جبر و قہر سے غالباً اہل سنت کا جنازہ نکال دیا ہوتا۔ مگر آج انہی علماء حق کی مجاہدانہ مساعی کا نتیجہ ہے کہ اکبر کا "دین الٰہی" اور اس کی مشرکانہ رسومات اس طرح دفن ہو گئیں اور ان کی قبروں کا بھی کہیں نام و نشان نہیں ملتا اور حقیقی اسلام کا آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ ہندوستان کے گوشے گوشے میں آج بھی چمک رہا ہے اور بحمدہ تعالیٰ اہل سنت کا پرچم عظمت اپنی قدیمی شان کے ساتھ سربلند ہو کر باشندگان ہند کے دل و دماغ کی دنیا میں لہرا رہا ہے۔

1۔ علماء حق ص 51۔

(2) زمانہ حال کے علماء کے لئے بھی ان نورانی حکایات میں سے بہت بڑی عبرت کا سامان ہے کہ ہمارے بزرگوں کی خدمت دین اور تبلیغ اسلام میں جو مشکلات و مصائب در پیش ہوا کرتی تھیں اور علماء سلف جیسے جیسے ہوش ربا اور حوصلہ شکن آفات و محن کا شکار ہوا کرتے تھے۔ آج ہمارے لئے ان مشکلات و مصائب کا سواں حصہ بھی نہیں ہے۔ پھر بھی ہم پست ہمت ہو کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہوئے ہیں نہ کوئی تبلیغی مرکز قائم کرتے ہیں، نہ تصنیفات کر کے قوم کو صاف ستھرا لٹریچر دیتے ہیں، نہ کوئی تنظیم کر کے اجتماعی حیثیت سے کوئی مذہبی تحریک چلاتے ہیں۔ الحاد و بے دینی کا سیلاب کمیونزم کی شکل میں اور بدمذہبیت کا طوفان مختلف تحریکوں کی صورت میں پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لئے جارہا ہے اور علماء اہلسنت خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہیں کچھ فکر ہی نہیں کہ کتنا بھیانک انقلاب اژدھے کی طرح منہ پھاڑے چلا آرہا ہے۔ بار بار پکارنے اور فریاد کرنے کے باوجود کوئی "لبیک" کہنے والا تو کجا؟ کوئی پکار سننے کو بھی تیار نہیں اور بالکل وہی حال ہو گیا ہے جو کسی عربی شاعر نے اپنے ایک قطعہ میں ارشاد فرمایا ؎

فَلَوْنَا دَیْتَ حَیًا لَا سْتَجَابَا وَلٰکِنْ لاَّ حَیَاۃَ لِمَنْ تُنَادِیْ
وَلَوْنَارًا نَفَخْتَ بِهَا اَضَاءَ ت وَلٰکِنْ اَنْتَ تَنْفُخُ فِی الرَّمَادِ

"یعنی اگر تم کسی زندہ کو پکارتے ہو تو وہ ضرور تمہاری پکار کا جواب دیتا لیکن تم تو اس شخص کو پکار رہے ہو جس میں زندگی ہی نہیں۔ اگر تم آگ میں پھونک مارتے تو وہ ضرور روشن ہو جاتی لیکن تم تو راکھ میں پھونک مار رہے ہو۔"

خداوند کریم اپنا فضل و کرم فرمائے اور غیب سے دین و مذہب کی بقاء و ترقی کا سامان پیدا فرمائے، آمین ؎

اب خدا ہی مری کشتی کو بچائے تو بچے
ظلمتیں یاس کی ہیں شام ہے طوفانوں کی

علامہ فضل حق رحمۃ اللہ علیہ خیر آبادی کا عزم

حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ 1212ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد مولانا فضل امام صاحب سے تمام علوم و فنون کی تحصیل کر کے سند حدیث مولانا شاہ عبد القادر صاحب دہلوی سے حاصل کی اور 14 سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر اپنے والد ماجد کے تلامذہ

کو درس دینے لگے۔

علامہ موصوف اہل سنت کے مسلم الثبوت مایہ ناز عالم تھے۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے جب تقویۃ الایمان لکھ کر وہابیت کی اشاعت کی تو آپ نے مولوی اسمٰعیل دہلوی سے مناظرہ فرمایا اور آپ کے تقریری و تحریری مناظروں سے مولوی اسمٰعیل دہلوی کی تمام گمراہیاں تار عنکبوت کی طرح ٹوٹ پھوٹ کر بکھر گئیں اور وہابیت کے پرخچے اڑ گئے۔

آپ بادشاہ اکبر شاہ ثانی کے زمانے میں ریذیڈنٹ کے محکمہ میں سر شتہ دار رہے پھر نواب جھجھر کے یہاں آ گئے۔ پھر نواب رام پور کے اتالیق کچھ عرصہ الور میں بھی قیام فرمایا۔ پھر نواب واجد علی شاہ کے عہد میں صدر الصدور کے عہدہ پر فائز ہو گئے۔ 1857ء میں غدر کا ہنگامہ رونما ہوا تو دہلی آئے اور بہادر شاہ سے ملے اور انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ تحریر فرمایا۔ بہادر شاہ کو جب انگریزوں نے گرفتار کر کے رنگون بھیج دیا اور آپ اپنے وطن خیر آباد میں روپوش ہو گئے لیکن حاکم سیتاپور نے آپ کو گرفتار کر کے لکھنؤ بھیج دیا اور انگریزوں نے بغاوت کے جرم میں آپ پر مقدمہ چلایا۔ سرکاری وکیل کے سامنے حضرت علامہ خود ہی بحث کرتے تھے اور سرکاری وکیل کو بار بار خاموش کر دیتے تھے۔ جج یہ رنگ دیکھ کر پریشان تھا۔ جج کے سامنے آپ کی موجودگی میں جب سرکاری گواہ پیش ہوا تو اس نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ یہ وہ فضل حق نہیں ہیں جنہوں نے جہاد کا فتویٰ دیا ہے۔ وہ دوسرے شخص ہیں۔ آپ فوراً بول اٹھے کہ اس گواہ کی پہلی اطلاع بالکل صحیح ہے۔ اب یہ جو کچھ کہہ رہا ہے بالکل غلط ہے۔ مجھ پر جو جرم عائد کیا گیا ہے وہ بالکل درست ہے۔ میں وہی فضل حق ہوں جنہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا ہے اور آج بھی میں اپنے فتویٰ پر قائم ہوں۔ جج نے آپ کے اس اقبالی بیان سے مجبور ہو کر حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا تجویز کی۔ جس کو آپ نے بخندہ پیشانی قبول فرما لیا اور آپ جزیرہ "انڈمان" بھیج دیئے گئے اور وہیں 12/صفر 1278ھ میں آپ نے وفات پائی (1)۔

تبصرہ:۔ سرکاری گواہ کے اس بیان کے بعد کہ یہ وہ فضل حق نہیں ہیں جنہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا ہے۔ حضرت علامہ کا باعزت بری ہو کر رہا ہو جانا بالکل یقینی تھا مگر حضرت علامہ کی غیرت ایمانی نے اس کو قبول نہیں کیا کہ میں اپنے فتویٰ سے رجوع کروں یا اپنے فتویٰ کو چھپاؤں۔

1۔ علماء حق ص 56۔

آپ نے قید و بند اور جلاوطنی کی ہوشربا مصیبتوں کو بخندہ پیشانی قبول فرمالیا مگر حق اور ضمیر کی آواز کے خلاف بولنا تو در کنار خاموش رہنا بھی گوارا نہیں فرمایا۔ اس تاریخی دستاویز سے آپ کے عزم راسخ اور استقلال و استقامت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ انگریزوں کے خلاف جہاد حریت میں کتنے ثابت قدم تھے اور کتنے اولوالعزم اور مجاہدانہ جرأت کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا مگر افسوس کہ مذہبی تعصب کی بناء پر دیوبندی پریس نے مولوی اسمٰعیل دہلوی اور سید احمد شاہ رائے بریلوی وغیرہ کو تو بحیثیت مجاہد حریت خوب خوب اچھالا مگر علامہ فضل حق خیر آبادی رحمتہ اللہ علیہ کا کبھی بھول کر بھی تذکرہ نہیں کیا۔ حالانکہ واقع یہ ہے کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی وغیرہ نے زندگی بھر کبھی انگریزوں سے جہاد تو بڑی چیز ہے کبھی انگریزی حکومت کے خلاف زبانی تنقید بھی نہیں کی بلکہ مستند تواریخ اور تاریخی دستاویزوں سے یہ ثابت ہے کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کی پارٹی کو انگریز افسران رقم اور راشن دیا کرتے تھے اور کبھی کبھی ان لوگوں کی دعوتیں بھی کرتے تھے۔ چنانچہ عزیز محترم مولانا الاغر علامہ مشتاق احمد نظامی الٰہ آبادی سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "خون کا آنسو" میں بہت اچھی طرح اس حقیقت کی نقاب کشائی کی ہے کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کی پارٹی نے جو بالا کوٹ وغیرہ صوبہ سرحد کے علاقوں میں مسلمان امیروں اور سکھوں سے جنگ کی وہ انگریزوں کے اشارے پر کی اور اس کا مقصد انگریزی حکومت کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے سوا کچھ نہیں تھا۔

مگر ہٹلر کا وزیر نشریات "گوبلز" کہا کرتا تھا کہ بڑے سے بڑا جھوٹ کیوں نہ ہو لیکن اسے بار بار کہتے رہو تو چند دنوں میں وہ جھوٹ سچ ہو جائے گا۔ بالکل یہی معاملہ یہاں ہوا کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کو جھوٹ موٹ انگریزوں کے مقابلے میں "مجاہد حریت" بنا کر اس جھوٹ کو دیوبندی پریس نے برس ہا برس اس قدر اچھالا کہ آج واقعی لوگ مولوی اسمٰعیل دہلوی کو سچ مچ مجاہد حریت سمجھنے لگے بلکہ "شہید جہاد حریت" کے خطاب سے یاد کئے جانے لگے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے شعر میں تحریر فرمادیا ہے کہ:

وہ جسے وہابیہ نے دیا ہے لقب شہید و ذبیح کا
وہ شہید لیلیٰ نجد تھا وہ ذبیح تیغ خیار ہے

حق کی ہیبت

حضرت مولانا محمد نور صاحب لکھنوی (شاگرد ملک العلماء بحر العلوم) ایک روز کہیں

تشریف لے جارہے تھے۔ سامنے سے بادشاہ اودھ وزیر علی بخش ہاتھی پر چلا آرہا تھا۔ اس نے حضرت کو دیکھ کر اتنا ادب کیا کہ ہاتھی کو بٹھا کر زمین پر اتر آیا اور قریب آکر سلام عرض کیا لیکن چونکہ اس کی داڑھی منڈی ہوئی تھی اور وہ رافضی بھی تھا اس لئے آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس نے سمجھا کہ شاید مجھے دیکھا نہیں۔ اس لئے دوسری طرف سے جا کر سلام کیا۔ آپ نے ادھر سے منہ پھیر لیا۔ اس نے تیسری مرتبہ پھر سلام کیا مگر آپ نے جواب نہیں دیا تو وہ غصہ میں بھرا ہوا ہاتھی پر چڑھ کر یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ میں نے فرنگی محل کے مردوں کی داڑھیاں اور عورتوں کا سر نہ منڈوا لیا تو علی بخش نام نہیں۔ جب آپ مکان پر تشریف لے گئے تو ایک طالب علم نے علی بخش کا وہ فقرہ عرض کیا۔ آپ یہ سن کر فوراً باہر تشریف لائے۔ اس وقت حضرت مولانا سید آل رسول صاحب مارہروی اور حضرت مولانا فضل رسول صاحب بدایونی رحمتہ اللہ علیہما آپ کے دونوں طالب علم حاضر تھے۔ عرض کیا کہ حضور کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟ آپ نے پوربی زبان میں فرمایا کہ بچو نورا کی حماقتے تو ہے۔ علی بخش آیا تھا۔ سلام کیا تھا۔ جواب دے دیا ہوتا۔ اب وہ کسی کی داڑھی مونڈے ہے کسی کا مونٹر موڑے ہے۔ نورا کی حماقتے تو ہے۔ یہ کہہ کر آپ سیدھے شاہی محل کو روانہ ہو گئے۔ حالانکہ اس سے پیشتر آپ کبھی بھی شاہی محل میں تشریف نہیں لے گئے تھے۔ پیچھے پیچھے آپ کے یہ دونوں شاگرد بھی ہمراہ چلے۔ اس دن نوروز کا دن تھا اور شاہی محل میں جشن ہو رہا تھا۔ جب دربان نے آپ کو آتے دیکھا تو گھبرا کر دوڑتا ہوا گیا اور بادشاہ کو آپ کی آمد کی خبر دی بادشاہ سن کر گھبرا گیا اور حکم دیا کہ گانے بجانے اور شراب و کباب کا سارا سامان فوراً ہٹا دیا جائے اور خود دروازے تک استقبال کر کے حضرت کو اندر لے گیا اور انتہائی تعظیم و تکریم کے ساتھ آپ کو بٹھایا۔ بادشاہ کا وزیر علی بخش یہ منظر دیکھ کر کانپ اٹھا کہ ضرور میری شکایت کریں گے اور خدا ہی جانے بادشاہ کیا کچھ کرے گا مگر حضرت وزیر کی شکایت کرنے تو گئے نہیں تھے۔ بلکہ وزیر کو اپنی عظمت دکھانے کے لئے تشریف لے گئے تھے تاکہ وہ ایذاء رسانی کے خیال سے باز رہے۔ آپ تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہے۔ پھر بادشاہ نے عرض کیا کہ حضرت اس وقت کیسے تشریف لائے؟ ارشاد فرمایا کہ "تیری زمین میں رہتے ہیں۔ ہم نے کہا ذرا ہو آئیں۔" بادشاہ نے نوروز کی شیرینی پیش کی تو فرمایا کہ ہمارے دو بچے بھی باہر ہیں۔ چنانچہ ان دونوں حضرات کو بھی بلا لیا گیا۔ تھوڑی دیر تشریف رکھ کر واپس تشریف لے گئے۔

عبادات

دہل جائیں زمین و آسمان مومن کے سجدے سے
خدا کی بندگی یہ ہے "عبادت" اس کو کہتے ہیں

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شب بیداری

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تمام رات جاگتے تھے اور رات کی دو رکعتوں میں ہر رات پورا قرآن مجید ختم کر دیتے تھے اور مناجات میں اس قدر روتے تھے کہ ان کی گریہ وزاری کو سن کر پڑوسیوں کو ان پر رحم آ جاتا تھا۔ جیل خانہ کی جس کوٹھڑی میں وفات پائی وہاں سات ہزار ختم قرآن مجید پڑھ چکے تھے۔

مشہور محدث معسر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رات کو مسجد میں داخل ہوا تو کسی کے قرآن پڑھنے کی آواز میرے کان میں آئی۔ اس قدر قرأت میں شیرینی اور دلکشی تھی کہ میں کھڑے ہو کر سنتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک منزل پوری ہوئی۔ تو میں نے یہ سمجھا کہ اب رکوع کریں گے مگر وہ برابر پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ پورا قرآن مجید ایک رکعت میں ختم ہو گیا۔ جب میں نے ان کے قریب جا کر غور سے دیکھا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

اسی طرح زائدہ محدث کا بیان ہے کہ ایک رات میں نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، مجھے آپ سے تنہائی میں ایک مسئلہ دریافت کرنا تھا اس لئے میں انتظار میں بیٹھا رہا جب سب نمازی مسجد سے چلے گئے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سمجھ کر اب مسجد میں کوئی نہیں ہے آپ نے نماز نفل شروع کر دی اور اس میں بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا۔ جب فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ کی آیت پر پہنچے تو اسی آیت کو

بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ فجر کی اذان ہو گئی۔

اسی طرح استاذ حدیث قاسم بن معین کہتے ہیں کہ ایک رات امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے نفل نماز میں بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ کی آیت کو بار بار پڑھتے اور روتے روتے صبح کر دی۔

ایک برگزیدہ بزرگ یزید کیت رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نماز عشاء میں امام نے سورہ "اذا زلزلت" پڑھی حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ بھی جماعت میں شریک تھے۔ نماز ختم ہونے کے بعد میں نے دیکھا کہ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فکر میں غرق ہو کر بیٹھے ہیں اور رو رہے ہیں۔ قندیل میں تیل بہت تھوڑا تھا۔ اس لئے میں چپکے سے قندیل روشن چھوڑ کر چلا آیا۔ پھر جب صبح صادق ہونے کے وقت میں مسجد میں پہنچا تو میں نے یہ دیکھا کہ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے کھڑے ہیں اور اسی طرح دعا مانگ رہے ہیں کہ اے ذرہ بھر نیکی کا اچھا بدلہ دینے والے اور اسے ذرہ بھر بدی کا برا بدلہ دینے والے! تو اپنے بندے نعمان (ابو حنیفہ) کو جہنم کی آگ اور اس کے لگ بھگ عذاب سے بچالے اور اپنی رحمت کی فضا میں اس کو داخل فرمالے۔ میں نے فجر کی اذان دی۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے مجھ کو دیکھ کر فرمایا کہ جو کچھ تم نے دیکھا ہے خبردار کسی سے ذکر مت کرنا۔ یہ کہہ کر فجر کی سنت پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ میں نے تکبیر پڑھی تو جماعت میں شریک ہوئے اور ہمارے ساتھ فجر کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھی(1)۔

تبصرہ:۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی عبادتوں کی چند جھلکیاں آپ نے ملاحظہ فرمالیں۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت امام ممدوح کی عبادت کو آپ کی کرامت کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ ہم نے اپنی کتاب "اولیائے رجال الحدیث" میں مستند حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے چالیس برس تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی۔

اب ذرا حضرت امام ممدوح کے مشاغل پر غور فرمائیے اور پھر ان کی اس شب بیداری اور عبادت گزاری کو دیکھئے۔ دن میں آپ فقہ و حدیث کا درس بھی دیتے تھے جس درس میں حضرت

1۔ تبصرہ تاریخ بغداد ص36۔

قاضی امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام مندل، داؤد طائی جیسے سینکڑوں علم و عمل کے پہاڑ، طالب علم بن کر آپ سے سبق پڑھا کرتے تھے۔ پھر آپ دن میں کچھ وقت نکال کر کپڑوں کی تجارت بھی فرماتے تھے۔ اتنے مشاغل کے باوجود مسلسل چالیس برس تک روزانہ رات میں نماز نفل کے اندر ایک ختم قرآن مجید پڑھ لینا اور عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کر لینا کیا یہ بغیر کسی عظیم روحانی طاقت کے کسی انسان کے بس کی بات ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ خداوند کریم نے ان بزرگوں کو علم نبوت کی بے پناہ مجاہدانہ خدمات کی برکتوں سے ایسی روحانی قوتوں اور ملکوتی کرامتوں کا پہاڑ بنا دیا تھا کہ تھکنا، نڈھال ہونا، سست پڑ جانا، کمزور ہو جانا، ان لفظوں کا ان کی کتاب زندگی کی لغات میں کہیں کوئی وجود ہی نہ تھا۔ پھر مولیٰ عزوجل نے ان کے اوقات میں اتنی برکت عطا فرمادی تھی کہ گھنٹوں کا کام یہ بزرگان دین منٹوں میں کر لیا کرتے تھے خدا گواہ ہے کہ ان بزرگوں کے واقعات اور ان کی مقدس زندگی کے حالات پر ایک نظر ڈالنے سے بلا اختیار اس حقیت کے اعتراف پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ یقیناً یہ علماء صالحین فقہاء و محدثین مرتبہ ولایت و کرامت کی ایسی بلند ترین منزل پر فائز ہیں کہ دور حاضر کے علماء و مشائخ اس کی رفعت و بلندی کا تصور بھی نہیں کر سکتے! واللہ! ان علماء سلف کی مجاہدانہ عبادات و ریاضات، مجاہدانہ علمی خدمات، پرجوش تبلیغی کارناموں، زبان و قلم کے جہادوں کو دیکھ کر غیر شعوری طور پر ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ ان بزرگوں کا دینی جوش اور عشق حد جنون کو پہنچا ہوا تھا۔ اس سے میرا جذبات سے بھرا ہوا دل مجھے مجبور کرتا ہے کہ اب صبح و شام اس طرح دعا مانگا کروں:

عطا اسلاف کا جذبہ دروں کر　　شریک زمرۂ "لَا یَحْزَنُوْنَ" کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں　　مرے مولا! مجھے صاحبِ جنوں کر

بشر بن مفضل رحمۃ اللہ علیہ کی عبادت

بشر بن مفضل کی جلالت شان کے لئے یہی بہت کافی ہے کہ یہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ہزاروں باکمال محدثین کے استاد ہیں۔ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ روزانہ بلا ناغہ چار سو رکعت نماز نفل پڑھا کرتے تھے اور ساری زندگی "صوم داؤدی" یعنی ایک دن روزہ ایک دن افطار کے پابند رہے۔ 187ھ میں وصال فرمایا(1)۔

1۔ تذکرۃ الحفاظ ج1 ص285۔

ابن الحداد کی تلاوت اور روزمرہ

علامہ ابن حداد مصری شافعی کے بارے میں ابن زولاق کا بیان ہے کہ یہ علم حدیث، علم رجال، علم مناظرہ، علم نحو، علم لغت، علم تاریخ، اشعار عرب وغیرہ علوم کثیرہ کے ماہر تھے۔ قاضی کے عہدہ پر فائز تھے اور بڑی شان دار زندگی بسر کرتے تھے۔ اچھی سے اچھی سواریوں کے شوقین اور نہایت ہی خوش پوشاک تھے مگر کسی نے زندگی بھر ان کے کسی قول یا فعل پر طعنہ زنی نہیں کی بلکہ ان کے اونچے کردار اور معاملات کی صفائی پر بچہ بچہ ہمیشہ مداح رہا۔ بہت بڑے نمازی اور نہایت ہی عابد و زاہد تھے۔ اپنے گوناگوں مشاغل کے باوجود روزانہ بلاناغہ ایک ختم قرآن مجید پڑھتے تھے۔ ایک دن روزہ ایک دن افطار کا معمول رکھتے تھے۔ حج سے لوٹتے ہی 344ھ میں اسی برس کی عمر میں وفات پائی (1)۔

رسول خدا ﷺ کا بھیجا ہوا طالب علم

استاذ حدیث امام فراوی کا بیان ہے کہ میرے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں۔ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں یہ بشارت دی ہے کہ تم جا کر امام فراوی سے میرا یہ پیغام کہہ دو کہ تمہارے پاس ایک گندمی رنگ کا طالب علم (ابن عساکر) میری حدیثوں کی طلب میں آیا ہے۔ لہٰذا تم اس سے کبھی اکتانا مت۔ چنانچہ اس بشارت کے مطابق جب ابن عساکر امام فراوی کی درس گاہ میں آئے تو امام فراوی ان کی تعلیم میں اس قدر توجہ فرماتے تھے کہ جب تک ابن عساکر خود نہیں اٹھ جاتے تھے۔ امام فراوی درس سے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ ابن عساکر مختلف شہروں میں جا کر ایک ہزار تین سو شیوخ سے حدیثیں سن کر بہت ہی نامور اور بے مثال محدث ہو گئے اور بڑی بڑی ضخیم اور مفید کتابوں کے مصنف ہوئے۔

ابن عساکر درس حدیث اور تصنیفات کے مشاغل کے باوجود ذوق عبادت اور کثرت نوافل میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ جماعت اور تلاوت کے انتہائی پابند تھے۔ ہر رات ایک ختم قرآن مجید پڑھتے تھے اور ہر سال رمضان شریف میں مسجد اقصیٰ کے منارہ شرقیہ میں اعتکاف

1۔ تذکرۃ الحفاظ ج2 ص108۔

کرتے تھے اور ہر وقت اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہتے تھے۔ ملک شام کے رہنے والے تھے۔ 571ھ میں یہ علم و عمل کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا(1)۔

ایک سال حج ایک سال جہاد

علم نحو پڑھنے والے طالب علم خلیل بن احمد نحوی کو بحیثیت علم نحو کا امام ہونے کے جانتے ہیں مگر بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ان کی علمی جلالت اور عالمانہ شہرت و مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے بادشاہ ان کی ملاقات کے لئے ان کے در پر حاضری دیتے تھے اور لاکھوں درہم کا نذرانہ پیش کرتے تھے مگر یہ استغناء اور غناء نفس کا سلطان ہمیشہ بادشاہوں کے نذرانے کو ٹھکراتا رہا اور اپنی خشک روئی اور ٹوٹی چٹائی پر قناعت کر کے علوم و فنون کی خدمت اور خدا کی عبادت میں مشغول رہا۔ زندگی بھر یہ معمول رہا کہ ایک سال حج کے لئے جاتے اور ایک سال اسلامی لشکروں کے ساتھ کفار سے جہاد کے لئے جاتے۔

تبصرہ:۔ غور فرمائیے بلکہ ان علماء ربانین کی عبادتوں کی کثرت کو کرامت کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ اللہ اکبر! علماء سلف کی ان عبادتوں کو دیکھ کر اور اپنی کوتاہیوں اور بداعمالیوں کو دیکھ کر خدا کی قسم اپنا تو یہ حال ہوتا ہے کہ جب لوگ ہم کو عالم دین یا نائب رسول کہہ کر پکارتے اور یاد کرتے ہیں تو مارے شرم کے سر جھک جاتا ہے کہ بھلا ہم لوگ اس قابل ہیں کہ لوگ ہمیں عالم کہیں۔

خداوند کریم ان قدسی صفت بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے اور ان کے طفیل میں ہماری بھی مغفرت فرمائے ۔

شنیدم کہ در روز امید وبیم بداں رابہ نیکاں بخشد کریم

امام زین العابدین اور اصمعی

فن لغت اور ادب کے امام جناب اصمعی کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ چاندانی رات میں کعبہ مکرمہ کا طواف کر رہا تھا تو میں نے یہ دیکھا کہ ایک بہت ہی حسین و جمیل جوان کعبہ مکرمہ کے پردوں سے چمٹا ہوا بہت ہی دردناک آواز سے رو رو کر دعائیں مانگ رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ الٰہی! تمام آنکھیں سو رہی ہیں اور ستارے غروب ہو چکے ہیں۔ لیکن اے میرے پروردگار! تو حی و

1۔ تذکرۃ الحفاظ ج4 ص123۔

قیوم ہے اور اپنے دروازوں پر پہرہ بٹھا دیا ہے لیکن تیرا دروازہ ہر سائل کے لئے ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ اے میرے مولیٰ! میں گناہ گار ہوں۔ میں فقیر ہوں، میں مسکین ہوں، میں قیدی ہوں، میں تیرے دروازے پر تیری رحمت کا امیدوار بن کر کھڑا ہوں۔ پھر وہ جوان رو رو کر انتہائی رقت انگیز لہجے میں یہ اشعار پڑھنے لگا کہ

اَدْعُوْكَ رَبِّيْ وَمَوْلَائِيْ وَمُسْتَنَدِيْ   فَارْحَمْ بُكَائِيْ بِحَقِّ الْبَيْتِ وَالْحَرَمِ
اَنْتَ الْغَفُوْرُ فَجُدْ لِيْ مِنْكَ مَغْفِرَةً   اَوِعْفُ عَنِّيْ يَا ذَالْجُوْدِ وَالْكَرَمِ
اِنْ كَانَ عَفْوُكَ لَا يَرْجُوْهُ ذُوْجُرْمٍ   فَمَنْ يَّجُوْدُ عَلَى الْعَاصِيْنَ بِالْكَرَمِ

ترجمہ:۔ یعنی اے میرے رب، اے میرے مولا، اے مجھے ٹھکانہ دینے والے! میں تجھ سے دعا مانگتا ہوں تو میری گریہ وزاری پر رحم فرما۔ میں تجھے بیت اللہ اور حرم کا واسطہ دیتا ہوں تو بہت زیادہ بخشنے والا ہے تو میرے لئے اپنی طرف سے مغفرت کی سخاوت فرمادے۔ یا مجھے معاف فرمادے۔ اے بخشش و کرم والے مجرم تجھ سے معافی کی امید نہ رکھے تو پھر کون ہے جو گناہگاروں پر کرم کے ساتھ بخشش فرمائے گا۔

یہ اشعار پڑھنے کے بعد پھر اس جوان نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور یہ کہنے لگا کہ اے میرے مولا! اگر میں نے تیری اطاعت کی ہے تو یہ تیرا مجھ پر احسان عظیم ہے اور اگر میں نے تیری نافرمانی کی ہے تو یہ میری جہالت ہے۔ یا اللہ! تو مجھ پر رحم فرما اور تو مجھ کو میرے جد کریم اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور اپنے محبوب اور اپنے نبی محمد ﷺ کے دیدار سے محروم نہ فرمانا۔ پھر اس جوان نے یہ مناجات شروع کردی۔

اَلَا اَيُّهَا الْمَامُوْلُ فِيْ كُلِّ شِدَّةٍ   اِلَيْكَ شَكَوْتُ الضُّرَّ فَارْحَمْ شِكَايَتِيْ
اَلَا يَا رِجَائِيْ اَنْتَ كَاشِفُ كُرْبَتِيْ   فَهَبْ لِيْ ذُنُوْبِيْ كُلَّهَا وَاقْضِ حَاجَتِيْ
اَتَيْتُ بِاَعْمَالٍ قِبَاحٍ رَدِيَّةٍ   وَمَا فِي الْوَرٰى خَلْقٌ جَنٰى كَجِنَايَتِيْ

ترجمہ:۔ اے وہ ذات! کہ ہر مصیبت میں تجھی سے امیدواری کی جاتی ہے۔ میں تیرے ہی دربار میں اپنی تکلیف پیش کرتا ہوں۔ لہٰذا تو میری التجا پر رحم فرما۔ تو ہی میری امید ہے۔ تو ہی میری بیقراری کو دور فرمانے والا ہے۔ لہٰذا تو میرے سب

گناہوں کو بخش دے اور میری حاجت کو پوری فرمادے میں بہت ہی خراب اور ردی قسم کے اعمال لے کر آیا ہوں اور تمام مخلوق میں مجھ سے بڑا جرم کسی نے نہیں کیا ہے۔

وہ جوان ان مذکورہ بالا اشعار کو پڑھتے پڑھتے ایک دم بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اصمعی کہتے ہیں کہ میں دوڑ کر اس جوان کے قریب پہنچا تو یہ دیکھا کہ وہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے فوراً ان کا سر مبارک اپنی گود میں رکھ لیا اور مجھ پر ایسی رقت طاری ہو گئی کہ میں زار زار رونے لگا۔ یہاں تک کہ میرے آنسوؤں کی دھار ان کے مقدس رخسار پر گرنے لگی۔ تو وہ جوش میں آگئے اور آنکھیں کھول کر فرمایا کہ یہ کون شخص ہے؟ جس نے میرے مولا کی یاد میں خلل ڈالا۔ تو میں نے عرض کیا کہ اے میرے آقا! میں آپ کا غلام اصمعی ہوں۔

حضور والا! آپ اس قدر کیوں گریہ وزاری فرمارہے ہیں؟ آپ تو اہل بیت نبوت میں سے ہیں اور خداوند عالم نے آپ لوگوں کے لئے قرآن مجید میں یہ بشارت عطا فرمائی ہے کہ: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت! تم سے ہر پلیدی کو دور رکھے اور تمہیں خوب پاک اور ستھرا بنادے۔ میری یہ گفتگو سن کر امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اے اصمعی! کیا تمہیں خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت ہر اس شخص کے لئے بنائی ہے جو اس کی اطاعت کرے۔ خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو اور جہنم ہر اس شخص کے لئے بنائی ہے جو اس کی نافرمانی کرے۔ خواہ وہ قریشی بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ کیا تم نے اس حاکم عادل کا یہ فرمان نہیں دیکھا ہے کہ: فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ یعنی جس دن صور پھونکا جائے گا تو نہ کوئی رشتے ان میں رہیں گے نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے (1)۔

تبصرہ:۔ اس نورانی حکایت کو بار بار پڑھئے اور عبرت حاصل کیجئے کہ اہل بیت نبوت کے چشم و چراغ جانشین خاندان آل عباء نور چشم شہید کربلا حضرت علی بن حسین زین العابدین رضی اللہ عنہ کی عبادت و ریاضت کا کیا عالم تھا؟ اور ان کے خوف و خشیت ربانی کا رتبہ کتنی منزل بلند پر فائز تھا؟ بلاشبہ آپ علم نبوت کے وارث اور رشد و ہدایت کے نشان اعظم تھے۔ آپ کی خاندانی

1۔ روح البیان ج6 ص107۔

عظمت وو جاہت کی بلندی پر آسمانوں کی سر بلندی بھی قربان اور آپ کے علمی و عملی کمالات اور عُلوِّ مراتب پر ثریا کی رفعت بھی نثار، آپ یقیناً سید السادات اور وارث کمالات مولائے کائنات ہیں لیکن اس کے باوجود آپ کے عجز وانکسار کا یہ عالم ہے کہ اصمعی جیسا جلیل القدر اور فن لغت و ادب کا امام جب قرآن پڑھ کر ان کے مراتب علیا ان کو یاد دلاتا ہے تو آپ اس کو یہ جواب دیتے ہیں کہ قیامت کے دن نہ کوئی رشتہ ہوگا نہ کوئی کسی کا پرسان حال ہوگا۔ اللہ اکبر! امام ممدوح کا سینہ خوف و خشیت ربانی کا ایسا نورانی سفینہ تھا کہ جس میں تفاخر بالانساب اور خاندانی بڑائی کا کبھی گزر ہی نہیں ہو سکتا تھا آپ عجز وانکسار کا ایسا بے مثال مرقع اور تواضع و خاکساری کے ایسے بے مثل پیکر تھے کہ آپ کو دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے۔

آپ کے اس طرز عمل میں آج کل کے سادات کرام کے لئے بہت بڑا درس عبرت ہے جو اپنی سیادت اور خاندانی شرافت پر ہر دم فخر کرتے رہتے ہیں بلکہ اسی گھمنڈ و غرور میں علوم و اعمال صالحہ سے بھی اپنے کو بے نیاز سمجھتے ہیں۔ کاش یہ لوگ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی مقدس زندگی سے سبق حاصل کرتے اور پیکر تواضع و انکسار بن کر خضوع و خشوع کے ساتھ اپنے رب کریم کی عبادت کرتے اور اپنے علوم و اعمال صالحہ کی بدولت امت رسول کے لئے ذریعہ ہدایت بنتے مگر افسوس کہ آج کل کے بعض مدعیان سیادت کا تو یہ حال ہے کہ نہ علم نہ عمل بس خانقاہ میں لے دے کر ان کی کل کائنات یہی ہے۔

لبوں پہ ہے پدرم پادشاہ بود کا شور
تفاخر من و تو کے سوا کچھ اور نہیں

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی عبادت و ریاضت اور خوف الٰہی سے ان کی گریہ و زاری کا ایک منظر تو آپ نے دیکھ لیا۔ اب ذرا یہ بھی سن لیجئے کہ سفر اور حضر میں کبھی آپ کی نماز تہجد قضا نہیں ہوئی اور روزانہ بلاناغہ ایک ہزار رکعت نماز نفل پڑھا کرتے تھے اور اپنی زندگی میں دو مرتبہ اپنا سارا مال خدا کی راہ میں خیرات کیا اور آپ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آپ بہت سے غرباء اہل مدینہ کے گھروں میں ایسے پوشیدہ طریقوں سے رقم بھیجا کرتے تھے کہ ان غرباء کو خبر ہی نہیں ہوتی تھی کہ یہ رقم کہاں سے آتی ہے؟ مگر جب آپ کا وصال ہو گیا تو غریبوں کو پتہ چلا کہ یہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی سخاوت تھی۔ آپ کے تہجد اور نوافل کی کثرت اور

راتوں کو آپ کی آہ و زاری اور گریہ و بیقراری ہی کی وجہ سے تمام امت نے آپ کو "زین العابدین" کے لقب سے پکارنا شروع کر دیا اور بلاشبہ آپ اس عظیم الشان لقب کے اہل و مستحق ہیں۔ اللہ اکبر! سچ ہے ۔

عطار ہو رومی ہو، رازی ہو غزالی ہو　　　کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

میں نے بغداد کیوں چھوڑا

حافظ ابو العباس سراج خراسانی بڑی شان کے محدث تھے۔ ان کو حضور اقدس ﷺ سے بڑی والہانہ محبت تھی۔ چنانچہ بارہ ہزار ختم قرآن مجید پڑھ کر انہوں نے بارگاہ رسالت میں ایصال ثواب کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے بارہ ہزار قربانیاں کیں۔ انہوں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آسمان میں ایک سیڑھی لگی ہے اور میں 99 سیڑھیوں پر چڑھ گیا تھا۔ تمام معبرین نے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ تمہاری عمر 99 برس کی ہو گی۔ چنانچہ واقعی انہوں نے 99 برس کی عمر پائی۔

ابو الولید حسان فقیہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے بغداد کی سکونت کیوں چھوڑ دی؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میرے بھائی بغداد میں پچاس برس تک رہے مگر جب ان کا انتقال ہوا اور جنازہ نکلا تو محلے میں کسی نے پوچھا کہ یہ کس کی میت ہے؟ تو ایک شخص نے کہا کہ ایک پردیسی مر گیا ہے۔ یہ سن کر میں نے انا للہ پڑھا۔ کہ افسوس۔ پچاس برس بغداد کی سکونت اور علم و تجارت میں شہرت کے باوجود یہ کہا جا رہا ہے کہ "ایک پردیسی مر گیا ہے" یہ جملہ سن کر مجھے بغداد والوں سے ایسی نفرت پیدا ہو گئی کہ میں نے ہمیشہ کے لئے بغداد کو خیرباد کہہ کر سکونت ترک کر دی۔ ربیع الآخر 313ھ میں آپ نے دنیا سے رحلت فرمائی (1)۔

ابو نواس رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت

محمد بن نافع فرماتے ہیں کہ میں نیند اور بیداری کے درمیان غنودگی کے عالم میں تھا کہ میں نے ابو نواس شاعر کو اس کی موت کے بعد دیکھا۔ جو بہت ہی بد عمل اور نہایت ہی بد کردار شاعر تھا۔ میں نے ابو نواس سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا انجام ہوا؟ تو اس نے جواب دیا کہ میرے پاس

1۔ تذکرۃ الحفاظ ج 2 ص 270۔

اور تو کوئی نیک اعمال کا ذخیرہ تھا ہی نہیں لیکن میرے چار اشعار جو تمہارے تکیہ کے نیچے ہیں۔ یہی میری مغفرت کا سامان بن گئے اور ارحم الرحمین نے اپنی رحمت سے مجھے بخش دیا۔ محمد بن صالح کا بیان ہے کہ میں نے خواب سے بیدار ہو کر جلدی جلدی اپنا تکیہ اٹھایا تو اس کے نیچے ایک پرچہ پر یہ چار شعر لکھے ہوئے تھے۔

(1) يَا رَبِّ اِنْ عَظُمَتْ ذُنُوْبِیْ كَثِيْرَةً
فَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ عَفْوَكَ اَعْظَمُ

(2) اِنْ كَانَ لَا يَرْجُوْكَ اِلَّا مُحْسِنٌ
فَبِمَنْ يَلُوْذُ وَيَسْتَجِيْرُ الْمُجْرِمُ

(3) اَدْعُوْكَ رَبِّ كَمَا اَمَرْتَ تَضَرُّعاً
فَاِذَا رَدَدْتَّ يَدِیْ فَمَنْ ذَا يَرْحَمُ

(4) مَالِیْ اِلَيْكَ وَسِيْلَةٌ اِلَّا الرَّجَاءُ
وَجَمِيْلُ عَفْوِكَ ثُمَّ اَنِّیْ مُسْلِمُ

ترجمہ۔(1)اے میرے پروردگار اگرچہ کثرت کے لحاظ سے میرے گناہ بہت ہی بڑے اور زیادہ ہیں لیکن مجھے اس بات کا یقین ہے کہ تیرا عفو و کرم میرے گناہوں سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔

(2)اگر صرف نیکو کار ہی تجھ سے امیدوار ہو تو پھر خطا کار کس کی پناہ ڈھونڈے اور کس کی بارگاہ امن میں اپنا ٹھکانہ طلب کرے۔

(3) اے میرے رب! میں تیرے حکم کے مطابق تجھ سے گڑگڑا کر دعا مانگتا ہوں۔ اب اگر تو ہی میرے دست سوال کو ٹھکرا دے گا۔ تو پھر کون ہے جو مجھ پر رحم فرمائے گا۔

(4) تیرے دربار میں میرا بجز اس کے کوئی وسیلہ نہیں کہ مجھے تجھ سے امیدواری اور تیرا عفو و کرم بہت ہی اچھا ہے۔ پھر اس کے بعد اتنا وسیلہ اور ہے کہ میں مسلمان ہوں(1)۔

1۔شرح الصدور ص122۔

تبصرہ:۔ اس میں شک نہیں کہ ابونواس شاعر بہت ہی بد عمل تھا اور لوگ اس کو اس کی بداعمالیوں کی وجہ بہت ہی حقارت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے مگر غور فرمایئے کہ محض چار اشعار خداوند غفار وستار کے دربار میں مقبول ہوگئے۔ تو یہی اس کی مغفرت کا ذریعہ بن گئے۔ اور ارحم الراحمین نے اس کو اپنی مغفرت سے سرفراز فرمادیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مغفرت کا دارومدار خداوند قدوس کے دربار میں اعمال کی مقبولیت اور اس کے فضل وکرم پر ہے۔ کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ؎

رحمت حق بہانہ می جوید   رحمتِ حق بہا، نہ می جوید

یعنی خدا کی رحمت مغفرت کے لئے ڈھونڈتی ہے۔ خدا کی رحمت مغفرت کی قیمت نہیں طلب کرتی ہے۔ بعض اعمال دیکھنے میں بہت حقیر اور معمولی نظر آتے ہیں مگر بندہ جب للّٰہیت اور خلوص نیت کے ساتھ اس پر عمل کرتا ہے اور خداوند کریم کو وہ عمل پسند ہو جاتا ہے اور وہ اپنے فضل وکرم سے اس عمل کو قبول بھی فرمالیتا ہے تو وہ حقیر اور چھوٹا سا عمل ہی اس بندے کے لئے ذریعہ نجات و باعث مغفرت بن جاتا ہے۔ احادیث کریمہ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ ایک حدیث میں وارد ہوا کہ ایک آدمی نے راستہ چلتے ہوئے یہ دیکھا کہ ایک خاردار درخت کی ٹہنی راستہ پر پڑی ہوئی ہے اس نے اس خیال سے کہ کسی مومن کو کانٹا نہ چبھ جائے۔ اس خاردار ٹہنی کو راستہ سے ہٹادیا۔ اس کا اتنا ہی عمل خیر خداوند کریم کو پسند ہو گیا اور مولیٰ کریم نے اس بندے کی مغفرت فرمادی۔

بہرحال مومن کو چاہئے کہ کسی نیک عمل کو حقیر سمجھ کر ترک نہ کرے بلکہ ہر عمل خیر کو کرتا ہی رہے، نہ معلوم بندے کو کون سا عمل ارحم الراحمین کو پسند آجائے اور مغفرت کا ذریعہ بن جائے۔

اللہ کی دین ہے جسے دے   میراث نہیں ہے بلند نامی

روتے روتے نابینا ہوگئے

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بہت جلیل القدر شاگرد "یزید بن ہارون وسطی" ہیں۔ ان کے بارے میں "علی بن مدینی" فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یزید ہارون سے بڑھ کر کسی کو حدیثوں کا حافظ نہیں دیکھا۔ یزید بن ہارون اپنی علمی جلالت کے ساتھ ساتھ ذوق

عبادت میں بھی اپنے دور کے عدیم المثال ہی تھے۔ ان کی آنکھیں بڑی خوبصورت تھیں مگر خوف خداوندی سے دن رات اس قدر رویا کرتے تھے کہ مستقل طور پر ان کی آنکھوں میں آشوب چشم کی شکایت رہنے لگی۔ یہاں تک کہ آنکھوں کی خوبصورتی اور روشنی دونوں جاتی رہیں۔ ان کی عبادت کی کثرت کے بارے میں علی بن عاصم محدث کا بیان ہے کہ یہ پوری رات ہمیشہ جاگتے اور نوافل پڑھتے رہتے تھے اور اپنے استاد حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح تقریباً چالیس تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے رہے۔ ایک مدت تک بغداد میں حدیث کا درس دیتے رہے۔ پھر آخری عمر میں اپنے وطن واسط چلے گئے اور 206ھ یا 217ھ میں وصال فرمایا(1)۔

تبصرہ:۔ فقہاء و محدثین ہوں یا صوفیہ و عابدین تمام خاصان خدا کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ خوف الٰہی سے بکثرت رویا کرتے تھے۔ راتوں کو جاگ کر خدا کی عبادت کرنا اور خوف خداوندی سے گڑگڑا کر رونا۔ اس کی فضیلت کوئی حضور سید المرسلین امام النبیین ﷺ سے پوچھے کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری ساری راتیں نفل نمازوں میں کھڑے رہتے۔ یہاں تک کہ پائے مبارک میں ورم آجاتا تھا اور خوف و خشیت ربانی سے بار بار رویا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهُ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ یعنی جو شخص تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ جائے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عرش کے سایہ رحمت کے نیچے سایہ عطا فرمائے گا۔ جس دن کہ اس کی رحمت کے سایہ کے سوا دوسرا کہیں کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

یہ حقیقت ہے کہ خوف خداوندی سے رونے والے کا ایک قطرۂ آنسو دیکھنے میں تو وہ آنسو کا ایک قطرہ ہے مگر در حقیقت وہ رحمت الٰہی کا ایک سمندر ہے جو گناہوں کے لاکھوں دفتر کو دھونے کے لئے کافی ہے۔ بڑے خوش نصیب ہیں وہ مسلمان جو خدا کے ڈر سے بار بار اور زار و قطار روتے رہتے ہیں۔ کاش! خداوند کریم ہم گناہگاروں کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

اللہ اللہ! یزید بن ہارون واسطی کتنے بڑے قسمت کے سکندر تھے کہ انہوں نے خوف خداوندی سے روتے روتے اپنی آنکھوں کی خوبصورتی اور روشنی کو قربان کر دیا۔ تو خداوند عالم نے ان کو نور بصیرت عطا فرمادیا کہ اپنی معرفت کی دولت سے انہیں مالا مال فرمادیا اور عرش سے فرش تک ساری کائنات عالم کو ان کے پیش نظر کر دیا۔ کیا خوب فرمایا حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ

1۔ تذکرۃ الحفاظ وغیرہ۔

نے اپنی مثنوی شریف میں ۔

لوح محفوظ است پیش اولیاء　　ازچہ محفوظ است محفوظ از خطا

یعنی لوح محفوظ اولیاء اللہ کے سامنے ہو جاتا ہے۔ جس میں لکھے ہوئے علوم و معارف ہر قسم کی خطا سے محفوظ ہیں۔ سبحان اللہ! لوح محفوظ جس میں ہر چھوٹی بڑی بات اور ماضی و حال و مستقبل کے سارے حالات من جانب اللہ تحریر ہیں۔ وہ جن کی نگاہوں کے پیش نظر ہوں۔ بھلا ان کے علوم و معارف کا کیا عالم ہوگا؟ اور پھر ان کے تصرفات و کرامات کی بادشاہی اور شہنشاہی کی کیا شان ہوگی؟ کیوں نہ ہو کہ ۔

ولایت، پادشاہی، علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں؟ فقط اک نقطہ ایماں کی تفسیریں

نمازی پر بھڑوں کا چھتہ

قاضی امام ابو یوسف و امام محمد (شاگردان ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ) کے ایک مایہ ناز و قابل فخر شاگرد رشید معلی بن منصور رازی بہت ہی صداقت شعار اور پرہیز گار بزرگ اور اعلیٰ درجہ کے نمازی تھے۔ نمازوں میں ان کے خضوع و خشوع اور توجہ الی اللہ کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ عین نماز کی حالت میں ان کے سر پر بھڑوں کا چھتہ گر پڑا۔ غضب ناک بھڑوں نے ان کو ڈنک مارنا شروع کر دیا مگر یہ انتہائی استغراق کے عالم میں بدستور نماز میں مشغول رہے آخر اسی حالت میں نماز ختم کی۔ جب یہ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے دیکھا کہ بھڑوں کے ڈنک سے ان کے تمام سر میں ورم آگیا ہے۔ اصلی وطن رے تھا مگر یہ بغداد آئے تو یہیں کے ہو کر رہ گئے اور 211ھ میں بغداد ہی کے اندر وفات پا کر مدفون ہوئے (1)۔

نماز میں پیشانی پر بھڑ

احمد بن اسحاق محدث کا بیان ہے کہ میں نے حافظ الحدیث محمد بن نصر مروزی فقیہ سے زیادہ اچھی نماز پڑھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ حالت نماز میں ان کی پیشانی پر ایک بھڑ بیٹھ گئی اس نے اس قدر ڈنک مارا کہ ان کی پیشانی پر خون بہہ نکلا مگر کیا مجال کہ ان کے خضوع و خشوع

تہذیب التہذیب۔

میں بال برابر فرق پیدا ہو۔اس حالت میں بھی پورے سکون واطمینان کے ساتھ نماز میں مشغول رہے اور ذرا بھی حرکت نہیں کی۔294ھ میں وصال فرمایا(1)۔

تبصرہ:۔ان دونوں واقعات کو پڑھ کر جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور فرط حیرت سے سر دھننے کو جی چاہتا ہے کہ واللہ ان علماء سلف کی نمازوں میں استغراق اور حضوری کی کیفیت کا وہ عالم تھا کہ آج کل کے ہمارے مولویوں کو اس کا تصور بھی دشوار ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ نماز تو درحقیقت ان ہی بزرگوں کی نماز تھی۔ حضور اکرم ﷺ کے اس مقدس ارشاد کے مطابق تھی کہ وَاعْبُدْ رَبَّكَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَرَاهُ فَاِنَّكَ يَرَاكَ. یعنی تم اپنے رب کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اپنے رب کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم کو اس حد تک حضوری نہ ہو تو کم سے کم اتنا ہی دھیان رکھو کہ وہ رب تمہیں دیکھ رہا ہے!

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ واقعی وہی نماز سچ مچ نماز کہلانے کی مستحق ہے جس میں نمازی کی کمال خضوع و خشوع سے یہ کیفیت پیدا ہو جائے کہ بھڑ کا ڈنک تو کیا چیز ہے؟ تلوار کی مار کا بھی احساس نہ ہو کسی شاعر نے اسی حقیقت کا آشکار کرتے ہوئے خوب فرمایا ہے کہ ؎

نماز وہ ہے جو سینوں میں بجلیاں بھر دے نہ وہ کہ صرف رکوع و قیام بن کے رہی

مگر آج کل کے ہم مولویوں کی وہ نماز کہ ”سر سجدے میں دل دغابازی میں“ اس کے لئے تو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ؎

وہ سجدہ تو سجدہ ہوا ہی نہیں کہ سر جھک گیا دل جھکا ہی نہیں

خالق کائنات ہم پر اپنا فضل و کرم فرمائے اور ہماری پیشانیوں میں سجدوں کی ایسی لذت بخش دے کہ بوقت نماز ہمارے دل و دماغ کے گوشے گوشے میں حضور مع اللہ کی تجلیوں سے ایسی بجلیاں پیدا ہو جائیں کہ ہمیں نماز کا سرور جاوداں حاصل ہو جائے اور بدن کی بوٹی بوٹی بلکہ بدن کا بال بال خدا کے جاہ و جلال کے نورانی تصور سے پرنور بلکہ نورٌ علیٰ نور ہو جائے ورنہ ہماری ان نمازوں کو دیکھ کر تو کسی حق گو شاعر نے جو کچھ کہا ہے وہ ایک ایسی حقیقت کا اظہار ہے جو آفتاب نصف النہار کی طرح عالم آشکار ہے کہ ؎

نہیں ہے جوش بلالی و حیدری تجھ میں ستم ہے اپنی نمازوں پہ گر تو ناز کرے

1۔تہذیب التہذیب

خودی کو چھوڑ کے محو نمازیوں ہو جا　　کہ خود نماز ہی تیری ادا پہ ناز کرے

نمازی یا ستون

مشہور محدث منصور بن معتمر کوفی کی علمی عظمت کا یہ عالم ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل و عبدالرحمٰن بن مہدی و علی مدینی وغیرہ حدیثوں کے پہاڑوں نے یہ شہادت دی کہ اپنے دور میں کوفہ کے سب سے ثقہ اور اعلیٰ محدث "منصور بن معتمر" ہیں۔ ان کی نماز کے بارے میں حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ اگر تم منصور بن معتمر کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تو یہ سمجھتے کہ بس ابھی ان کا انتقال ہو جائے گا۔ داڑھی سینے سے لگی ہوئی انتہائی استغراق کے عالم میں رات بھر نماز میں مشغول رہتے۔ چنانچہ منقول ہے کہ جب منصور بن معتمر کا انتقال ہو گیا تو ان کے پڑوسی کی ایک چھوٹی لڑکی نے اپنے باپ سے پوچھا کہ ابا جان! ہمارے پڑوسی کی چھت پر جو ایک ستون تھا وہ کب گر گیا؟ بچی کے اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ منصور بن معتمر دن میں کبھی چھت پر نہیں چڑھتے تھے۔ صرف رات میں چھت پر کھڑے ہو کر ساری رات نماز پڑھا کرتے تھے۔ تو وہ بچی جو رات کو اپنی چھت پر سوتی تھی۔ تو یہ سمجھتی تھی کہ یہ کوئی ستون ہے۔ آپ رات بھر جاگتے تھے مگر اپنی شب بیداری کو چھپانے کے لئے صبح کو آنکھوں میں سرمہ لگا کر اور چہرے پر تیل کی مالش کر کے اس شان سے درسگاہ میں بیٹھا کرتے تھے کہ گویا پوری رات آرام سے سوتے رہے ہیں۔ نماز کے علاوہ آپ کی باکرامت عبادت کا ایک منظر یہ بھی ہے کہ آپ ساٹھ برس تک روزانہ ہمیشہ روزہ دار ہی رہے اور ہر رات تہجد گزاری اور گریہ وزاری میں گزاری (1)۔

تبصرہ:۔ اللہ اکبر! ان نمازیوں اور ان کی نمازوں کی عظمت شان کا کیا کہنا؟

وہ سجدہ روح زمین جس سے کانپ اٹھتی تھی　　ترستے ہیں اسی سجدے کو منبر و محراب

درود شریف کا وظیفہ

حضرت سفیان ثوری محدث رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے طواف کعبہ کے دوران ایک شخص کو دیکھا کہ وہ درود شریف کے سوا کوئی بھی دعا نہیں پڑھتا تھا اور وہ ہر قدم پر ایک بار درود شریف پڑھ کر دوسرا قدم اٹھاتا تھا۔ آخر مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ تو میں نے اس سے دریافت

1۔ طبقات شعرانی۔

کیا کہ تم تسبیح، تہلیل، تکبیر، سب کچھ چھوڑ کر ہمیشہ صرف درود شریف ہی کیوں پڑھتے رہتے ہو؟ میرا یہ سوال سن کر وہ چونکا کہ تم کون ہو؟ جب میں نے اس کو بتایا کہ میں سفیان ثوری محدث ہوں۔ تو وہ شخص بالکل باادب ہو گیا اور کہنے لگا کہ اگر آپ اپنے وقت کے ایک عظیم الشان محدث اعظم نہ ہوتے تو میں اپنا یہ راز ہرگز ہرگز آپ پر ظاہر نہ کرتا۔ واقعہ یہ ہے کہ میں ایک مرتبہ اپنے والد کے ہمراہ حج کے لئے چلا۔ اچانک ایک منزل پر میرا باپ بیمار ہو کر وفات پا گیا اور ایک دم اس کا چہرہ بالکل سیاہ آنکھیں نیلی اور شکم بھری مشک کی طرح پھول گیا۔ میں اپنے باپ کی یہ بگڑی ہوئی شکل دیکھ کر رونے لگا اور روتے روتے سو گیا۔ ناگہاں میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت ہی نورانی صورت والے بزرگ تشریف لائے اور میرے باپ کے چہرے اور شکم پر ہاتھ پھیر دیا۔ ان کا چہرہ نہایت ہی حسین و جمیل ہو کر چمکنے لگا اور شکم کا ورم بالکل ختم ہو کر اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ پھر میں خواب ہی میں ان بزرگ کی چادر پکڑ کر مچل گیا کہ للہ! مجھے آپ یہ بتا دیجئے کہ آپ کون ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں "محمد رسول اللہ" ہوں۔ تمہارا باپ بہت ہی بدکار تھا مگر وہ درود شریف بکثرت پڑھا کرتا تھا۔ اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے مرتے وقت اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا اور صورت بگڑ گئی لیکن مرتے وقت اس نے مجھ سے فریاد کی تو میں اس کی فریادرسی کے لئے آ گیا ہوں اور میں ہر مسلمان کا فریادرس ہوں جو دنیا میں مجھ پر درود شریف پڑھتا رہے گا۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے یہ دیکھا کہ میرے باپ کا چہرہ روشن ہو کر چمک رہا ہے اور شکم کا ورم بالکل ختم ہو گیا ہے۔ اس واقعہ سے میں اس قدر متاثر ہوا کہ کسی حال میں بھی درود شریف پڑھنا بند نہیں کرتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ طواف میں بھی میرا یہی وظیفہ ہے کہ درود شریف کے سوا کچھ بھی نہیں پڑھتا(1)۔

تبصرہ:۔ درود شریف کے وظیفہ کے فضائل و برکات کا کیا کہنا؟ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿﴾

یعنی بیشک اللہ اور اس کے فرشتوں کا یہ وظیفہ ہے کہ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم لوگ ان پر درود پڑھو اور سلام بھیجو جیسا کہ سلام بھیجنے کا حق ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

1۔ روح البیان ج7 ص225۔

حدیث شریف میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں آپ پر بکثرت درود شریف پڑھتا ہوں۔ تو میں دن رات کا کتنا حصہ درود خوانی میں صرف کروں؟ تو ارشاد فرمایا کہ تم جس قدر چاہو۔ میں نے عرض کیا کہ کیا چوتھائی حصہ میں درود شریف پڑھ لیا کرو؟ ارشاد فرمایا کہ تم جس قدر چاہو۔ لیکن اگر اس سے زیادہ پڑھو گے تو تمہارے لئے بہتر ہی ہوگا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ کیا نصف حصہ درود خوانی میں گزار دوں؟ تو ارشاد فرمایا کہ تم جتنے حصے میں چاہو مگر زیادہ کرو گے تو تمہارے حق میں بہتر ہی ہوگا۔ پھر میں نے کہا کہ کیا دو تہائی حصے میں درود شریف پڑھا کروں؟ تو فرمایا کہ تم جتنے حصے میں چاہو پڑھتے رہو مگر جس قدر زیادہ درود شریف پڑھو گے تمہارے لئے بہتر ہی ہوگا۔ یہ سن کر میں نے کہہ دیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں اپنے تمام اوقات میں درود شریف ہی پڑھتا رہوں گا۔ تو ارشاد فرمایا کہ جب تو تمہارا ہر کام بن جائے گا اور تمہارے گناہوں کا کفارہ بھی ہو جائے گا(1)۔

برادران ملت! یہی وجہ ہے کہ بزرگان دین و علماء صالحین نے قسم قسم کے درود شریف پر "دلائل الخیرات" وغیرہ قسم کی کتابیں تصنیف فرمائیں اور مختلف صیغوں کے ساتھ ساتھ نئے نئے درود شریف کے مجموعے مرتب اور تیار کیے تاکہ امت رسول اس وظیفہ کریمیہ کے فیوض و برکات سے قیامت تک فیض یاب ہوتی رہے۔ مگر افسوس کہ تاریخ اسلام کا یہ کتنا خون رلانے والا حادثہ ہے کہ 1959ء میں راقم الحروف جب مدینہ طیبہ کی حاضری کی سعادت سے سرفراز ہوا تو یہ دیکھا کہ نجدی سپاہی مسجد نبوی شریف میں لوگوں کے ہاتھوں سے "دلائل الخیرات شریف" چھین چھین کر پھاڑ دیتے تھے اور لوگ مارے ڈر کے "دلائل الخیرات شریف" لے کر مسجد نبوی میں داخل نہیں ہوتے تھے۔ ان ظالموں کی بے ادبی رسول اور وحشت و بربریت دیکھ کر مارے غصہ کے میرا خون گرم ہو گیا اور آخر ایک منبر نبوی پر کھڑے ہو کر تقریر کرنے والے نجدی مولوی سے میری جھڑپ ہو ہی گئی مگر خداوند عالم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہ میرے سوالوں کا کوئی جواب نہیں دے سکا اور وہ کوئی شر بھی نہیں پیدا کر سکا۔ میرا ایمان ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مجھے اپنے دامن نصرت و حمایت میں پناہ عطا فرما دی تھی ورنہ اس نجدی مولوی سے بہت بڑے

1۔ مشکوٰۃ شریف ص86۔

شر کا خطرہ تھا۔ جب کہ میں نے جوش غضب میں نجدی مولوی کا ہاتھ پکڑ کر اس کو منبر سے نیچے اتار دیا تھا اور مسجد نبوی کی پولیس نے اس منظر کو دیکھ لیا تھا۔ خدا گواہ ہے کہ بالکل سچ فرمایا حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہ ؎

وَمَنْ تَكُنْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ نُصْرَتُهٗ
وَاِنْ تَلْقَهُ الْاُسْدُ فِيْ آجَامِهَا تَجِمِ

یعنی جس شخص کو حضور اکرم ﷺ کی امداد و نصرت نصیب ہو جائے اگر بڑی تعداد میں شیر اپنی جھاڑی میں بھی اس شخص کا سامنا کریں گے تو شیروں کا غول اس شخص کی ہیبت و جلالت سے لرزہ براندام ہو کر بزدلی کرتے ہوئے بھاگ نکلے گا۔ کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت قبلہ نے ؎

کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا
شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتا تیرا

قُلْ هُوَ اللّٰهُ کا ثواب

حماد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں ایک رات مکہ مکرمہ کے قبرستان میں گیا اور ایک قبر پر اپنا سر رکھ کر سو گیا۔ تو میں نے خواب میں یہ دیکھا کہ قبرستان والے گروہ کے گروہ ادھر سے ادھر آجا رہے ہیں تو میں نے دریافت کیا کہ کیا قیامت قائم ہو گئی؟ تو لوگوں نے کہا کہ نہیں۔ لیکن ہمارے زندہ بھائیوں میں سے ایک شخص نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھ کر اس کا ثواب قبرستان والوں کو بخشا ہے۔ تو ہم لوگ اسی ثواب کو ایک سال سے آپس میں تقسیم کر رہے ہیں (1)۔

تبصرہ:۔ سبحان اللہ! خداوند قدوس کے فضل عظیم کے قربان جائیے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ کی تلاوت پر اتنا کثیر و عظیم ثواب عطا فرما دیا کہ پورے قبرستان والے ایک سال سے اس ثواب کو تقسیم کر رہے ہیں مگر وہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ سچ فرمایا خداوند عالم جل جلالہٗ نے کہ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے اپنا فضل عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل بہت ہی بڑا ہے۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ زندوں کا ایصال ثواب کس شان کے ساتھ قبرستان والوں کے پاس پہنچتا ہے۔ کاش مسلمان اس کی اہمیت کو سمجھتے اور قبرستان والوں کو تلاوت یا کھانے وغیرہ پر

1۔ شرح الصدور ص 130۔

فاتحہ دلا کر ایصال ثواب کرتے رہتے، مگر علماء دیوبند کی اس ستم ظریفی کا کہاں تک ماتم کیا جائے کہ سوئم، دسواں، چالیسواں، برسی کے ذریعے جو کچھ بھی ایصال ثواب کا سلسلہ مسلمانوں میں جاری تھا اس پر بھی حرام و بدعت کا فتویٰ لگا کر بند کیا جا رہا ہے! کوئی نہیں جو ان لوگوں سے یہ پوچھے کہ آخر فاتحہ کو بند کرنے کا انجام اس کے سوا اور کیا ہو گا؟ کہ لوگ جو ان ذرائع کی بدولت کچھ نہ کچھ اموات کو ایصال ثواب کر دیا کرتے ہیں اور اپنے اسلاف کو یاد کر لیا کرتے ہیں وہ اس سے بھی کنارہ کش ہو جائیں گے نہ اموات کو کوئی ثواب پہنچا کرے گا۔ نہ زندوں کو اپنے وفات پائے ہوئے اسلاف سے کوئی روحانی تعلق باقی رہے گا۔ اس لئے للہ! ان لوگوں کو چاہئے کہ مسلمانوں پر رحم کریں اور فاتحہ وغیرہ نیک کاموں کے خلاف زبانی و قلمی زہر پھیلا کر مسلمانوں میں اختلاف اور سر پھٹول کا سامان بھی پیدا نہ کریں اور مسلمان زندوں اور مردوں کے روحانی تعلقات پر کلہاڑی چلا کر ان کے وداد و محبت کے روحانی رشتوں کو منقطع نہ کریں بلکہ مسلمان جو دوسری بے شمار بدعات و خرافات کی لعنتوں میں گرفتار ہیں اور سینما، تھیٹر، جوا، سٹہ بازی اور شادی بیاہ کی مشرکانہ رسموں سے برباد اور زیر بار ہیں۔ ان کے خلاف زبانی اور قلمی جہاد کر کے امت رسول ﷺ کی اصلاح و فلاح کا انتظام کریں۔ ورنہ یاد رکھئے

قریب ہے یار روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستین کا

سلطان عابد

خلفاء بنو العباس میں "معتصم" کا پوتا "محمد" جو "مہتدی باللہ" کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ زہد و عبادت میں تمام خلفاء بغداد سے ممتاز ہوا۔ خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ یہ شخص تخت خلافت پر بیٹھنے کے وقت سے شہادت کے وقت تک ہمیشہ روزہ دار ہی رہا۔ اس کے پاس بھیڑ کے بالوں کا ایک جبہ اور ایک کمبل تھا جس کو پہن اوڑھ کر یہ بادشاہ رات کو خدا کی عبادت کرتا اور نمازیں پڑھا کرتا تھا اور شاہی دستر خوان کا یہ حال تھا کہ "ہاشم بن قاسم" بیان کرتے ہیں کہ میں رمضان کی ایک شام کو خلیفہ مہتدی باللہ کے دستر خوان پر حاضر ہوا۔ تو بید کی بنی ہوئی ایک ڈلیا میں چند روٹیاں، زیتون کا تیل، نمک، سرکہ خلیفہ کے سامنے کھانے کے لئے رکھ دیا گیا۔ میں بھی شریک طعام ہو گیا اور میں نے یہ سمجھا کہ یہ افطاری ہے ابھی کھانا اس کے بعد آئے گا۔ چنانچہ میں نے نہایت بے رغبتی کے ساتھ آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا کھانا شروع کر دیا۔ خلیفہ نے فرمایا کہ

خوب اچھی طرح شکم سیر ہو کر کھالو۔ یہاں اس کے سوا دوسرا کوئی کھانا نہیں ہے۔ میں نے یہ سن کر عرض کیا۔ کہ کیوں؟ اے امیر المومنین! آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں میں غرق فرمادیا ہے کہ آپ خزانہ شاہی کے مالک و مختار ہیں۔ خلیفہ نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن میرا معاملہ یہ ہے کہ میں نے یہ سوچا کہ خاندان بنوامیہ میں جب سلطنت تھی تو اس خاندان میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے جس زہد و پرہیز گاری اور عبادت و تقویٰ شعاری کی حالت میں سلطنت کی، وہ تم کو معلوم ہی ہے تو مجھے بڑی غیرت محسوس ہوئی کہ میرے خاندان بنو ہاشم میں جب سلطنت آئی تو کوئی حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی شان کا نہیں ہوا۔ تو میں نے اس طریقے کو اپنا لیا ہے۔ رجب 256ھ میں ترکوں نے اس خلیفہ عادل کو شہید کر دیا۔

تبصرہ:۔ زہد و پرہیز گاری اور عبادت و تقویٰ شعاری بلاشبہ ہر شخص کے لئے باعث تعریف اور لائق مدح و ستائش ہے لیکن امراء و سلاطین جو عیش و تنعم کے ماحول میں پلے بڑھے اور ان کے پاس دولت، طاقت، سلطنت اور ہر قسم کے لہو و لعب اور سامان عیش و عشرت ہوتے ہوئے جب وہ زہد تقویٰ اور عبادت و ریاضت کی سعادت سے سرفراز ہو جائیں اور ہر قسم کے لہو لعب اور سامان عیش پرستی پر لات مار کر زاہدانہ زندگی بسر کرتے ہوئے خدا کی عبادت کریں تو یقیناً یہ بہت ہی قابل تعریف اور بہت زیادہ لائق مدح و تحسین بات ہے۔ شیخ سعدی الرحمتہ نے اسی مضمون کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

تواضع زگردن فرازاں نکواست   گدا گر تواضع کند خوئے اوست

یعنی بلند مرتبہ رکھنے والے لوگ اگر تواضع اور انکساری کریں تو بہت ہی خوب اور لائق تعریف بات ہے۔ ایک بھیک مانگنے والا فقیر اگر تواضع اور انکساری کرے تو یہ کون سی تعریف کی بات ہے؟ تواضع اور انکساری تو ہر بھکاری کی عادت ہی ہوتی ہے۔

گزشتہ تاریخ اسلام سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی سلطنتوں کے بہت سے سلاطین و امراء اس قدر عبادت گزار ہوئے ہیں کہ بڑے بڑے خانقاہ نشین پیروں اور درویشوں کو ان کے ریاضت و مجاہدہ اور زہد و تقویٰ پر رشک ہوتا تھا مگر افسوس کہ اب قوم مسلم میں ایسا دردانگیز اور افسوس ناک انقلاب آ گیا کہ جس مسلمان کے پاس تمول و مالداری کی ہوا پہنچی وہ دینداری اور پرہیز گاری سے اس قدر برگشتہ ہو جاتا ہے کہ معاذ اللہ! اس کو خدا اور رسول سے گویا کوئی تعلق ہی

نہیں رہ جاتا۔ ڈاکٹر اقبال نے اسی فتنہ دین سوز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ؎

جا کے مسجد میں جو ہوتے ہیں صف آراء تو غریب زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب
امرا نشہ دولت میں ہیں غافل ہم سے زندہ ہے ملت بیضا غربا کے دم سے

رابعہ بصریہ کا ذوق نماز

منقول ہے کہ حضرت بی بی رابعہ بصریہ رحمتہ اللہ علیہا روزانہ بلاناغہ ایک ہزار رکعت نفل نماز پڑھا کرتی تھیں اور یہ فرمایا کرتی تھیں کہ میں ان نمازوں سے ثواب کی طلب گار نہیں ہوں۔ میں تو ان نمازوں کو صرف اس لئے پڑھتی ہوں کہ میرے محبوب اور خدا کے حبیب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خوش ہو جائیں اور میرے آقا قیامت میں تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے یہ فرمائیں کہ دیکھ لو میری امت کی ایک عورت کا دن رات میں اتنا اتنا عمل صالح ہے (1)۔

تبصرہ:۔ سبحان اللہ! حضرت بی بی رابعہ بصریہ رحمتہ اللہ علیہ کا ذوق عبادت کتنا بلند تھا اور وہ محبت رسول کی کتنی بلند ترین منزل پر فائز تھیں کہ صرف اپنے پیارے محبوب حضور اکرم ﷺ کو خوش کرنے کے لئے وہ روزانہ ایک ہزار رکعت نماز نفل پڑھا کرتی تھیں۔ انہیں یہ حدیث معلوم تھی کہ حضور انور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِىْ فِى الصَّلٰوةِ یعنی نماز میں میری آنکھ کی ٹھنڈک بنائی گئی ہے پھر ان کے اس ایمان افروز اعتقاد کا کیا کہنا؟ کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھ سے خوش ہو جائیں گے تو یقیناً خدا بھی ضرور مجھ سے خوش ہو جائے گا کیونکہ عقائد اسلام کا یہی بہت درخشندہ عنوان ہے ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

مسلمان کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ خدا کی رضا اور ناراضگی کا معیار اور اس کا دارومدار ہی اس پر ہے کہ جس سے رسول خوش ہو گئے اس سے خدا بھی خوش ہو گیا اور جس سے رسول ناراض ہو گئے اس سے خدا بھی ناراض ہو گیا۔ کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے کہ ؎

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

1۔ معطر ف ج 1 ص 7۔

میں نماز پڑھوں تم باتیں کرو

مشہور عالم حدیث حضرت مسلم بن بشار اپنے گھر میں نوافل پڑھا کرتے تھے اور گھر والوں سے فرمایا کرتے تھے کہ میں جب نماز شروع کر دوں تو تم لوگ خوب باتیں کیا کرو۔ میں نماز کی حالت میں کوئی بات سنتا ہی نہیں ہوں۔ چنانچہ جب مسلم بن بشار مکان میں داخل ہوتے تو گھر والے بالکل خاموش رہتے تھے لیکن جب آپ نماز کی نیت باندھ لیتے تھے تو لوگ خوب آزادی سے بات چیت کیا کرتے تھے۔ نماز میں ان کے خضوع و خشوع اور کمال توجہ کا یہ عالم تھا کہ یہ ایک مرتبہ نماز میں مشغول ہو گئے اور گھر میں آگ لگ گئی۔ لوگ آگ بجھانے کے لئے دوڑ بھاگ شور و غوغا، سب کچھ ہوا مگر ان کو ذرا بھی خبر نہیں ہوئی اور یہ بدستور نماز میں مشغول رہے اور لوگوں نے آگ بجھادی (1)۔

سر پر کبوتر

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب مسجد حرام میں نماز پڑھتے تھے تو اتنا طویل قیام فرماتے تھے کہ کبوتر ان کو ستون سمجھ کر ان کے سر پر بیٹھ جاتے تھے۔ اسی طرح ابراہیم بن شریک محدث اتنا لمبا سجدہ کرتے تھے کہ چڑیاں ان کی پشت پر اس طرح بیٹھتی اور کودتی پھدکتی پھرتی تھی کہ گویا وہ کسی ٹیلے یا دیوار پر بیٹھی ہوئی ہو۔

چہرے پر مکھیاں

نامور محدث خلف بن ایوب جب نماز میں کھڑے ہوتے تو ان کے چہرے پر کتنی مکھیاں کیوں نہ بیٹھ جائیں مگر یہ کبھی مکھیوں کو نہیں اڑاتے تھے۔ لوگوں نے حیرت سے پوچھا کہ آپ کیسے صبر کرتے ہیں؟ کہ اتنی مکھیاں آپ کے چہرے پر بیٹھی رہتی ہیں اور آپ نہایت سکون کے ساتھ نماز میں مشغول رہتے ہیں اور کبھی بھی مکھیاں کو نہیں ہٹاتے۔ آپ نے فرمایا کہ جلاد، فاسقوں، زانیوں، شرابیوں کو قاضی کے سامنے کوڑے مارتا ہے اور یہ فساق اتنا صبر کرتے ہیں کہ نہ ہاتھ پاؤں ہلاتے ہیں نہ ان لوگوں کی پیشانی پر بل آتا ہے۔ تو کیا میں خدا کے سامنے اتنا بھی صبر نہیں کر سکتا جو چہرے پر مکھیوں کے بیٹھ جانے سے پراگندہ خاطر ہو کر مکھیاں اڑانے کے لئے ہاتھ

1۔ مستطرف ج1 ص 7۔

ہلاتا رہوں؟۔

تبصرہ:۔ مذکورہ بالا تینوں واقعات کو پڑھ کر اندازہ لگایئے کہ سلف صالحین اور بزرگان دین کی توجہ الی اللہ کا کیا عالم تھا اور یہ لوگ کتنے حضور قلب کے ساتھ خدا کی عبادت کرتے تھے اور ہمارا کیا حال ہے؟ کہ دنیا بھر کے خطرات و خیالات، نمازوں میں ہمارے سروں پر مسلط رہتے ہیں یہاں تک کہ ہم اپنے پروگراموں کی ترتیب اور تجارتوں کے منصوبے بھی نمازوں ہی میں تیار کرتے ہیں اور تکبیر تحریمہ کے بعد ہمیں کبھی یہ خیال نہیں رہتا کہ ہم اس وقت احکم الحاکمین اور رب العالمین کے دربار میں اس کے سامنے اس کی عبادت کے لئے کھڑے ہوئے ہیں اور وہ ہمیں اور ہمارے خیالات کو دیکھ رہا ہے افسوس!۔

کیا تو نے نمازی! یہ کبھی غور کیا ہے ۔۔۔ کس واسطے اور سامنے کس کے تو کھڑا ہے
آداب خداوندی بھی کچھ تجھ کو ہیں ملحوظ ۔۔۔ یا منہ سے فقط کہتا ہے، اللہ بڑا ہے

جماعت چھوٹنے کا غم

مشہور بزرگ حضرت "حاتم اصم" رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آہ! میری جماعت چھوٹ گئی تو تعزیت کے لئے میرے پاس صرف ابو اسحاق بخاری اکیلے آئے ہیں اور اگر میرا لڑکا مر گیا ہوتا تو دس ہزار سے زیادہ آدمی میرے پاس تعزیت کے لئے آئے ہوتے۔ افسوس کہ مسلمانوں کی نظر میں دین کی مصیبت دنیا کی مصیبت سے کم نظر آنے لگی حالانکہ سلف صالحین کا یہ طریقہ تھا کہ اگر ان کی تکبیر اولیٰ فوت ہو جاتی تھی تو تین دن تک لوگ ان کی تعزیت کے لئے جایا کرتے تھے(1)۔

تبصرہ:۔ حضرت حاتم اصم رحمتہ اللہ علیہ کی اس تقریر کو پڑھ کر سوچئے کہ علماء سلف اور پرانے بزرگوں کی نگاہ ایمان میں نماز تو نماز، جماعت تو جماعت، تکبیرۂ اولیٰ کا کتنا اہتمام تھا؟ اور دین ان کی نظروں میں کتنا عزیز اور پیارا تھا کہ کسی کی میت ہونے پر بھی اتنی اہمیت کے ساتھ تعزیت نہیں کی جاتی تھی۔ جتنی جماعت اور تکبیر اولیٰ کے فوت ہونے پر تعزیت و ماتم پرسی کی جاتی تھی اور ذرا اپنے دور کی زبوں حالی پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب کچھ چھوٹ جانے کو مسلمان نہ تو اپنے لئے مصیبت سمجھتے ہیں، نہ دوسرے لوگ اس کو مصیبت سمجھ کر ان

1۔ مستطرف ج1 ص8۔

مصیبت زدوں کی تعزیت کرتے ہیں بلکہ توبہ، نعوذ باللہ اب تو ایسا دور آگیا ہے کہ بہت سے مسلمان کہلانے والے روزہ و نماز اور حج و زکوٰۃ کو مصیبت سمجھنے لگے ہیں۔ اگر بیچارے دیندار علماء حق ان بے لگاموں کو کچھ نصیحت کرتے ہیں تو یہ گستاخ و بدلگام انتہائی غضب ناک ہو کر اور منہ بگاڑ کر یہاں تک کہہ دیا کرتے ہیں۔ توبہ، معاذ اللہ! کہ:

"تم داڑھی والے نمازی مولویوں سے ہم داڑھی منڈے بے نمازی اچھے ہیں"

اور پھر غریب مولویوں کو یہ فرعونیت مآب مالدار جہلاء ایسی ایسی جلی کٹی صلواتیں سناتے ہیں کہ الامان! الامان! غریب علماء ان جاہلوں اور فاسقوں کی گالیاں سن کر بھلا اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ۔

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر   اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے روح محمد   آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حج میں

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے اس خیال سے بڑی شرم آتی ہے کہ میں خداوند تعالیٰ سے کس طرح ملاقات کروں گا؟ حالانکہ میں اس کے گھر (کعبہ) تک کبھی پیدل چل کر نہیں آیا۔ اس کے بعد بیس مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ پیدل چل کر حج کے لئے آئے۔ منقول ہے کہ حرم الٰہی میں پہنچ کر آپ رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ پھر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز "تحیۃ الطواف" پڑھ کر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے رخسار کو مقام ابراہیم پر رکھ دیا اور زار و قطار روتے ہوئے اس طرح دعا مانگنے لگے، کہ اے میرے رب! تیرا حقیر بندہ تیرے دروازے پر ہے، تیرا خادم تیرے دروازے پر ہے، تیرا بھکاری تیرے در پر ہے، تیرا مسکین تیرے دروازے پر ہے۔ بار بار بکثرت ان ہی الفاظ کو دہراتے رہے اور روتے رہے۔ پھر آپ جب حرم شریف سے باہر نکلے تو آپ رضی اللہ عنہ کا گزر ایسے چند مسکینوں کے پاس ہوا جن کے پاس روٹیوں کے ٹکڑے تھے اور وہ لوگ اس کو کھا رہے تھے۔ تو آپ نے ان مسکینوں کو سلام کیا اور جب ان مسکینوں نے آپ کو کھانے کے لئے بلایا تو آپ فوراً ہی بلا تکلف ان مسکینوں کے دستر خوان پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اگر یہ روٹیوں کے ٹکڑے صدقہ کے نہ ہوتے تو میں ضرور تمہارے ساتھ بیٹھ کر کھا لیتا مگر چونکہ ہم آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور

ہمارے لئے صدقہ کا مال کھانا حرام ہے۔ اس لئے میں ان کو نہیں کھا سکتا۔ پھر آپ ان مسکینوں کو اپنے ہمراہ اپنی قیام گاہ پر لائے اور ان سب کو کھانا کھلایا اور سب کو کچھ درہم عطا فرما کر رخصت کیا(1)۔

تبصرہ:۔ اس نورانی واقعہ میں حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے ذوق عبادت، ان کے خوف و خشیت خداوندی، گریہ و زاری، مسکین نوازی، اخلاق کریمانہ، سخاوت، تواضع وغیرہ کی ایسی ایسی ایمان افروز تجلیاں ہیں کہ جن کی روشنی میں امام ممدوح کو دیکھنے والا اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہہ سکتا کہ: اَللّٰھُمَّ اَنَّکَ مِنْ اَوْلَادِ الرَّسُوْلِ. یعنی میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اے امام حسن! آپ بلاشبہ آل رسول اور فرزند بتول ہیں۔

اللہ اکبر! کون مسلمان نہیں جانتا کہ حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بشارت عظمیٰ عطا فرمائی ہے کہ یہ دونوں جوانان اہل جنت کے سردار ہیں مگر خود ایک اعلیٰ جنتی ہونے کے باوجود ان کا ذوق عبادت اور خوف و خشیت یقیناً ساری امت کے لئے درس عبرت ہے مگر افسوس کہ ۔

کیا تماشا ہے کہ اب ناقہ سواران عرب پیروی کرتے ہیں یورپ کے حدی خوانوں کی

ستر برس کی عبادت اور ایک روٹی

منقول ہے کہ ایک عابد ستر برس سے اپنی خانقاہ میں عبادت کرتا تھا۔ اچانک ایک رات شدید سردی میں ایک خوبصورت عورت نے عابد کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ عابد نے دروازہ کھولا اور عورت کو دیکھتے ہی اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گیا اور اس کو اپنی خانقاہ میں پناہ دی لیکن نفس امارہ کو قابو میں نہیں رکھ سکا اور مسلسل سات رات اس کے ساتھ گناہ میں مبتلا رہا پھر اس عابد کو یہ احساس ہوا کہ ہائے افسوس! ستر برس کی عبادت کو سات راتوں کے گناہ سے غارت و برباد کر دیا۔ یہ خیال آتے ہی وہ اس قدر پھوٹ پھوٹ کر رویا کہ روتے روتے بے ہوش ہو گیا۔ آخر جب ہوش میں آیا۔ تو عورت نے کہا کہ اے شخص! خدا کی قسم میں نے تیرے سوا اور کسی کے ساتھ یہ گناہ نہیں کیا ہے اور تو نے بھی میرے سوا اور کسی کے ساتھ یہ گناہ نہیں کیا ہے اور میں تیرے چہرے پر صالحین کی نشانی دیکھ رہی ہوں۔ لہٰذا میری تجھ سے اتنی درخواست ہے کہ جب پھر تجھ

1۔ مستطرف ج1ص12۔

پر تیرے مولیٰ کا فضل و کرم ہو جائے اور عبادت میں مشغول ہو جائے تو مجھ گناہ گار عورت کو بھی دعا میں یاد کر لینا۔ عابد اپنے گناہ پر انتہائی پشیمان اور پریشان ہو کر توبہ کرتے ہوئے خانقاہ سے جنگل کی طرف بھاگ نکلا اور رات کو ایک ویرانے میں ٹھہرا۔ جہاں دس اندھے انسان رہتے تھے اور ایک راہب روزانہ اندھوں کو ایک روٹی دیا کرتا تھا۔ حسب عادت راہب کا غلام دس روٹیاں لے کر آیا۔ عابد نے بھی اس کے آگے ہاتھ پھیلا دیا اور ایک روٹی لے لی۔ ایک اندھے کو روٹی نہیں ملی۔ اس نے غلام سے تقاضا کیا کہ میری روٹی تم نے آج کیوں نہیں دی؟ غلام نے کہا کہ میں دس روٹیاں تم لوگوں پر تقسیم کر چکا اندھوں کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ایک دوسرا شخص بھی ہم لوگوں میں شامل ہو گیا ہے اور اس نے ایک اندھے کی روٹی لے لی ہے۔ اندھا غریب بھوکا رہ گیا۔ پھر عابد کے ضمیر نے جھنجھوڑا کہ افسوس ایک اندھا جو خدا کا نیک بندہ ہے وہ بھوکا رہے اور میں گناہ کا پتلا ہوتے ہوئے پیٹ بھر کھاؤں؟ عابد نے یہ سوچ کر اپنی روٹی اندھے کو دے دی اور خود بھوکا پڑا رہا۔ یہاں تک کہ بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ اس کے مرتے ہی رحمت اور عذاب کے فرشتے اتر پڑے اور بحث کرنے لگے رحمت کے فرشتوں نے کہا کہ یہ شخص توبہ کر چکا ہے۔ لہٰذا ہم اس کو ارحم الراحمین کے جوار رحمت میں لے جائیں گے اور عذاب کے فرشتوں نے کہا کہ یہ گناہ گار ہے لہٰذا ہم جبار و قہار کے دربار میں بحیثیت ایک مجرم کے پیش کریں گے۔ یہ بحث جاری تھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم اس کی ستر برس کی عبادت کو سات رات کے گناہوں سے تول کر دیکھو کہ کون سا پلہ بھاری رہتا ہے؟ جب فرشتوں نے وزن کیا تو سات رات کے گناہوں کا پلہ ستر برس کی نیکیوں سے بھاری نکلا۔ پھر ارحم الراحمین نے فرمایا کہ اچھا اب تم اس کے سات راتوں کے گناہ کو اس روٹی سے وزن کرو جو اس نے خود بھوکے رہ کر اندھے کو دے دی تھی۔ جب فرشتوں نے وزن کیا تو ایک روٹی کا پلہ سات رات کے گناہوں سے بھاری نکلا اور یہ شخص رحمت کے فرشتوں کے حوالے کر دیا اور ارحم الراحمین نے اس کی توبہ قبول فرما کر اس کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرما دی تھی (1)۔

تبصرہ:۔ اس حکایت سے یہ روشنی ملتی ہے کہ عابد کتنا ہی بڑا عبادت گزار کیوں نہ ہو مگر اس کو ہر وقت خوف خداوندی سے خائف اور لرزہ براندام رہنا چاہئے کہ نہ معلوم میرا انجام اور خاتمہ کیسا

1۔ مستطرف ج1 ص10۔

ہو گا؟ نہ معلوم کب شیطان حملہ کر دے گا؟ اور نہ معلوم کہ نفس امارہ کے ہاتھوں سے کن کن گناہوں میں مبتلا اور ملوث ہو جاؤں گا؟ ہر وقت خدا سے ڈر کر اچھے خاتمہ کی دعا کرنا چاہئے اور ہرگز ہرگز اپنی عبادات اور نیکیوں پر گھمنڈ اور غرور نہیں کرنا چاہئے۔ حضرت خواجہ مرزا مظہر جان جاں نقشبندی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے کہ ؎

برنماز و روزهٔ برسوز وساز خود منز یار بے پرداست ہرگز برنیاز خود منز
انفعال جرم بہتر از غرور طاعت است مظہر اے دوراز حقیقت برنماز خود منز

یعنی اپنے روزہ و نماز اور اپنے سوز و ساز پر ہرگز ناز مت کر یار (خدا) بے پرواہ ہے۔ لہٰذا تو اپنی نیاز مندی پر ناز مت کر۔ گناہ پر شرمندہ ہونا نیکی کے گھمنڈ سے بہت اچھا ہے۔ اے مظہر جو حقیقت سے دور ہے تو اپنی نماز پر ناز مت کر۔ اس حکایت سے ایک دوسرا سبق یہ بھی ملتا ہے کہ آدمی خود بھوکا رہ کر کسی بھوکے لاچار مسلمان کو کھانا کھلا دے اس کا بہت ہی بڑا اجر و ثواب ہے۔ غور کیجئے کہ سات راتوں کا گناہ جس کا پلہ ستر برس کی عبادت سے بھاری تھا۔ وہ ایک روٹی کے مقابلے میں ہلکا پڑ گیا اور یہی ایک روٹی عابد کے لئے نجات کا ذریعہ بن گئی۔ کیوں نہ ہو کہ یہ دونوں عالم کے مختار محبوب پروردگار اور ان کے اہل بیت اطہار کا مبارک طریقہ ہے۔ آپ نے بار ہا سنا ہو گا کہ ؎

بھوکے رہتے تھے خود اوروں کو کھلا دیتے تھے کیسے صابر تھے محمدؐ کے گھرانے والے

جعفر بن نصر کی ایک دعا

سیدی جعفر نصر خلدی بغدادی بہت باکمال عالم اور نہایت ہی باکرامت ولی تھے۔ دن رات کی عبادت و ریاضت میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ ساٹھ مرتبہ حج کے لئے گئے۔ ان کے پاس ایک نہایت ہی قیمتی نگینہ تھا۔ جو دریائے دجلہ میں گر پڑا۔ گم شدہ چیز کی بازیابی کے لئے ان کے پاس ایک دعا تھی۔ انہوں نے اس دعا کو پڑھ لیا تو وہ نگینہ جو دریائے دجلہ میں گرا تھا۔ کتابوں کے پراگندہ اوراق میں ملا وہ دعا یہ ہے کہ جب کوئی گم ہو جائے تو پہلے تین مرتبہ سورۂ والضحیٰ مع بسم اللہ کے پڑھے۔ پھر ایک مرتبہ یہ دعا پڑھ لے۔ "یَاجَامِعَ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ اِجْمَعْ عَلَیَّ ضَالَّتِیْ۔"

اسی طرح مشہور محدث حافظ ابو بکر خطیب نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ میں نے ایک حج

میں "صوفی مزین کبیر" کو رخصت کرتے وقت عرض کیا کہ حضرت! آپ مجھے کوئی توشہ دے دیجئے تو انہوں نے یہ دعا تعلیم فرمائی کہ اگر تمہاری کوئی چیز یا آدمی گم ہو جائے تو یہ دعا پڑھ لینا۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ چیز یا آدمی ضرور مل جائے گا۔ دعا یہ ہے: یَا جَامِعَ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ اِجْمَعْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ کذا لفظ کذا کی جگہ اس گم شدہ چیز یا اس انسان کا نام لے(1)۔

تبصرہ:۔ بزرگان دین علماء کرام اور اولیاء عظام سے جو دعائیں منقول ہیں بلاشبہ ان کی تاثیرات حق ہیں لیکن عوام جو کبھی کبھی ان دعاؤں کے پڑھنے سے فیض پاتے اور اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوتے تو یہ ان دعاؤں کا قصور نہیں ہے بلکہ دعائیں پڑھنے والوں کے اخلاص کی کمی، گناہوں کی شامت اور زبانوں کی گندگی کا قصور ہے۔ دعاؤں کی مقبولیت کے لئے کچھ شرائط و آداب ہیں۔ اگر ان شرائط و آداب کی پابندی نہیں ہوگی تو ظاہر ہے کہ دعائیں مقبول نہیں ہوں گی۔ مقبولیت دعا کے لئے تقویٰ و دینداری، اخلاص، قلب، اکل حلال، صدق مقال وغیرہ نہایت ہی اہم اور ضروری شرائط ہیں۔ حدیث شریف میں حضور سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اَکْلُهٗ حَرَامٌ وَشُرْبُهٗ حَرَامٌ یَقُوْلُ اللّٰهُ اَللّٰهُ اَنّٰی یُسْتَجَابُ لَهٗ یعنی ایک شخص حرام کھاتا ہے اور حرام پیتا ہے اور اللہ اللہ کر کے دعائیں مانگتا ہے۔ بھلا ایسے شخص کی دعائیں کہاں سے اور کیسے مقبول ہوں گی؟ غور فرمائیے! کہ حرام غذا کھا پی کر جس کے خون کا قطرہ قطرہ اور گوشت کی بوٹی بوٹی مال حرام کی نجاست سے آلودہ ہو چکی ہو اور جھوٹ غیبت، تہمت، گالی، فحش کلامی وغیرہ سے جس کی زبان سے نکلی ہوئی دعا کب اس قابل ہے کہ خداوند سبوح وقدوس کی بارگاہ عظمت میں شرف قبولیت سے سرفراز ہو۔ اس لئے ضرورت ہے کہ انسان پہلے تقویٰ و پرہیزگاری کے انوار سے اپنے ظاہر و باطن کو منور کرے اور لقمہ حلال کھائے اور اپنی زبان کو جھوٹ، غیبت، تہمت، بدکلامی وغیرہ کی لعنتوں سے پاک کرے اور پاک رکھے اور پھر انتہائی اخلاص قلب اور گریہ وزاری کے ساتھ جناب باری میں اپنی دعائے عجز و انکساری کو پیش کرے تو ارحم الراحمین ایسا کریم اور نکتہ نواز ہے کہ وہ اپنے بندوں کے ٹوٹے ہوئے دلوں کی صداؤں کو اپنے دامن رحمت میں جگہ عطا فرما کر مقبولیت کے شرف سے نواز دیتا ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

جو مانگنے کا طریقہ ہے اسی طرح مانگو　　در کریم سے بندے کو کیا نہیں ملتا؟

1۔ مستطرف ج1 ص121۔

اس تنبیہ کی ضرورت اس لئے پڑی کہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض جہال کوئی وظیفہ یا بزرگوں کی بتائی ہوئی دعاؤں کا ورد کرتے ہیں اور انہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا تو وہ شور مچانے لگتے ہیں کہ ان دعاؤں کا جو فائدہ بزرگوں نے بتایا ہے وہ معاذ اللہ غلط ہے۔ خود اپنی کوتاہیوں پر نظر نہیں ڈالتے اور اتنا بھی نہیں سوچتے کہ کتنی ہی زود اثر ظاہر اور سریع التاثیر دوا کیوں نہ ہو مگر جب اس کی ترکیب استعمال کا خیال نہیں رکھا جائے گا تو کبھی ہرگز ہرگز اس دوا کا اثر ظاہر نہیں ہوگا۔ پھر ترکیب استعمال کے ساتھ دوا کے اثر کو زائل کرنے والی چیزوں سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہوتا ہے۔ کتنی ہی مفید دوا کیوں نہ ہو لیکن اگر دوا کے ساتھ بدپرہیزی ہوتی رہے گی تو ظاہر ہے کہ دوا کا فائدہ برباد ہوتا رہے گا۔ اب اگر کوئی شخص کسی دوا کو غلط طریقے سے استعمال کرے یا بدپرہیزی کرے اس طرح دعا کا اثر ظاہر نہ ہو تو کیا اس شخص کو یہ حق ہے؟ کہ وہ کہہ دے کہ یہ دوا بالکل بوگس اور بے اثر ہے۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ ہر عقل والا یہی کہے گا کہ دوا کا مفید و موثر ہونا بالکل یقینی ہے لیکن ترکیب استعمال کی غلطی اور بدپرہیزی نے اس دوا کے اثر کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ بالکل یہی کیفیت وظیفوں اور دعاؤں کے اوراد کی بھی ہے کہ کبھی ان کے شرائط اور آداب نہ پورے ہونے کے باعث غلط طریقے سے پڑھی جاتی ہیں اور کبھی ایسی بدپرہیزیاں ہو جاتی ہیں جن کی نحوستوں سے دعاؤں کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہرگز ہرگز کسی دعا اور وظیفے کی تغلیط اور اس کے فوائد و ثمرات کا انکار نہیں کرنا چاہئے بلکہ یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ہر دعا اس کے شرائط و آداب کے ساتھ پڑھی جائے اور ان گناہوں سے پرہیز کیا جائے جن کی ظلمت دعا کے نور کو برباد و غارت کر دیتی ہے پھر ان شاء اللہ تعالیٰ امید ہے کہ ضرور مولیٰ عزوجل کرم فرمائے گا اور دعاؤں کو قبول فرما کر دعا مانگنے والے کی خالی جھولیوں کو گوہر مراد سے بھر دے گا۔ خداوند عالم کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے اگر ہماری دعا مقبول نہیں ہوتی اور ہماری مراد پوری نہیں ہوتی تو یقیناً اس میں ہماری کوتاہی اور تقصیر کا دخل ہے ورنہ کون نہیں جانتا کہ ۔

ذاکر و صابر

حضرت عروہ بن زبیر رحمتہ اللہ علیہ بڑے جلیل القدر تابعی عالم دین ہیں۔ امام زہری رحمتہ اللہ علیہ نے ان کے کمال علم کو دیکھ کر یہ فرمایا "بَحْرٌ لَا یَنْزِفُ" یہ علم کا ایسا سمندر ہے جو کبھی خشک نہیں ہوگا۔ مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہا میں ان کا شمار ہے۔ یہ جنتی صحابی حضرت زبیر

بن عوام رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں۔ ان کی والدہ کا نام "اسماء" ہے جو امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ اپنے والد اپنی والدہ بی بی اسماء اور اپنی خالہ ام المومنین حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگرد رشید ہیں۔ حضرت عروہ بن زبیر رحمتہ اللہ علیہ میں سینکڑوں علمی و عملی کمالات کے ساتھ ذکر الٰہی اور صبر کا کمال بھی بدرجہ اتم موجود تھا۔

ایک مرتبہ آپ کو ولید بن یزید نے "دمشق" میں مدعو کیا۔ آپ تشریف لے گئے اور راستے میں ایک ہڈی آپ کے پاؤں میں چبھ گئی اور یہ زخم اس قدر بگڑ گیا کہ آپ کا پاؤں سڑنے لگا۔ ولید نے اطباء کو جمع کیا مگر سب طبیبوں نے متفقہ فیصلہ کر دیا کہ پاؤں کاٹ دینے کے سوا کوئی علاج نہیں ہے۔ چنانچہ طبیبوں نے آپ کو بے ہوشی کی دوا پلا کر آپریشن کرنا چاہا تو آپ نے بالکل صاف انکار فرما دیا اور یہ فرمایا کہ میں ایک منٹ کے لئے بھی ذکر الٰہی سے غافل ہو جاؤں یہ مجھے ہرگز ہرگز گوارا نہیں ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر نے آری گرم کر کے آپ کا پاؤں کاٹ ڈالا مگر نہ آپ کے منہ سے اف نکلا، نہ آپ کی پیشانی پر کوئی بل یا چہرے پر کوئی تغیر پیدا ہوا۔ جب پاؤں کاٹ کر آپ کے سامنے رکھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ **الحمد للہ!** اگر میرا ایک عضو کٹ گیا تو کوئی مضائقہ نہیں خداوند کریم کا شکر ہے کہ ابھی میرے بہت سے اعضاء سلامت ہیں۔ ابھی آپ اتنا خوفناک اور تکلیف دہ آپریشن کرا کے بیٹھے ہی تھے کہ اتنے میں ایک شخص یہ ہوش ربا اور اندوہناک خبر لے کر آیا کہ آپ کا ایک بچہ چھت سے گر کر مر گیا۔ آپ نے یہ درد انگیز خبر سن کر فرمایا کہ **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ** یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ اگر تو نے میرے ایک بچے کو موت دی تو ابھی تو نے میرے کئی بچوں کو زندہ رکھا ہے (1)۔

تبصرہ:۔ سبحان اللہ! اس صبر جمیل اور عبادت و ذکر الٰہی کے ذوق کا کیا کہنا؟ کہ محض اس خیال سے کہ بے ہوشی کے عالم میں چند گھنٹے ذکر الٰہی نہ ہو سکے گا۔ آپ نے بے ہوشی کی دوا استعمال نہیں فرمائی اور اطمینان سے بیٹھے ہوئے دل و زبان سے ذکر الٰہی کرتے رہے اور پاؤں آری سے کٹتا رہا اور اتنی بڑی بڑی مصیبت پر بھی صبر و شکر کے ساتھ ایک لمحہ کے لئے بھی ذکر خداوندی سے غافل نہیں ہوئے اللہ اکبر! بلاشبہ یہی وہ ذکر خداوندی کے بلند منارے ہیں اور صبر و

1۔ ثمرات الاوراق ج2 ص288۔

استقامت کے جبل راسخ ہیں جن کے لئے قرآن مجید میں خداوند قدوس نے بشارت عظمیٰ کا مژدہ سنا کر ان کی مدح و ثنا کا خطبہ ارشاد فرمایا اور یہ آیت نازل فرمائی کہ "اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ یعنی (اہل ایمان) وہی لوگ ہیں جو کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں کے بل لیٹے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور کہیں یہ ارشاد فرمایا کہ "وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ" یعنی (اے محبوب) آپ میرے صبر کرنے والے بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے!

ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہنا افضل ترین عبادت ہے۔ چند احادیث کریمہ ملاحظہ فرمالیجئے!

1۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ کچھ لوگوں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سے بندے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں سب سے زیادہ افضل و اعلیٰ درجے پر فائز ہوں گے؟ تو ارشاد فرمایا کہ "بہت زیادہ ذکر الٰہی کرنے والے مرد اور بہت زیادہ ذکر الٰہی کرنے والی عورتیں" تو لوگوں نے عرض کیا کہ کیا یہ لوگ ان مجاہدین سے بھی زیادہ بلند درجہ پائیں گے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں؟ تو فرمایا کہ "اگر کوئی مجاہد اس شان سے جہاد کرے اور خون سے رنگین ہو جائے" ایسے مجاہد سے بھی ذکر الٰہی کرنے والے کا درجہ افضل ہے(1)۔

2۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہر چیز کی پالش ہوتی ہے اور دلوں کی پالش اللہ کا ذکر ہے اور سب سے زیادہ اللہ کے عذاب سے نجات دینے والی چیز اللہ کا ذکر ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ کیا اللہ کی راہ میں جہاد بھی اس سے بڑھ کر نہیں ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ اگر تلوار مارتے مارتے ٹوٹ جائے اس شان کا جہاد بھی خدا کے ذکر سے بڑھ کر نہیں ہے(2)۔

3۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جو قوم کسی مجلس میں بیٹھی اور بغیر اللہ تعالیٰ کا ذکر کئے ہوئے مجلس سے اٹھ گئی تو اس قوم کی مثال مردار گدھے کی سی ہے اور اس قوم پر افسوس ہے(3)۔

1۔ مشکوٰۃ شریف ص198۔

2۔ مشکوٰۃ شریف ص199۔

3۔ مشکوٰۃ شریف ص198۔

بہر کیف ذکر خداوندی ایک نہایت ہی افضل ترین عبادت ہے۔یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ ہر وقت ذکر قلبی اور ذکر لسانی میں مشغول رہتے ہیں اور ایک لمحہ کے لئے بھی ذکر خداوندی سے غافل نہیں رہتے کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ

یک لحظہ ولا! غافل ازاں ماہ نہ باشی شاید کہ نگاہے کند، آگاہ نہ باشی

یعنی اے دل ایک لمحہ کے لئے بھی تو خدا کی یاد سے غافل مت رہا کر۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تجھ پر کسی وقت نگاہ کرم فرمائے اور تو اپنی غفلت کی وجہ سے اس وقت آگاہ نہ رہے۔ نہ معلوم کس وقت اس کی نظر کرم تیری طرف توجہ فرمائے۔ لہٰذا ہر وقت اس کا ذکر کرتے رہو اور اس کا دھیان رکھو!

سر پر ہدہد

شیخ تقی الدین مصری فن قرأت و تجوید کے بہت ہی بلند پایہ امام تھے اور انتہائی خوش الحان بھی تھے اور نمازوں میں اس قدر سکون اور خضوع و خشوع کے ساتھ کھڑے رہتے تھے کہ گویا کوئی ستون کھڑا ہے ان کا ایک عجیب واقعہ منقول ہے جس کو ان کی کرامت کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے؟ وہ یہ کہ ایک دن یہ نماز فجر میں سورۂ نمل پڑھنے لگے جب اس آیت پر پہنچے کہ: وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ۞ تو کئی مرتبہ اس آیت کو تلاوت کیا اور لوگوں نے دیکھا کہ ایک پرند آکر آپ کے سر پر بیٹھ گیا اور قرأت سننے لگا۔ یہاں تک کہ آپ نماز سے فارغ ہو گئے جب لوگوں نے غور سے دیکھا تو وہ پرند "ہدہد" تھا(1)۔

عمر بھر روزہ دار

جلیل القدر محدث "ابن ابی ذئب" اپنی علمی جلالت اور حق پر استقامت کے جوہر کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت میں بھی اس قدر مشہور و ممتاز تھے کہ ان کی عبادتیں ان کی کرامتوں کے سوا کچھ بھی نہیں کہلا سکتی ہیں۔ درس حدیث کے علاوہ دن رات کے تمام اوقات قسم قسم کی عبادتوں میں بسر فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر ان سے کہہ دیا جاتا کہ کل ہی قیامت آنے والی ہے تو جتنی عبادت کرتے تھے اس سے زیادہ نہیں کر سکتے تھے۔ عمر بھر روزہ دار رہے اور

1۔ روح البیان ج7 ص69۔

اس قدر فقر و فاقہ اور مفلسی کی زندگی بسر کرتے تھے کہ ان کا حال پڑھ کر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ جو کی روٹی اور زیتون کا تیل ان کی غذا تھی اور ایک کرتا ایک چادر کے سوا کوئی لباس نہیں رکھتے تھے۔ اسی میں جاڑا، گرمی گزار دیتے تھے۔ لاکھوں محدثین کے استاد تھے اور عمر بھر حدیث کا درس دیتے رہے۔ 80ھ میں پیدا ہوئے اور 159ھ میں اناسی برس کی عمر پا کر وفات پائی (1)۔

تبصرہ:۔ اللہ اکبر! جو کی روٹی اور روغن زیتون غذا، اور ایک کرتا ایک چادر لباس، فقر و فاقہ کی زندگی اس پر دل و دماغ کی طاقت کا یہ عالم کہ لاکھوں حدیثیں زبانی یاد رکھتے تھے اور عمر بھر تمام رات تہجد گزار اور تمام دن روزہ دار رہتے تھے۔ پھر روزانہ درس حدیث کا شغل بھی رکھتے تھے۔ اس عظیم روحانی طاقت کو دیکھ کر اس حقیقت کی نقاب کشائی ہو جاتی ہے کہ جو مقدس علماء جذبہ اخلاص کے ساتھ علم دین کی خدمت کرتے ہیں اور تقویٰ و تقدس کی زندگی بسر کرتے ہیں اور عبادت و ریاضت میں بھی جدوجہد کرتے رہتے ہیں تو مولیٰ عزوجل باوجود غذاؤں کی کمی اور عسرت و تنگ دستی اور فقر و فاقہ کی زندگی کے انہیں ایسی بلند پایہ روحانی طاقت عطا فرما دیتا ہے کہ وہ اپنے بے مثال کارناموں اور عظیم شاہکاروں سے بڑے بڑے پہلوانوں اور طاقت و قوت کے پہاڑوں کو دریائے حیرت میں غرق کر دیتے ہیں۔ ذکر الٰہی اور عبادت و ریاضت سے جو روحانی طاقت حاصل ہوتی ہے وہ دواؤں اور غذاؤں کی جسمانی طاقتوں سے لاکھوں درجے بڑھ کر ہوا کرتی ہے اور روحانی طاقتوں سے جو عظیم الشان کارنامے انجام پاتے ہیں جسمانی طاقتوں کو ان کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اسی مضمون کو ڈاکٹر اقبال نے پیکر شعر میں اس طرح ڈھالا ہے کہ

تری خاک میں ہو اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدار "قوت حیدری"

مولانا جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ مانکپوری

یہ مشہور بزرگ شیخ حسام الدین مانکپوری کے جد بزرگوار ہیں۔ بہت ہی جید عالم دین، مرد بزرگ، نہایت ہی صابر اور انتہائی متقی اور عابد تھے۔ ان کا معمول تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد جب تک لوگ بیدار رہتے۔ یہ سو جاتے تھے اور جب لوگ سو جاتے تھے تو یہ اٹھتے اور رات صبح تک نماز پڑھتے رہتے۔ ہر روز اکتالیس بار سورۂ یٰسٓ پڑھا کرتے تھے اور چاشت کی نماز کے بعد سے طلباء کو دینی کتابوں کا درس دیا کرتے تھے۔ نہایت ہی خوشخط تھے اور کتابت کی اجرت سے گزر اوقات

1۔ تبصرہ تاریخ بغداد ص31۔

فرماتے تھے۔ قرآن شریف لکھ کر دہلی بھیجتے تھے اور پانچ سو ٹنکہ ہدیہ مل جاتا تھا۔ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کبھی بلا وضو قلم کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے اور جب ملک میں لوٹ مار ہوا کرتی تھی تو گوشت کھانا چھوڑ دیتے کہ شاید گوشت لوٹ کے جانوروں کا ہو (1)۔

تبصرہ:۔ سبحان اللہ! کتنی مقدس زندگی تھی ان قدسی صفت بزرگوں کی کہ توجہ اللہ دینی کتابوں کا درس دیتے تھے اور قرآن مجید کی کتابت کی اجرت سے اپنے اہل و عیال کا خرچ چلاتے تھے۔ دن بھر تو حدیث و فقہ کی تعلیم اور قرآن مجید کی کتابت میں مصروف رہتے اور رات بھر نوافل اور سورۂ یٰسین شریف کی تلاوت کا شغل رہتا۔ ان بزرگوں کی مبارک زندگی اور ان کے اوقات کی خیر و برکت کا کیا کہنا؟ بلاشبہ یہ نفوس قدسیہ بڑی پاکیزہ اور نورانی زندگی گزار کر دنیا سے تشریف لے گئے۔ یقیناً ان مردان خدا کی تنہا ذات بے شمار صفات قدسیہ کا ایک قابل دید مرقع تھی۔ خوب کہا ہے کہ کسی حق شناس نے کہ ؎

ترستی ہے نگاہ نارسا جس کے نظارے کو
وہ رونق انجمن کی ہے انہیں خلوت گزینوں میں

چالیس حج

مشہور اور نامور محدث حضرت وکیع بن الجراح جو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نہایت ہی والہانہ عقیدت رکھنے والے شاگرد رشید ہیں۔ جن کا تذکرہ میں نے اپنی کتاب "اولیاء رجال الحدیث" میں بھی تحریر کیا ہے۔ یہ اپنے علم و فضل کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت میں بھی اپنے وقت کے فرد فرید تھے۔ آپ نے چالیس حج کئے اور "آبادان" کے جہاد میں چالیس دن تک مجاہدانہ شان کے ساتھ مقیم رہے اور جہاد کے ان چالیس دنوں میں روزانہ ایک ختم قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ چالیس دنوں میں چالیس ختم پورے ہو گئے۔ اپنی زندگی میں چالیس ہزار درہم خیرات کئے اور چالیس ہزار حدیثوں کی روایت فرماتے رہے اور عمر بھر کبھی پیٹھ لگا کر نہیں سوئے۔ سفر حج سے واپس ہوتے ہوئے 199ھ میں عراق کے راستے میں وصال فرمایا (2)۔

1۔ اخبار الاخیار ص184۔

2۔ مسطر فسج ص138 و طبقات شعرانی۔

تبصرہ:۔ ایک عالم دین کا درس حدیث کے مشغلہ کے ساتھ ساتھ اس قدر قسم قسم کی عبادتوں میں دن رات مشغول رہنا پھر سفر حج اور جہاد بھی کرتے رہنا۔ یقیناً یہ آج کل کے کم ہمت لوگوں کی سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ کراماتی زندگی بجز توفیق ربانی کے ممکن بھی نہیں جن نفوس قدسیہ پر خداوند عالم کا فضل عظیم ہو جاتا ہے وہی ان سعادتوں سے سرفراز ہوتے ہیں۔ یہ محدثین کرام اور علمائے سلف یقیناً فضل خداوندی کے مظہر ہیں کہ مولیٰ عزوجل نے اپنی توفیق سے نوازا ہے کہ ان کے اسلامی کارناموں اور ان کی عبادتوں اور ریاضتوں کو دیکھ کر عقل انسانی دنگ اور اپنے فہم ناقص کی نارسائی پر کف افسوس ملنے لگتی ہے۔ ایسے بہت سے محدثین کرام اور فقہائے عظام گزرے ہیں جن کی عبادتوں اور ریاضتوں کی کثرت کو کرامت کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔

مگر افسوس کہ آج کل ان نفوس قدسیہ کا وجود دنیا سے تقریباً ناپید ہو چکا ہے۔ آج کل ہم علماء کرام کہلانے والوں کا تو یہ حال ہے کہ نماز پنجگانہ باجماعت کی بھی پابندی نہیں کرتے۔ نوافل کا تو پوچھنا ہی کیا ہے؟ مولیٰ عزوجل اپنا فضل فرمائے اور ہم بدبختوں کو اپنے ان محبوب بندوں کے صدقے میں توفیق خیر رفیق کی کرامتوں سے سرفراز فرمائے کہ ہم اپنے سلف صالحین کی پیروی کر کے دولت دارین اور نعمت کونین کی سعادتوں سے سرفراز ہوں ورنہ اس دور میں تو علماء و صوفیاء کے احوال کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر اقبال کے قول کی تصدیق کرنی ہی پڑتی ہے جس کو انہوں نے بڑی صاف گوئی کے ساتھ کہہ دیا ہے کہ ؎

صوفی کی طریقت میں فقط مستی احوال
ملا کی شریعت میں فقط مستی گفتار

شاعر کو نوا مردہ و افسردہ بے ذوق
افکار میں سرمست، نہ خوابیدہ نہ بیدار

وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کی رگ و پے میں فقط مستی کردار

کرامات

قطرے کو کریں دریا ذروں کو مہ و انجم
اللہ رے! مستوں کی "کرامات" کا عالم

کبوتروں کی تسبیح

شیخ ابو عمرو جو حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مریدین میں بڑے ہی باکمال بزرگ ہوئے ہیں ان کی توجہ الی اللہ اور بیعت کا واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک رات بستر پر لیٹے لیٹے پانچ کبوتروں کی تسبیح سنی ایک کبوتر نے پڑھا کہ سُبْحٰنَ مَنْ عِنْدَهٗ خَزَائِنُ كُلِّ شَيْءٍ وَمَا يُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ یعنی پاک ہے وہ ذات جس کے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اور وہ اس کو ایک معین مقدار کے ساتھ نازل فرماتا ہے۔ دوسرے کبوتر نے یہ تسبیح پڑھی کہ سُبْحٰنَ مَنْ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا پھر اس کو ہدایت دی۔ تیسرے نے یہ پڑھا کہ سُبْحٰنَ مَنْ بَعَثَ الْاَنْبِيَآءِ حُجَّةً عَلٰى خَلْقِهٖ وَفَضَّلَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے انبیاء علیہم السلام کو اپنی مخلوق پر دلیل بنا کر بھیجا اور حضرت محمد ﷺ کو سب سے افضل بنایا چوتھے نے یوں تسبیح کی کہ كُلُّ مَا فِي الدُّنْيَا بَاطِلٌ اِلَّا مَا كَانَ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ یعنی دنیا کی ہر چیز باطل ہے بجز ان چیزوں کے جو اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہوں۔ پانچویں نے یہ صدا سنائی کہ يَآاَهْلَ الْغَفْلَةِ قُوْمُوْا اِلٰى رَبِّكُمْ يُعْطِي الْجَزِيْلَ وَيَغْفِرِ الذَّنْبَ الْعَظِيْمَ یعنی اے غافلو! اپنے رب کے لئے قیام کرو۔ وہ بڑی بڑی نعمتیں دیتا ہے اور بڑے بڑے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

شیخ ابو عمرو ان کبوتروں کی تسبیحات کو سن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ بے ہوش ہو گئے پھر

جب ان کے ہوش و حواس درست ہوئے تو ایک دم ان کی دنیائے دل میں ایک انقلاب عظیم برپا ہو گیا اور دنیا سے نفرت و بیزاری پیدا ہو گئی اور اسی وقت انہوں نے یہ عزم کر لیا کہ میں اب اپنے کو کسی شیخ وقت کے سپرد کر دوں گا اور ذکر و فکر اور یاد الٰہی میں اپنی بقیہ زندگی گزار دوں گا۔ چنانچہ فوراً ہی ان کے پاس ایک بہت ہی باوقار شیخ تشریف لائے اور انہوں نے بتایا کہ میں "خضر" ہوں اور ابھی ابھی حضرت غوث اعظم کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا تو حضرت ممدوح نے مجھ سے فرمایا کہ اے خواجہ خضر! اس وقت ایک بندہ خدا کو جذب الٰہی نے اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ لہٰذا آپ تشریف لے جا کر اس کو میرے پاس لائیے تا کہ اس کو میں خدا تک پہنچنے کا راستہ بتاؤں۔ حضرت خواجہ خضر کی گفتگو سن کر شیخ ابو عمرو کا جذبہ شوق عشق کی حد تک پہنچ گیا اور وہ بغداد کے سفر کے لئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ حضرت خضر نے اپنی کرامت سے تھوڑی ہی دیر میں ان کو بغداد حضرت غوث اعظم کی درگاہ معلیٰ میں پہنچا دیا۔ جس وقت ابو عمرو بارگاہ غوثیت میں حاضر ہوئے تو ان کے دیکھتے ہی حضرت غوث اعظم نے فرمایا کہ مَرْحَبًا بِمَنْ جَذَبَهٗ مَوْلَاہُ بِاَلْسِنَةِ الطَّیْرِ وَجَمَعَ لَهٗ کَثِیْرًا مِّنَ الْخَیْرِ یعنی خوش آمدید! اے وہ شخص کہ جس کو اس کے مولیٰ نے پرندوں کی زبان سے نغمہ حق سنا کر اپنی طرف کھینچ لیا اور اس کے لئے خیر کثیر جمع فرما دیا(1)۔

تبصرہ:۔ اس عبرت خیز حکایت کے دامن میں بڑے بڑے نتائج کے گوہر آبدار اور بڑی بڑی عبرتوں کے در شہوار بھرے ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند موتیوں کا آپ بھی نظارہ فرمائیے!

1۔ شیخ ابو عمرو کو بڑے بڑے محدثین کی درسگاہوں اور بڑے آتش بیان مقررین کے وعظوں سے خدا شناسی اور معرفت الٰہی کا وہ جذبہ نہیں ہوا جو پانچ کبوتروں کی تسبیحات سے پیدا ہو گیا کہ ایک دم ان کے دل کی دنیا ہی ردو بدل ہو گئی اور ان کے ظاہر و باطن میں ایسا عظیم انقلاب برپا ہو گیا کہ آن کی آن میں "جذبہ الٰہیہ" نے انہیں اپنی طرف کھینچ لیا اور ان کے دل و دماغ کے ہر ہر گوشے میں ربانی کشش کا ایسا برقی کرنٹ پیدا ہو گیا اور خداوند قدوس کی محبت و معرفت کی بجلیاں اس طرح ان کے ذرات وجود میں کوندنے لگیں کہ ان کے بدن کا بال بال زبان حال سے پکار اٹھا کہ

دل ہے خیال یار کا محشر لئے ہوئے
قطرہ ہے بے قرار سمندر لئے ہوئے

1۔ روح البیان ج5 ص164۔

میں کیا کہوں کہاں ہے محبت کہاں نہیں رگ رگ میں دوڑی پھرتی ہے خنجر لئے ہوئے

یہ در حقیقت حضرت حق جل مجدہٗ کی توفیق کا ایک بہت روشن جلوہ ہے۔ اس رحیم و کریم مولیٰ کے لطف و کرم کا یہی خیال ہے کہ جب وہ چاہتا ہے تو غیب سے کوئی ایسا سامان پیدا فرما دیتا ہے کہ آن کی آن میں مفلس و قلاش بندہ تمام جہان کے وبال اور دنیا بھر کے جنجال سے آزاد ہو کر زدن میں اس کے وصال کی دولت لازوال سے مالا مال اور اس کے فیضان جود و نوال سے نہال ہو جاتا ہے اور خدا کی اس شانِ کرم اور اس کی ذرہ نوازی کو دیکھ کر فرط حیرت سے اس کی قدرت کو یاد کرتے ہوئے بے اختیار اس طرح اس کی عظمت و کبریائی کا خطبہ پڑھنے لگتا ہے کہ ؎

تو اگر چاہے تو ذرے کو بھی صحرا کر دے اور اک قطرۂ بے مایہ کو دریا کر دے

ادنیٰ سا کرشمہ ہے یہ قدرت کا تری کن کہہ کے تو کونین کو پیدا کر دے

برسوں کی عبادت و ریاضت، شب بیداری، گریہ و زاری کوئی چیز بھی بغیر اس کی توفیق اور اس کے کرم کے اس کے جام محبت کے آب حیات کے لئے خضر راہ نہیں بن سکتی۔ بہت سے مردان عبادت گزار اور زہدان شب زندہ دار اس حسرت و تمنا میں برسوں سر رگڑ رگڑ کر مر گئے کہ یار حقیقی کے جلوؤں کی ایک جھلک نظر آ جائے مگر توفیق ربانی نے جب ان کی دستگیری نہیں فرمائی تو انہیں وصال یار کی شراب طہور کے چھلکتے جام میں سے ایک قطرہ بھی نہیں ملا اور وہ العطش العطش پکارتے ہوئے پیاسے ہی دنیا سے چلے گئے۔ اس لئے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عبادات و ریاضات، مجاہدات و مراقبات گو خداوند ذوالجلال کے وصال کے لئے وسائل و ذرائع ضرور ہیں مگر وصال یار کا حقیقی دار و مدار توفیق پروردگار اور اس کے فضل و کرم کا دریائے ناپیدا کنار ہی ہے۔ خدا کی قسم بے اس کی توفیق اور بغیر اس کے فضل و کرم کے کوئی شخص ہرگز ہرگز کبھی خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہر شخص کو اس حقانی حقیقت کا اعتراف کرنا ہی پڑے گا کہ ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

منقول ہے کہ بادشاہ بغداد برسوں سے یہ تمنا رکھتا تھا کہ حضرت بہلول دانا علیہ الرحمہ سے ملاقات کرے مگر اس مست الست کے استغناء و بے نیازی کی ٹھوکر سے ہمیشہ بادشاہ کی عظمت شہنشاہی پامال ہی ہوتی رہی اور کبھی بھی آپ نے دربار شاہی میں قدم رکھنا گوارا نہیں فرمایا۔ آخر ایک دن ایسا اتفاق در پیش ہو گیا کہ آپ شاہی محل والے روڈ سے گزر رہے تھے۔ بادشاہ نے محل

کی چھت سے آپ کو دیکھ لیا۔ فوراً ہی کمند ڈال کر آپ کو ایک دم محل کی چھت پر کھینچ لیا۔ بادشاہ نے آپ سے دریافت کیا کہ بہلول بابا! یہ بتایئے کہ آپ خدا تک کس طرح پہنچے؟ آپ نے فرمایا کہ "جس طرح آپ کے پاس پہنچ گیا" بادشاہ نے پوچھا کہ میرے پاس آپ کس طرح پہنچے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ "جس طرح میں خدا تک پہنچا۔" بادشاہ نے اس جواب سے حیران ہو کر عرض کیا کہ حضور! میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔ آپ نے فرمایا کہ اے بادشاہ! میرا مطلب یہ ہے کہ اگر میں خود آپ کے پاس پہنچنا چاہتا تو میں نہا دھو کر، لباس فاخرہ پہن کر دربان کی عنایتوں کا مرہون منت بنتا، محل تک پہنچتا۔ عرضی پیش کرتا۔ پھر گھنٹوں بلکہ پہروں تک انتظار کرتا پھر بھی کچھ ضروری نہیں کہ میں آپ کے پاس پہنچ ہی جاتا۔ ممکن ہے کہ آپ میری درخواست کو ٹھکرا دیتے۔ لیکن جب آپ نے مجھے بلانا چاہا تو ایک منٹ میں کمند ڈال کر مجھے اپنے دربار میں بلا لیا بس یہی حال خدا تک پہنچنے کا ہے کہ بندہ برسوں عبادت و ریاضت میں رہ کر سجدے میں سر رگڑ رگڑ کر وصال خداوندی کا طلب گار ہوتا ہے۔ ہزاروں مجاہدات کر ڈالتا ہے مگر خدا تک نہیں پہنچ سکتا لیکن خداوند کریم جب خود کسی بندے کو اپنے قرب و وصال کی دولت سے نوازنا چاہتا ہے تو بس آن واحد میں اس کے دل کے اندر ایک جذبہ حق پیدا فرما کر بندے کو خود اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور بندہ خدا تک پہنچ جاتا ہے۔

2۔ اس حکایت سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ چرندوں اور پرندوں کی صدائیں بالکل مہمل اور بے معنی آوازیں نہیں ہیں بلکہ ہر چرند و پرند اپنی اپنی زبانوں میں خداوند سبوح و قدوس کی تسبیحات کا ورد کرتا رہتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انسان ان کی صداؤں کی تسبیحوں اور ان کے اوراد و وظائف کو نہیں سمجھ سکتا مگر یہ ایمان رکھنا لازم ہے کہ چرندوں اور پرندوں کی بولیاں محض ایک لغو و مہمل شور و غوغا نہیں ہیں بلکہ یہ تسبیحات خداوندی کے پر کیف نغمات ہیں جو ان مستان شراب محبت کی زبانوں سے نکل رہے ہیں۔ ہرگز ہرگز کبھی ان پرندوں اور چرندوں کی آوازوں کو حقارت کے ساتھ نہیں دیکھنا چاہئے بلکہ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی اس نصیحت کو پیش نظر رکھ کر عبرت حاصل کرنا چاہئے کہ۔

گفتم ایں شرط آدمیت نیست   مرغ تسبیح خوان و من خاموش

یعنی آدمی کی آدمیت کے لئے کسی طرح سزاوار نہیں ہے کہ پرند تو خدا کی تسبیح پڑھے اور

میں خاموش رہوں۔

اور خداوند قدوس کے اس فرمان پر ہمیشہ ایمان رکھنا چاہئے کہ "وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ" یعنی ہر چیز خدا کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھتی ہے لیکن تم انسان ان کی تسبیحوں کو سمجھ نہیں سکتے۔

لیکن اگر کسی بندے پر مولیٰ تعالیٰ کا فضل و کرم ہو جاتا ہے تو وہ ان بندوں کو ان کی تسبیحات سمجھا دیتا ہے اور وہ نہ صرف انہیں سن لیتے ہیں بلکہ اس کو سمجھ کر اس قدر متاثر بھی ہو جاتے ہیں کہ پہلے تو دنیائے ہوش و خرد سے بے نیاز ہو کر مدہوش اور بے ہوش ہو جاتے ہیں پھر ایسے ہوش میں آتے ہیں کہ انہیں خدا کے سوا کسی کا ہوش نہیں رہ جاتا۔ انہیں صرف خدا یاد رہتا ہے اور سب کچھ فراموش ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اس حکایت میں شیخ ابو عمرو کا حال ہوا۔ یہی مضمون ہے جس کو حضرت سعدی نے ایک معنی خیز شعر میں کتنے اچھے انداز میں پیش فرمایا ہے کہ ؎

کسانیکہ وحدت پرستی کنند　　بہ آواز دولاب مستی کنند

یعنی جو بزرگ وحدت الٰہی کے پرستار ہو جاتے ہی وہ چرخی کی "چخ چوں"، "چخ چوں" کی آواز پر بھی مست ہو جایا کرتے ہیں کیونکہ اس آواز میں بھی انہیں کسی عبرت خیز تسبیح ربانی کے کیف آور نغمات کی مست کرنے والی دھن سنائی دیتی ہے۔ جس کے کیف و سرور سے ان کے دنیائے دل زیر وزبر ہو جایا کرتے ہیں اور وہ جذبہ حق سے سرشار ہو کر خدا سے واصل اور ماسوا اللہ سے غافل ہو جاتے ہیں اور ان کا ایک ہی نعرہ ہوتا ہے جس کی ہیبت و جلالت سے سارا عالم دہلنے اور لرزنے لگتا ہے کہ ؎

یکے دان دیکے بین یکے گوے　　یکے خواہ یکے خوان یکے جوئے

یعنی بس ایک ہی ذات کو جانو۔ ایک ہی ذات کو دیکھو، ایک ہی ذات کی بات کرو، ایک ہی ذات کو چاہو، ایک ہی ذات کو پڑھتے رہو۔ حضرت آسی رحمتہ اللہ علیہ پر یہی حال طاری ہو گیا تھا تو انہوں نے ڈنکے کی چوٹ پر اپنے حال کو اس طرح لباس مقال پہنایا کہ ؎

ان آنکھوں کو جب سے بصارت ملی ہے　　سوا تیرے کچھ میں نے دیکھا نہیں ہے

اور اصغر گونڈوی مرحوم نے انہیں باخدا بزرگوں کے حال کی ترجمانی فرماتے ہوئے اس حقیقت کو اپنے ایک شعر کے قالب میں ڈھال دیا ہے کہ ؎

ردائے لالہ و گل پردۂ مہ انجم جہاں جہاں وہ چھپے ہیں عجیب عالم ہے

3۔اس حکایت سے اس حقیقت کا بھی انکشاف ہو گیا کہ سینکڑوں میل دور ابو عمرو کے دل میں خدا شناسی کا جذبہ پیدا ہو گیا اور انہوں نے اپنے کو بھی کسی شیخ کامل کے سپرد کرنے کا صرف دل میں ارادہ ہی کیا تھا کہ ان کے دل کے تمام خیالات اور ان پر گزرے ہوئے تمام حالات بغداد میں حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ پر ظاہر و منکشف ہو گئے اور آپ نے حضرت خواجہ خضر کو ان کے پاس بھیج کر انہیں دربار غوثیت میں طلب فرما کر منزل مقصود پر پہنچا دیا۔اس سے اندازہ لگایئے کہ اولیاء اللہ کی چشم بصیرت کی حد نگاہ کی کیا منزل ہوا کرتی ہے؟ طویل صحراؤں، گھنے جنگلات، گہرے سمندروں، اونچے پہاڑوں، گھٹاٹوپ تاریکیوں کے کوئی حجابات بھی اولیاء اللہ کی حق شناسی اور حقیقت بیں نگاہوں کے سامنے رکاوٹ بن کر دیکھ لینے سے حاجب و مانع نہیں ہو سکتے۔ تمام عالم اور جہاں بھر کے کوائف و احوال آٹھوں پہر ان کے پیش نظر رہتے ہیں اور وہ اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے کائنات ملک و ملکوت کا معائنہ اور مشاہدہ فرماتے رہتے ہیں۔ چنانچہ وہ خود حضرت غوث اعظم نے اپنے قصیدہ غوثیہ میں ارشاد فرمایا ؎

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعاً کَخَرْدَلَۃٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالٖ

یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں کو اس طرح دیکھ لیا۔ جس طرح کوئی رائی کے دانے کو دیکھ لے اور میرا یہ مشاہدہ اور معائنہ صرف کبھی کبھی نہیں ہوتا بلکہ میں ہمیشہ اور لگاتار اسی طرح دیکھتا رہتا ہوں۔

سبحان اللہ! اللہ والوں کی نگاہ معرفت اور چشم بصیرت کا کیا کہنا؟ دیکھتے سب ہیں مگر کہاں ہمارا دیکھنا؟ اور کہاں اللہ والوں کا دیکھنا؟ واللہ بڑا فرق ہے۔ بخدا بے انتہا تفاوت ہے کیوں نہ ہو؟ یہ ایک بڑی سچی حقیقت ہے کہ ؎

دل زندہ و بیدار اگر ہو تو بتدریج بندے کو عطا کرتے ہیں چشم نگراں اور
احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن "ملا" کی اذاں اور "مجاہد" کی اذاں اور
پرواز ہے دونوں کی سی ایک فضا میں کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

حلال مُرغ حرام مُرغ

منقول ہے کہ حضرت مخدوم جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ جن کا مزار شریف کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد میں زیارت گاہ خلائق ہے سیر و سیاحت فرماتے ہوئے چین کی سرحد کے قریب ایک قصبہ میں کسی امیر کے مہمان ہوئے۔ امیر نے بغرض امتحان دو مرغ مسلم تیار کرایا۔ ایک حلال کمائی کا اور دوسرا حرام کمائی کا۔ تمام کھانوں کے ساتھ دونوں مرغ بھی دستر خوان پر رکھے گئے۔ آپ ہر کھانے میں سے تناول فرماتے رہے مگر مرغ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ امیر نے جب بار بار اصرار کیا کہ حضور والا مرغ مسلم بھی ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ تو آپ نے حلال کمائی کا مرغ مسلم اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لیا اور حرام کمائی والا مرغ امیر اور اس کے ہم نوالہ و ہم پیالہ لوگوں کی طرف بڑھا دیا اور فرمایا کہ درویش صرف لقمہ حلال کھاتے ہیں۔ اس واقعہ سے امیر اپنے دل میں بہت نادم ہوا اور یہ حقیقت آفتاب بن کر اس کے دل میں چمک اٹھی کہ اللہ والوں کی حق بیں نگاہوں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔ وہ انسانوں کے دل میں چھپے ہوئے خیالات و خطرات کو بھی اس طرح دیکھ لیا کرتے ہیں۔ جس طرح عالم لوگ چودھویں رات کے چاند کو دیکھا کرتے ہیں (1)۔

ہم لوگ غوغائی ہیں

ایک مرتبہ حضرت مخدوم جہانگیر اشرف سمنانی رحمۃ اللہ علیہ قصبہ جائس ضلع رائے بریلی میں قیام فرماتے۔ آپ پر چشتی نسبت کا غلبہ تھا۔ اس لئے آپ کے اصحاب "ذکر جہری" زور شور سے کرتے تھے۔ قصبہ کے ایک فقیہ عالم مولانا غلام الدین نے ذکر کا شور سن کر فرمایا کہ "غوغائی لوگ کہاں سے آگئے" اس کے بعد مولانا صاحب ممدوح ایک بزرگ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ اتفاق سے اس مجلس میں حضرت مخدوم سمنانی قدس سرہٗ بھی اپنے اصحاب و مریدین کے ساتھ رونق افروز تھے مولانا صاحب نے صاحب مجلس بزرگ سے حاضرین کے تعارف کی درخواست کی تو قبل اس کے کہ بزرگ صاحب کوئی جواب دیں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ "ہم لوگ غوغائی ہیں۔" مولانا صاحب ایک پوشیدہ بات کو جو مکان کی کوٹھری میں زبان

1۔ تذکرۂ مخدوم ص33۔

سے نکل گئی تھی۔ حضرت مخدوم کی زبان سے سن کر مارے ندامت کے شرم سے پانی پانی ہو گئے اور دست بستہ معذرت کرنے لگے(1)۔

تبصرہ:۔ ان دونوں واقعات میں کتنی صاف اس حقیقت کی تجلی ہے کہ اولیاء اللہ کی بصیرت اور قلبی بینائی کی روشنی سے نہ محسوسات مخفی رہتے ہیں نہ معقولات۔ جن کی نگاہیں لوحِ محفوظ کے رموز و اسرار تک رسائی رکھتی ہے۔ ان کے دلوں کی بینائی کی توانائیوں سے بھلا عالمِ شہادت کی کونسی چیز پوشیدہ رہ سکتی ہے؟ واقعی اللہ والوں کے سمع وبصر، بینائی و نظر علم وادراک، بصارت وبصیرت عام انسانی حواس اور ان کے علوم و معارف سے بہت بالاتر ہیں۔ ان ہی باخدا بندوں کے احوال و مقامات کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایک مومن کامل کو خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

ترا جوہر ہے نوری پاک ہے تو فروغِ دیدۂ افلاک ہے تو
ترے صید نظر فرشتہ و حور کہ شاہین شہ لولاک ہے تو

خلیفہ مہدی اور امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے نور نظر حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کو بادشاہ بغداد خلیفہ مہدی نے بغاوت کا الزام لگا کر قید کر دیا۔ آپ صبر وسکون کے ساتھ جیل خانہ کے اندر عبادت و ریاضت میں مصروف رہے۔ اچانک ایک رات مہدی نے یہ خواب دیکھا کہ حضرت مولائے کائنات جناب امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ یہ آیت تلاوت فرمارہے ہیں کہ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ یعنی کیا تمہارے یہ لچھن نظر آتے ہیں؟ کہ اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتے کاٹ دو۔

خلیفہ مہدی حضرت شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان فیض ترجمان سے یہ آیت سن کر تڑپ گیا اور اپنے اس خواب سے چونک کر اس نے رات ہی میں اپنے دربان "ربیع" کو بلایا۔ ربیع گھبرایا ہوا آیا تو دیکھا کہ خلیفہ مہدی نہایت خوش الحانی کے ساتھ یہی آیت تلاوت کر رہا ہے۔ ربیع کے آتے ہی خلیفہ مہدی نے اس سے اپنا خواب کہا اور حکم دیا کہ ابھی ابھی اسی وقت تم

1۔ تذکرہ مخدوم ص 34۔

حضرت امام موسیٰ کاظم کو قید خانے سے رہا کر کے میری خواب گاہ میں لاؤ۔ چنانچہ فوراً ربیع روانہ ہو گیا اور حضرت امام ممدوح کو خلیفہ مہدی کی خواب گاہ میں پہنچا دیا۔ خلیفہ نے حضرت امام کا استقبال کیا اور انتہائی گرم جوشی کے ساتھ معانقہ کر کے اپنے پہلو میں بٹھایا اور عرض کیا کہ میں نے ابھی ابھی خواب میں حضرت اسد اللہ الغالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ آیت تلاوت فرماتے ہوئے دیکھا ہے اور یقیناً حضرت مولائے کائنات نے مجھے تنبیہہ فرمائی ہے کہ میں نے آپ کو قید کیوں کر رکھا ہے؟ لہٰذا آپ مجھ سے یہ عہد فرمائیے کہ آپ میرے خلاف یا میری اولاد کے خلاف بغاوت نہیں کریں گے۔ تو ابھی ابھی آپ کو رہا کرتا ہوں۔ حضرت امام نے فرمایا کہ امیر المومنین! بغاوت میرا کام نہیں اور میں بالکل ہی بے قصور ہوں۔ یہ سنتے ہی خلیفہ مہدی نے حکم دیا کہ اے ربیع! تین ہزار دینار حضرت امام کی خدمت میں نذرانہ پیش کرو اور ان کو پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ مدینہ منورہ ان کے اہل و عیال کے پاس بھیج دو۔ چنانچہ ربیع نے جلدی جلدی رات ہی میں سارا انتظام کر دیا اور صبح ہوتے ہوتے مدینہ منورہ روانہ ہو گئے (1)۔

تبصرہ:۔ اس تاریخی حکایت میں حضرت شیر خدا اور حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کرامت اور خداداد تصرفات کے جو جلوے نظر آ رہے ہیں وہ کسی اہل فہم پر پوشیدہ نہیں۔ کیوں نہ ہو کہ مولائے کائنات کی ذات والا صفات سر چشمہ ولایت اور منبع تصرفات ہے۔ بلا شبہ آپ سید الواصلین ہیں اور آپ کی آل امجاد یقیناً آپ کے کمالات کی صحیح وارث اور آپ کے جانشین ہیں۔ اللہ اکبر! بالکل حق کہا کسی حق شناس شاعر نے کہ ؎

علی کا گھر بھی وہ گھر ہے کہ جس گھر کا ہر اک بچہ جہاں پیدا ہوا، شیر خدا معلوم ہوتا ہے

ایک عبرت انگیز خواب

حافظ حدیث "عبدالرحمٰن بن مندہ" کا ان علماء حق میں شمار ہے جو بد مذہبوں اور باطل فرقوں کے حق میں برق خاطف تھے اور بلا خوف کلمہ حق کہتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ابوالقاسم زنجانی کعبہ مکہ مکرمہ کے پاس علی الاعلان کہا کرتے تھے کہ اس دور پر فتن میں اللہ تعالیٰ نے دو شخصوں کے ذریعے اسلام کی حفاظت فرمائی۔ ایک عبدالرحمٰن بن مندہ دوسرے عبداللہ بن محمد انصاری کو یہ دونوں گمراہیوں کی خوفناک آندھیوں میں بھی استقامت کا پہاڑ بنے ہوئے ڈٹے

1۔ مستطرف ج2 ص70۔

رہے اور گمراہ فرقوں کے دل بادل لشکروں سے تنہا زبانی و قلمی جہاد فرماتے رہے!

"ابو طالب بن طباطبا" کا بیان ہے کہ میں عبدالرحمٰن بن مندہ سے غائبانہ بغض رکھتا تھا اور ان کو ہمیشہ گالیاں دیا کرتا تھا۔ ایک دن ناگہاں میں نے خواب میں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں ایک شخص کا ہاتھ ہے جو نیلے رنگ کا جبہ پہنے ہوئے ہیں اور کوئی زور زور سے یہ کہہ رہا ہے کہ اے ابو طالب دیکھ لے۔ یہ امیر المومنین حضرت عمر ہیں جو عبدالرحمٰن بن مندہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں۔ ابو طالب کہتے ہیں کہ میں نے آگے بڑھ کر حضرت امیر المومنین کو سلام کیا۔ تو انہوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا اور انتہائی ناگواری کے ساتھ اپنی پر جلال آواز سے فرمایا کہ تم ان کو گالیاں کیوں دیا کرتے ہو؟ ابو طالب کہتے ہیں کہ میں اس خواب سے چونکا اور خوف و دہشت سے لرزہ براندام ہو کر اٹھا اور فوراً ہی عبدالرحمٰن بن مندہ کی زیارت کے لئے اصفہان روانہ ہو گیا وہاں جا کر دیکھا کہ عبدالرحمٰن بن مندہ نیلا جبہ پہنے ہوئے ہو بہو وہی شخص ہیں جن کا ہاتھ میں نے خواب میں حضرت امیر المومنین کے ہاتھ میں دیکھا تھا۔ میں نے جیسے ہی پہنچ کر انہیں سلام کیا تو انہوں نے وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا اَبَا طَالِبْ! کہہ کر جواب دیا۔ میں حیران رہ گیا کہ آخر انہیں میرا نام کس طرح معلوم ہو گیا؟ پھر میں ابھی کچھ بولنے بھی نہیں پایا تھا کہ انہوں نے یہ فرمایا کہ اے ابو طالب! جس چیز کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرام فرما دیا ہے۔ کیا ہم میں کسی کی مجال ہے کہ کوئی اس کو حلال کر سکتا ہے؟ میں نے انہیں خدا کی قسم دلاتے ہوئے گڑگڑا کر ان سے معافی مانگی اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا تو انہوں نے فرمایا کہ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے۔ میں نے تمہاری سب بے ادبیوں کو معاف کر دیا (1)۔

تبصرہ:۔ اس رقت انگیز اور عبرت خیز حکایت میں جہاں امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حافظ عبدالرحمٰن بن مندہ کے تصرفات اور کرامتوں کا نور نظر آتا ہے۔ وہاں اس واقعہ سے اس معاملہ پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ جو علماء حق دین کی نصرت و حمایت میں گمراہ فرقوں کا مقابلہ کرتے رہتے ہیں۔ ان پر بزرگان دین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا دامن امداد و اعانت ہر وقت سایہ فگن رہتا ہے اور یہ علماء مجاہدین اس قدر سلف صالحین کے محبوب اور

1۔ تذکرۃ الحفاظ ج3 ص340۔

پیارے ہوتے ہیں کہ کہ ان سے بغض وعناد رکھنے والا اگرچہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو بزرگوں کی نظر میں اس قابل نہیں رہتا کہ اس کا سلام بھی ان کے دربار میں مقبول ہو۔ چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ "ابو طالب بن طباطبا" کا سلام حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی بناپر قبول نہیں فرمایا کہ وہ عبدالرحمٰن بن مندہ جیسے حق پرست اور حقانی عالم کو گالیاں دیا کرتے تھے اور ان سے بغض وعناد رکھتے تھے!

اس واقعہ میں ان جاہل اور بے ادب مسلمانوں کے لئے بہت بڑا تازیانہ عبرت ہے۔ جو بلاوجہ علماء حق کے خلاف طعن و تشنیع اور زبان درازیاں کرتے رہتے ہیں انہیں ہوش میں آجانا چاہئے کہ وہ بزرگان سلف کی مقدس نگاہوں میں کہیں اتنے ذلیل اور قابل نفرت نہ ہو جائیں کہ ان کا سلام بھی ان کے لئے قابل قبول نہ ہو اور یاد رکھئے کہ جو اللہ والوں کی نظر سے گر گیا۔ خدا کی قسم یقین فرمایئے وہ اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت سے محروم ہو گیا۔ حدیث شریف کا مضمون ہے کہ مَنْ عَادیٰ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ یعنی مولا عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ جو شخص کسی ولی سے دشمنی رکھے اس کے لئے میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔ توبہ نعوذ باللہ! خداوند کریم بزرگان دین کی نگاہ قہر و غضب سے اپنی پناہ میں رکھے۔ بخدا یہ وہ زہر ہے جس کا کوئی تریاق نہیں۔ واللہ، یہ وہ تلوار ہے جس کی کوئی ڈھال نہیں کیا آپ نے یہ نہیں سنا؟ کہ

نگاہ مرد مومن برق عالم سوز ہوتی ہے ۔۔۔ اگر گر جائے یہ بجلی تو دنیا خاک ہو جائے

چھپے درویش

حضرت ابو سعید خراز کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے حرم کعبہ میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے بدن پر بس اتنا ہی کپڑا تھا کہ ناف سے گھٹنے تک بدن چھپا ہوا تھا۔ اس کو دیکھ کر میرے قلب میں کچھ نفرت اور گھن پیدا ہوئی اور میں نے اس کو حقارت کی نظر سے دیکھا تو اس نے فوراً ہی میری طرف دیکھ کر یہ آیت پڑھی کہ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَافِیْۤ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے لہٰذا اس سے ڈرو۔ ابو سعید کہتے ہیں کہ یہ آیت اس کی زبان سے سن کر میں بے حد شرمندہ ہوا اور دل ہی دل میں توبہ و استغفار کرنے لگا۔ تو اس نے میری طرف دیکھ کر یہ آیت تلاوت کر دی کہ وَهُوَ الَّذِیْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا۔

تبصرہ:۔ یہ برہنہ درویش یقیناً کوئی صاحب کشف بزرگ تھے جنہوں نے اپنے حال اور کمال کو چھپانے کے لئے یہ ہیئت بنالی تھی۔ ایسے بہت سے خاصان خدا ہیں کہ ان کی ظاہری شکل و صورت سے ان کے بلند حال اور اعلیٰ کمال کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہی لوگ چھپے درویش کہلاتے ہیں اور ان کا حال گدڑی میں لعل جیسا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رَبَّ اَشْعَثُ اَغْبَرَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَ بَرَّہٗ یعنی بہت سے ایسے بندگان خدا ہیں جن کے بال الجھے ہوئے اور غبار آلود ہوتے ہیں۔ جن کو لوگ (حقیر سمجھ کر) اپنے دروازوں سے دھکا دے کر بھگا دیتے ہیں لیکن خداوند ذوالجلال کے دربار میں ان کی مقبولیت کا یہ حال ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی بڑی سے بڑی بات کی قسم کھالیں تو خداوند کریم ضرور ان کی قسم کو پوری فرمادیتا ہے۔ ظاہری آنکھوں سے ان بزرگوں کے مقام و حال کا کمال نہیں دیکھا جاسکتا اور باطنی آنکھیں ہر شخص کے پاس موجود نہیں۔ اس لئے یہ لوگ پہچانے نہیں جاتے اور یہ لوگ خود بھی اپنے لباس و خوراک اور اپنے طرز زندگی کی سادگی اور ظاہری بے ڈھنگا پن ظاہر کر کے اپنے حال کو چھپائے رہتے ہیں مگر یہ لوگ اس قدر قوی جذبہ اور روحانی طاقت کے مالک ہوتے ہیں کہ اگر جلال میں آجائیں تو ایک نگاہ ڈال کر عالم ملک میں انقلاب عظیم پیدا کریں اور ان لوگوں پر خداوند کریم کا اتنا پیار ہوتا ہے اور یہ لوگ مقبولیت کی ایسی منزل بلند پر فائز ہوتے ہیں کہ اگر یہ لوگ کسی پہاڑ کے ٹل جانے کی یا کسی سمندر کے خشک ہو جانے کی بھی دعا مانگ لیں تو مولیٰ عزوجل ضرور اپنے کرم سے ان کی دعاؤں کو قبول فرما کر ان کی تمناؤں اور مرادوں کو پوری فرمادیتا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی نے انہیں کمبل پوش نشینوں کے تصرفات و کرامات اور ان کی روحانی طاقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں   کہ ناز برفلک وحکم برستارہ کنم

یعنی میں یوں تو تمہارے دیکھنے میں میکدہ کا ایک فقیر ہوں لیکن جب مجھ پر شراب وحدت کا نشہ اور جذبات الٰہیہ کی مستی سوار ہو جاتی ہے تو اس وقت مجھے دیکھو کہ آسمان میرا ناز اٹھاتا ہے اور ستاروں پر میرا حکم چلتا ہے اور حدیث شریف کے فرمان کے ساتھ ساتھ برسہا برس کا یہ تجربہ بھی ہے کہ یہ میلے کچیلے پراگندہ بال اور شکستہ حال فقراء جب جلال میں آجاتے ہیں تو ایسے ایسے کمال دکھلا دیتے ہیں کہ عقل انسانی دریائے حیرت و استعجاب میں غرقاب ہو جاتی ہے اور یہ

حقیقت بالکل عریاں ہو کر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے کہ ؎

بشر خود اپنی طاقت سے ہلا سکتا نہیں ذرہ جو ہو جذب یقیں پیدا تو پتھر موم ہو جائے

لہٰذا ضروری ہے کہ کسی پراگندہ بال اور خستہ حال درویش کو ہرگز ہرگز کبھی نفرت و حقارت کی نظر سے نہ دیکھے بلکہ ان خاک نشینوں کی اگر ہو سکے تو کچھ خدمت کرے۔ ورنہ کم سے کم اتنا ضرور خیال رکھے کہ ان کی کوئی بے ادبی نہ ہونے پائے۔ تمہیں کیا معلوم کہ اس کملی کے اندر کونسا شہنشاہ اور اس گدڑی کے اندر کیسا لعل اور اس غبار میں کیسا شہسوار چھپا ہوا ہے؟ اسی لئے کہا گیا ہے کہ ؎

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو ارادت ہو تو دیکھ ان کو یدبیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

کشف القلوب

شیخ الحرام سعد بن علی زنجانی بہت سے ممالک کے محدثین سے تحصیل علم کر لینے کے بعد مکہ مکرمہ میں مقیم ہو گئے۔ یہ بہت ہی پرہیزگار اور عبادت گزار عالم حدیث تھے اور ان کی مقبولیت اور خلق خدا کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ یہ جب حرم شریف میں داخل ہوتے تھے تو لوگ کعبہ معظمہ کا طواف چھوڑ کر ان کی طرف دوڑ پڑتے تھے اور "حجر اسود" سے زیادہ لوگ ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے تھے۔ جب مکہ مکرمہ پر رافضیوں کا قبضہ ہو گیا تو یہ اپنے مکان کے اندر چھپ کر حدیثوں کا درس دیا کرتے تھے اور مکان کے اندر ہی عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے۔ ان کو خداوند عالم نے "کشف القلوب" کی کرامت سے نوازا تھا۔ چنانچہ یہ حاضرین مجلس کے قلبی خطرات، اور دلی خیالات کو اپنے کشف سے جان لیا کرتے تھے۔ "مرد" کا باشندہ ایک شخص جس کا نام ابوالمظفر تھا۔ اس کو آپ سے بے حد عقیدت ہو گئی اور اس نے یہ عزم کر لیا کہ میں کبھی اپنے وطن نہیں جاؤں گا اور تمام عمر "سعد بن علی" کی خدمت و کفش برادری میں گزار دوں گا۔ لیکن اسی رات میں یہ خواب دیکھا کہ اس کی ماں سر کھولے ہوئے، پراگندہ بال اور پریشان حال کھڑی ہے اور یہ کہہ رہی ہے کہ اے بیٹا! میں تیری جدائی ہرگز ہرگز برداشت نہیں کر سکتی۔ ابوالمظفر کہتے ہیں کہ میں خواب سے بیدار ہو کر سخت الجھن اور ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گیا اور سعد بن علی کی خدمت میں مشورہ کے لئے چل دیا۔ لیکن حرم میں ان کے ارد گرد لوگوں کا ہجوم تھا کہ باوجود انتہائی کوشش کے بھی ملاقات کا موقع نہیں مل سکا۔ جب وہ حرم سے نکلے تو میں ان کے

پیچھے چلا۔ جب وہ اپنے مکان کے قریب پہنچے تو ایک دم مڑ کر مجھ سے فرمایا کہ اے ابوالمظفر! تیری بڑھیا ماں نہایت بے چینی اور بے قراری کے ساتھ تیرا انتظار کر رہی ہے۔ یہ فرمایا اور مکان میں داخل ہو گئے چنانچہ ابوالمظفر اپنا ارادہ فسخ کر کے اپنے وطن چلے گئے (1)۔

تبصرہ:۔ شیخ الحرام سعد بن علی زنجانی کسی خانقاہ کے پیر یا پیر زادہ، یا کسی درگاہ کے سجادہ نشین، یا کسی قبرستان کے فقیر، یا بابا نہیں تھے بلکہ ایک باکمال محدث، اور علم حدیث کے مدرس اور پابند شرع عالم دین تھے۔ لیکن خدمت حدیث اور علم دین کے انوار سے خداوند قدوس نے ان کے نورانی سینہ کو اتنا مصفٰی اور ان کے قلب منور کو اس قدر مجلی فرما دیا تھا کہ یہ "کشف القلوب" کی کرامات سے سرفراز ہو گئے۔ یہاں تک کہ لوگوں کے دلوں کے پوشیدہ خطرات و خیالات اور دور دراز مقامات کے کوائف و حالات ان کی نظروں کے سامنے اس طرح پیش نظر رہتے تھے کہ گویا یہ اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھ رہے ہیں۔ یہ نورانی واقعہ ان فقیروں اور باباؤں کی بند آنکھیں کھول دینے کے لئے ایک عبرت آموز تازیانہ ہدایت سے کم نہیں۔ جو اکثر یہ راگ الاپتے رہتے ہیں کہ صاحبان کشف و حال تو صرف فقراء اور درویشوں ہی میں ہوتے رہے ہیں اور ہوا کرتے ہیں۔ علماء تو صاحبان قال ہوتے ہیں اور ہمیشہ قال اقوال کی بحثوں میں الجھے ہوتے ہیں۔ انہیں ولایت کے احوال و معارف اور کشف و کرامت سے کیا تعلق؟ اور لطف یہ کہ یہ اقوال ان باباؤں اور مصنوعی فقیروں کے ہیں جو گانجہ، بھنگ کے رسیا تارک صوم صلوٰۃ اور تمام حدود و قیود شرع سے آزاد بن کر درگاہوں میں سجادہ نشین بنے بیٹھے ہیں اور ان بزرگان سلف کے ناموں پر مفت کی روٹیاں کھا رہے ہیں۔ جو علوم شریعت و معارف طریقت کے مجمع البحرین تھے اور جن کے تقویٰ و تقدس اور علم و عمل نے امت مسلمہ کو لاتعداد فیوض و برکات کی دولتوں سے مالا مال کیا تھا مگر آج ان نورانی مسندوں پر ایسے لوگ براجمان ہیں جو سراسر الحادی ظلمتوں کے پیکر اور قسم قسم کی بدعات اور بداعتقادیوں کے مرقع اور طرح طرح کی بداعمالیوں کے مجسمہ ہیں۔ جن کے بارے میں ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے اور کتنی بہترین تشبیہ دی ہے کہ ؎

ہاتھ آئی وراثت میں انہیں پیر کی گدی　　زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

کاش جاہل مسلمان ان گندم نما جو فروش باباؤں کے دام تزویر سے نجات پا جاتے ہیں جو اس

1۔ تذکرۃ الحفاظ ج3 ص348۔

غلط فہمی کی عظیم و عمیق دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں کہ ہمیں سجادہ نشین کے اعمال و افعال سے کیا مطلب؟ ہم تو گدی کے ماننے والے ہیں۔ اس گدی پر جو بھی بیٹھے وہ ہمارا مرشد، وہ ہمارا پیشوا، وہ ہمارا بزرگ ہے کوئی ایسا نہیں جو ان عقل کے کچے اور گانٹھ کے پکے جہلاء کو یہ سمجھادے کہ گدی سے گدی نشین کو بزرگی نہیں ملتی بلکہ گدی نشین کی بزرگی سے گدی کو بزرگی ملا کرتی ہے۔ اگر کسی بڑے سے بڑے بزرگ کی گدی پر بھی اگر کوئی نااہل بیٹھ جائے تو وہ ہرگز ہرگز بزرگ نہیں ہو جائے گا اور کوئی بزرگ اگر کسی مسند پر بھی نہ بیٹھے ہوں بلکہ وہ کسی جنگل یا ویرانے میں اگر کوئی چٹائی یا فرش خاک پر بھی بیٹھ جائیں تو بلاشبہ وہ ٹوٹی چٹائی فرشتوں کی بوسہ گاہ اور وہ فرش خاک رشک عالم پاک بن جائے گا کیونکہ مسند نشین کی عظمت و بزرگی سے مسند کو عظمت و بزرگی ملا کرتی ہے۔ کیوں نہ ہو؟ سچ فرمایا کسی عارف حال بزرگ نے کہ

مست جو ظرف اٹھا لے وہی پیمانہ بنے　　جس جگہ بیٹھ کے پی لے وہی میخانہ بنے

پھر اس حکایت میں یہ جملہ بھی بہت ہی نصیحت آموز ہے کہ جب سعد بن علی حرم شریف میں آتے تھے تو حاضرین حرم الٰہی حجر اسود سے زیادہ ان کے مقدس ہاتھوں کو بوسہ دینے کے لئے بے قرار نظر آتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے زمانے کے دین دار مسلمانوں کو اپنے علماء کے ساتھ کتنا والہانہ جذبہ عقیدت تھا اور علماء حق سے ان کی وابستگی اور شیفتگی کا کیا عالم تھا؟ کیوں نہ ہو کہ قرون اولیٰ کے مسلمان اپنی دین داری میں آج کل کے مسلمانوں سے ہزاروں درجے بڑھے ہوئے تھے اور جن کو دین سے تعلق اور لگاؤ ہوگا۔ وہ لازمی طور پر علماء دین کے عقیدت مند اور محب ہوں گے اور آج کل کے مسلمانوں کے دلوں کی دنیا میں چونکہ دین داری کا چراغ تقریباً بجھ چکا ہے اس لئے ان کے دلوں سے علماء دین کے وقار و عزت اور ان کی محبت و عقیدت کا بھی جنازہ نکل گیا ہے۔ ہائے افسوس! آج کل کے نام نہاد مسلمانوں کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں　　امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں

صاحب ہدایہ کی کرامت

شیخ برہان الدین محمود چھ سات برس کے بچے تھے اور اپنے والد محترم کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ یکایک راستہ میں صاحب ہدایہ مولانا برہان الدین مرغینانی کا شور سنائی دیا۔ شیخ برہان

الدین محمود کے والد ان کو عین راستے پر کھڑا کر کے خود کسی گلی میں چلے گئے۔ جب صاحب ہدایہ کی سواری قریب پہنچی تو شیخ برہان الدین محمود نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ صاحب ہدایہ نے بڑی تیز نگاہوں سے اس چھ سات برس کے بچے کو دیکھا کہ ایک بچہ بیچ راستے میں کھڑا ہو کر نہایت ہی مودبانہ سلام کر رہا ہے۔ صاحب ہدایہ نے سواری روک کر حاضرین سے فرمایا کہ "خدا مجھ سے یہ بات کہلوا رہا ہے کہ یہ بچہ اپنے زمانے کا (علامہ) ہو گا۔" شیخ برہان الدین محمود یہ بشارت سن کر چند قدم صاحب ہدایہ کے ساتھ چلے۔ پھر صاحب ہدایہ نے یہ فرمایا کہ "خدا مجھ سے یہ کہلوا رہا ہے کہ" یہ بچہ "ایسے بلند مرتبہ پر فائز ہو گا کہ بادشاہ اس کے دروازے پر حاضری دیں گے۔" چنانچہ صاحب ہدایہ کی اس پیشین گوئی کا اس طرح ظہور ہوا کہ شیخ برہان الدین محمود اپنے دور کے اکابر علماء میں ممتاز اور جامع شریعت و طریقت ہوئے اور سلطان غیاث الدین بلبن آپ کا معتقد اور آپ کی مجلس کا حاضر باش ہوا اور آپ اس قدر صاحب کرامت ہوئے اور قبول خلائق کی ایسی بلند ترین منزل پر پہنچے کہ آپ کی قبر شریف جو حوض شمسی دہلی کے مشرقی جانب میں ہے۔ لوگ بکثرت اس کی زیارت کرتے اور برکت حاصل کرتے ہیں اور فرط عقیدت سے لوگ آپ کی قبر انور کو "تختہ نور" کہتے ہیں اور آپ کی قبر کی مٹی لوگ اپنے بچوں کو اس لئے کھلاتے ہیں کہ ان پر علم کے دروازے کھل جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی قبر پاؤں کی جانب سے کئی بار شکستہ ہوتی اور از سر نو تعمیر ہوتی رہی (1)۔

تبصرہ:۔ مولانا برہان الدین صاحب ہدایہ مرغینانی کو کون نہیں جانتا۔ آپ کی کتاب "ہدایہ شریف" فقہ حنفی کی وہ مایہ ناز کتاب ہے کہ تمام دنیا میں اس کی مثال نہیں مل سکتی اور تمام دنیا کے مدارس میں یہ کتاب داخل درس ہے۔ اس حکایت سے اندازہ لگائیے کہ صاحب ہدایہ کو علم شریعت کے کمال کے ساتھ ساتھ خداوند عالم نے کس قدر کشف و کرامات کی بلند منزل پر بھی فرمایا تھا کہ آپ نے ایک سات برس کے بچے کی صورت دیکھ کر اس کے شاندار مستقبل کو علی الاعلان بیان فرما دیا۔ جو سو فیصدی صحیح ثابت ہوا۔ اب کون بد نصیب ایسا ہے جو یہ کہہ سکتا ہے کہ طبقہ علماء میں کوئی شاہ ولایت اور صاحب کرامت ہوا ہی نہیں۔ صاحب ہدایہ عالم دین نہیں تھے تو کیا کسی تکیہ میں بھنگ گھوٹنے والے فقیر یا کسی قلندر کی گدی پر گانجہ پینے والا بابا تھے؟

1۔ اخبار الاخیار ص 53۔

برادرانِ ملت! حقیقت تو یہ ہے کہ ولایت قربِ خداوندی کی ایک خاص منزل کا نام ہے اور قربِ خداوندی کی سب سے زیادہ اہل وہی لوگ ہیں جن کے سینوں میں خدا کے محبوب ﷺ کے علم نبوت کا نور ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ اپنا قربِ خاص اپنے محبوب کے علم و عمل کے خادموں کو نہیں عطا فرمائے گا تو کیا ان جاہل گانجہ، بھنگ پینے والوں کی عطا فرمائے گا۔ جو محبوب خدا کے علم نبوت سے اتنے محروم اور کورے ہیں کہ انہیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ استنجاء کرنے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ حضرت حق جل مجدہٗ جس کو بھی ولایت کے شرف سے سرفراز فرماتا ہے علم نبوت کی روشنی سے بھی ضرور اس کے سینے کو منور فرمادیتا ہے۔ اگر وہ کسی مدرسہ میں لکھ پڑھ کر علم شریعت نہیں جانتا تو مولیٰ تعالیٰ علم لدنی کے طور پر اس کو علم شریعت سکھادیتا ہے۔

چنانچہ تاریخی تجربہ شاہد ہے کہ بہت سے ایسے خاصان خدا جو ولایت سے قبل علم دین سے بالکل ہی کورے تھے۔ منصب ولایت پر سرفراز ہونے کے بعد خداوند قدوس نے ان کو علم دین کی اتنی عظیم اور کثیر دولتوں سے مالا مال فرمادیا کہ بڑے بڑے علماء جب مشکل سے مشکل ترین مسائل لے کر ان کی خدمتوں میں حاضر ہوئے تو ان بزرگوں نے چند اشاروں میں ان مسائل کو اس طرح حل کر دیا کہ علماء ان کے علوم کی گہرائیوں کو دیکھ کر حیرت و استعجاب کے دربار میں غرق ہو گئے اور اس کے سوا کچھ بھی نہ کہہ سکے کہ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ یعنی یہ خدا کا فضل ہے اور خدا جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نواز دیتا ہے اور اللہ کا فضل بہت ہی بڑا ہے۔

چنانچہ حضرت شیبان راعی جو ایک امی ولی تھے ان کی خدمت میں حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ حاضر ہو کر اس طرح باادب بیٹھا کرتے تھے۔ جس طرح مکتب میں ایک بچہ اپنے استاد کے سامنے بیٹھا کرتا ہے اور "شیبان راعی" سے وہ ان مشکل مسائل کو حل کراتے تھے جو ان کی مجتہدانہ نگاہوں سے بھی اوجھل رہا کرتے تھے۔ اسی طرح مشہور ہے کہ شاہ عبدالرزاق بانسوی رحمتہ اللہ علیہ جو کسی مدرسہ میں پڑھے ہوئے نہیں تھے مگر علماء فرنگی محل لکھنؤ جب ان سے مشکل مسائل دریافت کرتے تھے تو ان کا جواب سن کر حیران رہ جاتے تھے اور یہ کہہ کر واپس ہوا کرتے تھے کہ بلاشبہ اس کو "علم لدنی" کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ سچ ہے کہ جن برگزیدہ

ہستیوں کو عشق الٰہی کا جذبہ حاصل ہو گیا۔ تمام علوم و معارف خود بخود کشاں کشاں ان کے دامنوں میں پناہ لیتے ہیں بلکہ ان کے قدموں پر نثار ہوتے رہتے ہیں کیا خوب کہا شاعر مشرق نے کہ ؎

عشق سراپا یقیں، اور یقیں فتح یاب　　علم ہے "ابن الکتاب" عشق ہے "ام الکتاب"

مشکل کشا کا روضہ

شیخ محمد ترک نارنولی علیہ الرحمہ کا اصلی وطن ترکستان ہے۔ آپ ہندوستان تشریف لائے اور نارنول میں قیام فرمالیا۔ مشہور ہے کہ آپ خواجہ عثمان ہارونی کے مرید ہیں۔ قصبہ نارنول کے عوام آپ کو "پیر ترک" یا "ترک سلطان" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ آپ نے کفار کے ہاتھوں سے جام شہادت نوش فرمایا اور آپ کا مزار شریف زیارت گاہ خلائق ہے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کو بادشاہ نے زبردستی دہلی سے نکلوادیا اور ٹھٹھہ کی جانب نکل جانے کا حکم دے دیا۔ آپ نارنول کے راستہ سے ٹھٹھہ جارہے تھے۔ جب نارنول قریب آگیا تو آپ سواری سے اتر پڑے اور شیخ محمد ترک کے مقبرہ کی طرف متوجہ ہوئے اور مراقبہ میں چلے گئے۔ جب مراقبے سے سر اٹھایا تو ارشاد فرمایا "کہ جس شخص کو کوئی مشکل درپیش ہو اور وہ اس روضہ کی طرف متوجہ ہو تو امید ہے کہ اس کی مشکل آسان ہو جائے گی۔" یہ سن کر ایک بے باک نے کہا کہ حضرت! آپ تو خود اس وقت ایک بہت بڑی مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں۔ اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ اس مزار کی برکت سے میری مشکل آسان فرمادے گا۔ چنانچہ آپ نارنول سے دو تین منزل آگے نہ گئے ہوں گے کہ بادشاہ کی موت کی اطلاع ملی اور آپ واپس دہلی چلے گئے (1)۔

تبصرہ:۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کتنے بلند پایہ عالم دین اور زہد و تقویٰ کے امام تھے۔ اس کو کون نہیں جانتا؟ آپ شیخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے خلیفہ اور جانشین تھے اور آپ کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ بادشاہ دہلی محمد تغلق جب آپ کا دشمن ہو گیا تو طرح طرح کی ایذائیں پہنچانے لگا۔ ایک مرتبہ محمد تغلق بادشاہ نے آپ کے یہاں چاندی سونے کے برتنوں میں اس نیت سے کھانا بھیجا کہ اگر آپ اس سلطانی دعوت کے کھانے سے انکار کریں گے تو آپ کو سزا دینے کا ایک بہانہ

1۔ اخبار الاخیار ص 54۔

مل جائے گااور اگر آپ نے ان سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھالیا تو وہ ایک فعل حرام کے مرتکب ہو جائیں گے۔ پھر دوسروں کو حرام کاموں سے روکنے اور منع کرنے کے قابل نہ رہیں گے۔ حضرت نے دستر خوان پر سے ایک پیالہ اٹھالیا اور یخنی اس میں سے نکال کر اپنے ہاتھ پر رکھ کر کھایا اس طرح بادشاہ محمد تغلق کا سارا منصوبہ ہی درہم برہم ہو گیا اور وہ خائب و خاسر رہ گیا۔ محمد تغلق بڑا ہی ظالم اور علماء حق کا انتہائی دشمن تھا اور اسی ظالم نے آپ کو دہلی سے شہر بدر بھی کرایا تھا۔

بہر کیف یہ عرض کرنا ہے کہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی نے اپنے علم و عمل اور زہد و تقویٰ کے کمال کے باوجود یہ فرمایا کہ جو شخص کسی مشکل کے وقت شیخ محمد ترک کے روضہ کی طرف متوجہ ہو گا امید ہے اس کی مشکل حل ہو جائے گی۔ اس طرح آپ نے ایک بزرگ کو "مشکل کشا" کہا اور یہ عقیدہ رکھا کہ ان صاحب مزار کی برکت سے میری مشکل بھی حل ہو جائے گی۔ چنانچہ حل ہو گئی کہ جلد ہی ظالم بادشاہ ہلاک ہو گیا اور آپ ترک وطن اور جلا وطنی کی مصیبتوں سے نجات پا گئے۔ بحمدہ تعالیٰ اہل سنت و جماعت کا بھی یہی عقیدہ و عمل ہے کہ بزرگان دین کے مزارات طیبہ کی برکتوں سے خداوند کریم مشکلات حل فرمادیتا ہے اور بلائیں ٹال دیتا ہے۔ دیوبندی مکتبہ خیال کے لوگ جو ہم سنیوں کو قبر پرست، بدعتی اور مشرک کہا کرتے ہیں انہیں غور کرنا چاہئے کہ ان کے تیروں سے کون کون سے بزرگوں کے تقویٰ و تقدس مجروح ہو رہے ہیں اور ان کے اندھا دھند فتووں کی تیر اندازی سے کیسے کیسے بزرگان زخمی اور مقتول ہو رہے ہیں؟ ہم ان اناڑیوں سے اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ کہ

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشق دل گیر کو   کیسے تیر انداز ہو؟ سیدھا تو پھینکو تیر کو

باطنی نظر

حضرت خواجہ حسن افغان علیہ الرحمہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص تھے اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ حسن صاحب ولایت اور بہت بڑے بزرگ تھے۔ یہی خواجہ حسن افغان ایک دفعہ کسی گلی سے گزرتے ہوئے ایک مسجد میں پہنچے۔ مؤذن نے تکبیر کہی اور جماعت ہونے لگی۔ آپ بھی جماعت میں شریک ہو گئے۔ جب نماز پوری ہو گئی اور سب مسجد سے چلے گئے تو آپ نے امام صاحب سے فرمایا کہ اے خواجہ! تم نے

نماز شروع کی اور میں تمہارے ساتھ نماز میں شامل ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ تم یہاں سے دہلی پہنچے وہاں سے غلام خرید کر واپس آئے پھر ان غلاموں کو خراسان لے گئے اور وہاں سے چل کر ملتان آئے اور میں تمہارے پیچھے سرگرداں و پریشان پھرتا رہا۔ آخر یہ کیسی نماز ہے؟

تبصرہ:۔ حضور اقدس ﷺ کا یہ بھی ایک معجزہ تھا کہ حالت نماز میں آپ تمام مقتدیوں کی حرکتوں اور ان کے خضوع و خشوع کی حالتوں کو دیکھا کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ پچھلی صفوں میں کسی نمازی سے کوئی نامناسب حرکت سرزد ہو گئی تو نماز سے فارغ ہو کر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اَمَا وَاللّٰهِ لَا يُخْفىٰ عَلَىَّ رُكُوْعُكُمْ وَلَا سُجُوْدُكُمْ یعنی خبردار! خدا کی قسم تم لوگوں کا رکوع و سجود میری نگاہ سے پوشیدہ نہیں رہتا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ لَا يَخْفىٰ عَلَىَّ رُكُوْعُكُمْ وَلَا خُشُوْعُكُمْ یعنی تمہارا رکوع و سجود ہی نہیں بلکہ تمہارے دلوں کے اندر چھپا ہوا تمہارا خضوع و خشوع بھی میری نظروں سے چھپا ہوا نہیں رہتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان امتیوں کو جو حضور ﷺ کی اتباع میں فنا فی الرسول کا درجہ رکھتے ہیں۔ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میں کبھی کبھی اس کرامت سے سرفراز فرماتا ہے کہ ان پر بھی حالت نماز میں ایسی تجلی ربانی ہوتی ہے کہ وہ سراپا نور بن جاتے ہیں اور تمام حجابات ان سے اس طرح اٹھ جاتے ہیں کہ وہ حالت نماز میں امام اور مقتدیوں کے قلبی خطرات اور دلی خیالات کو اپنی نگاہ بصیرت سے دیکھ لیتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ حسن افغان علیہ الرحمتہ بھی ان ہی بزرگوں میں سے تھے جو فنا فی الرسول ہو کر اس کرامت کی بلند منزل پر فائز ہوئے تھے۔ اگلے زمانے میں ایسے بزرگان دین گزرے ہیں جن سے ایسی کرامتوں کا صدور ہوا۔ اس دور کا مسلمان تو اتباع سنت و پیروی شریعت ہی سے منحرف و برگشتہ ہو چکا ہے۔ پھر بھلا ان کو باطنی نظر، روحانی طاقت، روحانی بصیرت اور روشن ضمیری کی کرامت کہاں سے نصیب ہو سکتی ہے؟ اس دور کے مسلمانوں کو تو دیکھ کر بے اختیار زبان پر یہ شعر آ جاتا ہے کہ ؎

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتہ سلطانی و ملائی و پیری

نجیب الدین متوکل

شیخ نجیب الدین متوکل حضرت بابا شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ کے بھائی اور خلیفہ ہیں ان کا لقب متوکل ہے۔ یہ ستر برس شہر میں رہے مگر کوئی ظاہری ذریعہ معاش نہ ہونے کے باوجود ان کے عیال واطفال نہایت عیش و خوشی کی زندگی بسر کرتے رہے اور یہ اپنے مولیٰ کی یاد میں اس قدر مستغرق رہتے تھے کہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ آج کون سا دن ہے؟ اور یہ کون سا مہینہ ہے؟ اور یہ درہم کتنے کا ہے؟ ایک دفعہ عید کے دن آپ کے گھر میں بہت سے درویش جمع ہو گئے۔ اتفاق سے اس روز آپ کے گھر میں خورد و نوش کا کوئی سامان نہیں تھا۔ آپ بالاخانے پر جا کر یاد مولیٰ میں مشغول ہو گئے اور اپنے دل میں یہ کہتے تھے کہ خداوند! آج عید کا دن ہے اور میرے بچے اور مہمان بھوکے ہیں آپ اسی خیال میں تھے کہ اچانک ایک مرد چھت پر چلا آ رہا ہے۔ اس نے کھانوں سے بھرا ہوا ایک خوان پیش کیا اور کہا کہ اے نجیب الدین! تمہارے توکل کی دھوم ملاء اعلیٰ میں مچی ہوئی ہے اور تمہارا یہ حال ہے کہ تم ایسے خیال میں مشغول ہو؟ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں نے اپنی ذات کے لئے یہ خیال نہیں کیا بلکہ اپنے یاروں کے لئے اس خیال کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ غالباً یہ مرد بزرگ حضرت خضر علیہ الرحمہ تھے۔

حضرت نجیب متوکل باوجود اپنی اس کرامت و بزرگی کے انتہائی منکسر مزاج و متواضع تھے۔ آپ کے تواضع اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ ایک روز ایک فقیر بہت دور سے آپ کی ملاقات کے لئے آیا اور آپ سے پوچھا کہ کیا نجیب الدین متوکل (توکل کرنے والا) آپ ہی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ جی ہاں۔ میں ہی ہوں نجیب الدین "متاء کل" (یعنی بہت زیادہ کھانے والا) (1)۔

تبصرہ:۔ وقت ضرورت بالکل اچانک کھانا پانی وغیرہ ضروریات زندگی کا حاضر ہو جانا یہ بہت سے بزرگوں سے کرامت کے طور پر وقوع میں آیا ہے۔ چنانچہ شرح عقائد نسفیہ میں جہاں کرامت کی چند مثالوں کا بیان ہے وہاں یہ بھی مذکور ہے کہ بوقت ضرورت کھانے پانی کا حاضر ہو جانا یہ بھی کرامت ہی کا ایک شعبہ ہے۔ بزرگان دین کے خداداد تصرفات و کرامات کا کیا کہنا؟ یہ ایسے مقبولان بارگاہ خداوندی ہوتے ہیں کہ ان کی زبان سے نکلی ہوئی بات اور دل میں سوچا ہوا خیال پورا ہو کر رہتا ہے اور یہ ایک اتنی سچی حقیقت ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ

1۔ اخبار الاخیار ص 66۔

جو جذب کے عالم میں نکلے لب مومن سے وہ بات حقیقت میں تقدیر الٰہی ہے

ہر جمعرات کو زیارت رسول

حضرت علامہ سید یوسف بن سید جمال الحسینی بہت ہی جلیل القدر عالم تھے۔ آپ نے قاضی نصیر الدین بیضاوی کی کتاب "لب الالباب" کی ایک بہت ہی طویل و بسیط شرح لکھی جو "یوسفی" کے نام سے مشہور ہے۔ اسی طرح آپ نے "منار" کی بھی شرح فرمائی ہے جس کا نام "توجیہ الافکار" ہے آپ منطق و فلسفہ میں مولانا جلال الدین رومی کے شاگرد ہیں جو "شمسیہ" اور "مطالع" کے شارح مولانا قطب الدین رازی کے تلامذہ میں سے ہیں۔

آپ کے بزرگ مشہد سے آکر ملتان میں متوطن ہو گئے تھے اور آپ سلطان فیروز شاہ کے زمانے میں ملتان سے دہلی آئے اور سلطان موصوف نے آپ کی علمی قابلیت سے متاثر ہو کر اپنے شاہی مدرسہ میں آپ کو مدرس مقرر کر دیا اور آپ برسوں مسند تدریس و افادہ پر رونق افروز رہے۔ آپ کی ایک بڑی خاص کرامت یہ ہے کہ آپ ہر جمعرات کو خواب میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا کرتے تھے(1)۔

تبصرہ:۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے کسی امتی پر اتنا بڑا اکرم فرمانا کہ آٹھویں دن اپنی زیارت سے مشرف فرما دینا یہ ایک امتی کی اتنی بڑی سعادت عظمیٰ ہے کہ کروڑوں نعمتیں اس پر قربان ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ علماء حق پر حضور اکرم ﷺ کا کتنا پیار ہے؟

برادران ملت! اس سلسلہ میں کہ علماء حق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیارے ہوتے ہیں۔ میں زندگی بھر ایک مجذوب کی بات کو فراموش نہیں کر سکتا جس کو سن کر میرے بدن پر ایک ایسی جھر جھری پیدا ہو گئی کہ میرے بدن کا رونگٹا کھڑا ہو گیا تھا۔ 1372ھ کا واقعہ ہے جب کہ میں دار العلوم شاہ عالم احمد آباد کی ملازمت کے دوران مدرسہ کی کوئی عمارت نہ ہونے کے باعث محلہ چھیپاواڑہ کی مدرسہ والی مسجد کے اندرونی حصہ میں شمالی دیوار پر ٹیک لگا کر بخاری شریف کا درس دے رہا تھا۔ عین درس کے وقت میں حضرت شاہ عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں چکر لگانے والا ایک فرسودہ حال فقیر میلے کچیلے لباس میں اچانک میری درس گاہ میں آ گیا اور میرے

1۔اخبار الاخیار ص 156۔

سامنے بیٹھ کر مجھے بڑے غور سے اور بڑی تیز نگاہوں سے گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی تھی اور بہت ہی بھدے طریقے سے آنکھوں میں کاجل لگائے ہوتے تھا۔ مجھے اس کی اس ہیئت پر بڑا تعجب ہوا اور ہنسی بھی آگئی۔ چنانچہ ہنستے ہوئے میں نے دریافت کیا کہ شاہ صاحب! کیا دیکھ رہے ہو؟ خیریت تو ہے؟ یہاں آپ کیسے تشریف لائے؟ اس نے جواب دیا کہ "تم حسینوں کے دیدار کے لئے آگیا ہوں۔" میں نے ہنس کر کہا کہ شاہ صاحب! میں تو کوئی حسین نہیں ہوں، ایک کالا کلوٹا آدمی ہوں۔ یہ سن کر وہ فقیر بڑے جوش میں تڑپ کر بولا کہ میری نظروں سے پوچھو کہ تم کتنے حسین اور پیارے ہو؟ تم تو رسول اللہ کے پیارے ہو۔ اسی لئے تو میں تمہارے دیدار کے لئے آیا ہوں۔ مجذوب فقیر کے ان کلمات کو سن کر میری ہنسی ایک دم غائب ہو گئی اور ان کلمات کا میرے قلب پر اتنا اثر ہوا کہ میرا بدن کانپ اٹھا اور رونگٹے کھڑے ہو گئے اور مجھ پر ایسی رقت طاری ہو گئی کہ میری آنکھوں سے آنسو چھلک گئے۔ پھر میں نے اس شخص سے خوف کھاتے ہوئے یہ دریافت کیا کہ آپ کے لئے چائے منگالوں؟ تو اس نے کہا کہ نہیں۔ میں صرف تمہارے ہاتھ سے پانی پینا چاہتا ہوں۔ میں نے مسجد کے مٹکے سے ایک چمچو پانی منگا کر پیش کر دیا اور وہ پانی پی کر اٹھ کھڑے ہوئے اور چل دیئے مگر مجھ پر گھنٹوں ایک ایسی کیفیت طاری رہی کہ میں اس کی تعبیر کے لئے کوئی لفظ نہیں پاتا ہوں۔ مجھے یقین ہو گیا کہ ضرور یہ کوئی مجذوب ہے جس کے کلام میں اس بلا کی تاثیر ہے کہ اس کے ایک جملے سے میرا بدن لرز اٹھا اور میں نے عزم کر لیا کہ حضرت شاہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ میں اطمینان کے ساتھ اس شخص سے ملاقات کروں گا لیکن اس واقعہ کے بعد پچاسوں مرتبہ میں نے درگاہ شریف میں اس شخص کو تلاش کیا مگر وہ نظر نہیں آیا اور آج تک نہیں ملا۔ میں نے اپنے ذہن میں یہ تصور قائم کر لیا کہ شاید میرے درس حدیث سے حضور اکرم ﷺ کو کچھ خوشی ہوئی ہو گی اور اس مجذوب پر اس کا انکشاف ہوا ہو گا۔ اس لئے وہ مجھے یہ سنانے کے لئے تشریف لائے تھے۔ چنانچہ اس کے بعد سے ہمیشہ میری یہ تمنا رہی کہ مولیٰ عزوجل تمام عمر مجھے درس حدیث کی خدمت کا شرف عطا فرماتا رہے اور کاش میرے آقا حضور اکرم ﷺ مجھ سے خوش ہو جائیں تو پھر میں یقیناً کونین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو کر مقبول بارگاہ الٰہی ہو جاؤں اور اگر وہ ایک بار مجھے اپنے دیدار پُر انوار کی نعمت بے بہا سے نوازیں تو واللہ میری خوش نصیبی کی معراج ہو جائے اور اگر یہ کہتے ہوئے کہ

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

میں ان پر نثار ہو جاؤں تو پھر میرے ملک سعادت کا بادشاہ بلکہ شہنشاہ ہو جانے میں کون شک کر سکتا ہے؟ کیا خوب فرمایا مولانا حسن بریلوی علیہ الرحمتہ نے کہ ۔

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعل پاک حضور　　تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْل.

ایک کراماتی تسبیح

شاہ احمد شر عی بڑے ہی متبحر عالم اور تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع تھے۔ صاحب کشاف نے اہل سنت وجماعت پر طعن کرتے ہوئے کہے تھے آپ نے ان کا جواب لکھا ہے۔ بہت ہی صاحب کمالات تھے۔ ان کے شاگرد رشید عبدالغنی سیٹھی کا بیان ہے کہ جب میں ان کی خدمت میں پڑھتا تھا اس وقت ان کی عمر چھیانوے سال تھی مگر وہ تیر اندازی میں ایسے نشانہ باز تھے کہ ایک دن تیر اندازی کر رہے تھے۔ ایک تیر نشانہ پر لگا کہنے لگے اگر تم لوگ کہو تو جس تیر کو چھوڑ دں اس کو پہلے تیر کے منہ میں بند کر دوں۔ چنانچہ دو تین تیروں کو اس طرح چھوڑ کر دکھایا۔ پھر کہنے لگے کہ تیر ضائع ہوتے ہیں اور اسراف ہوتا ہے ورنہ میں سارے تیروں کو ایک دوسرے میں پیوست کر دیتا۔

آپ علم دعوت میں بھی یکتائے دھر تھے۔ ہر جمعہ کو اس علم کی قوت تصرف سے بادشاہ کو اپنے پاس بلا لیتے تھے اور مسلمانوں کی حاجت روائی کراتے تھے۔ آپ کے پاس ایک تسبیح تھی جس کے پہلے دانہ کو حرکت دینے سے بادشاہ کو آپ کی ملاقات کا جذبہ پیدا ہوتا تھا اور دوسرے دانہ کے ہلانے سے بادشاہ روانگی کا عزم کر لیتا تھا پھر سوار ہو جاتا تھا یہاں تک کہ عدد معین کے پورا ہونے پر بادشاہ آپ کی خدمت میں آموجود ہوتا تھا۔ ایک دن آپ وضو کے لئے گئے کہ آپ کے غلام نے اس تسبیح کے دانوں کو پھرانا شروع کر دیا۔ چنانچہ دانوں کی معین تعداد پوری ہوتے ہی بادشاہ ناگاہ آپ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ آپ اس وقت طہارت خانے میں تھے۔ حیران ہو گئے کہ کیا سبب ہے کہ آج بادشاہ خلاف معمول کیوں چلا آیا؟ پھر معلوم ہوا کہ غلام نے تسبیح کے

دانوں کو اتفاقی طور پر پھرادیا تھااور بادشاہ کے آنے کا یہی سبب ہوا۔ چندیری آپ کا وطن تھااور 928ھ میں آپ کا وصال ہوا(1)۔

تبصرہ:۔ دور ماضی کے علماء سلف کا یہ ذوق تھا کہ وہ مختلف علوم میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی فن میں بھی کمال حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ بہت سے اکابر علماء کی سوانح حیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی شہسواری میں یکتائے زمانہ تھا تو کوئی تیر اندازی و نشانہ بازی میں فرید دھر تھا بعض شمشیر زنی اور بنوٹ کے فن میں درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے تو کچھ لوگ اعلیٰ درجے کے تیراک تھے۔ اسی طرح بعض علماء خطاطی و خوشنویسی کے ماہر ہوئے اور بعض نے بخاری اور لوہاری کے فن میں کمال کیا۔ الغرض دور سابق کے علماء ریاضت اور فن سپہ گری اور مختلف صنعتوں میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ اسی لئے ان بزرگوں کی تندرستی و صحت اور جسمانی طاقت قابل رشک ہوا کرتی تھی اور کسی نہ کسی صنعت میں کمال ہونے کی وجہ سے ہنر مند ہوا کرتے تھے۔ نہ کسی امیر و مالدار کے دست نگر ہوا کرتے تھے مگر آج کل تو علماء اور عوام دونوں کا ذوق اس قدر بدل گیا بلکہ بگڑ گیا کہ فن سپہ گری، بنوٹ وغیرہ اور صنعت و حرفت کو علماء کرام کے لئے ایک بہت بڑا عیب شمار کیا جانے لگا۔ چنانچہ اس زمانے میں وہی مولوی بڑا محترم سمجھا جاتا ہے جو کبھی ایک قدم بھی پیدل نہ چلے اور دن رات مسند پر سر جھکائے اور نگاہیں نیچی کئے ہوئے بیٹھا رہے اور چند کتابیں پڑھ لینے کے بعد کسی مسجد یا مدرسہ کی نوکری، یا وعظ گوئی یا پیری مریدی کے سوا اور کسی کام کا نہ رہے۔

مگر میں ہمیشہ اس بدذوقی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا رہا اور جب تک دم میں دم ہے اور ہاتھ میں قلم ہے اس کے خلاف بولتا اور لکھتا رہوں گا کہ فن سپہ گری، شمشیر بازی، بندوق چلانا، ورزش کرنا، لاٹھی پھرانا اور بنوٹ کی مشق کرنا ہرگز ہرگز طبقہ علماء کی شان کے خلاف نہیں ہے۔ نہ عقلاً و شرعاً و اخلاقاً علماء کے لئے یہ کوئی معیوب بات ہے۔ اسی طرح کوئی صنعت و حرفت سیکھ کر رزق حلال حاصل کرنے کے لئے کسی کاریگری کو اپنا پیشہ بنالینا ہرگز ہرگز اہل علم کے لئے عار یا عیب کی چیز نہیں۔ لہٰذا نوجوان علماء کو میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ ورزش اور فن سپہ گری ضرور سیکھیں اور محنت و مشقت کے عادی بن کر سپاہیانہ زندگی بسر کریں اور علم دین کے ساتھ

1۔ اخبار الاخیار ص 226۔

ساتھ کوئی نہ کوئی صنعت و حرفت بھی ضرور سیکھ لیں تاکہ صحت و تندرستی بھی قائم رہے اور کسب معاش میں کسی نوکری یا گداگری کے محتاج نہ رہیں اور اس معاملہ میں ہرگز ہرگز جاہلوں کے طعن و تشنیع کی پروا نہ کریں بلکہ اپنی محنت و گرم رفتاری اور اپنی خود اعتمادی و خودداری کا ایسا جوہر دکھائیں کہ جہال کی نظروں میں علماء کا وقار و اقتدار انتہائی بلند سے بلند تر ہو جائے اور علماء کا عمل و کردار قابل تقلید و لائق اعتبار کارنامہ شمار کیا جانے لگا۔ شاعر مشرق نے جوانوں کو جھنجھوڑتے ہوئے کیا خوب پیغام عمل دیا ہے کہ ؂

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد
ناچیز جہان مہ و پرویں ترے آگے وہ مجبور ہے، تو عالم آزاد
شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا پُردم ہے اگر تو، تو نہیں خطرۂ اُفتاد

کپڑا خود بخود بنتا رہا

شیخ احمد نہروانی علیہ الرحمہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ بہت ہی باکمال اور صاحب حال بزرگ تھے۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ بہت کم کسی کو پسند فرماتے تھے لیکن شیخ احمد نہروانی کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر شیخ احمد کی اپنے رب کے ساتھ مشغولیت کو وزن کیا جائے تو دس صوفیوں کی مشغولی کے برابر ہو گی۔ آپ کا پیشہ کپڑے کی بنائی تھی۔ شیخ نصیر الدین محمود فرماتے ہیں کہ شیخ احمد نروانی جب کرگھلہ پر کپڑے کی بنائی کرتے تھے تو کبھی کبھی ان پر ایسا حال طاری ہو جاتا تھا کہ وہ اپنے آپ سے غائب ہو جایا کرتے تھے اور کام کرنا بند کر دیتے تھے مگر کپڑا خود بخود بنتا جاتا تھا۔ ایک دن آپ کے پیر قاضی حمید الدین ناگوری آپ کی ملاقات کے لئے آئے۔ بوقت رخصت فرمانے لگے کہ اے شیخ! یہ کام کب تک کرتے رہو گے؟ یہ کہہ کر وہ تو چلے گئے مگر شیخ احمد اسی وقت میخ کسنے کے لئے اٹھے۔ آپ کا ہاتھ میخ پر لگا اور ٹوٹ گیا۔ شیخ احمد فوراً یہ بول اٹھے کہ اس بوڑھے یعنی قاصد حمید الدین نے میرا ہاتھ توڑ ڈالا۔ اس واقعہ کے بعد شیخ احمد نے بافندگی کا پیشہ بالکل ترک کر دیا اور ہمہ تن اللہ سے لو لگالی۔ آپ کی قبر شریف بدایوں میں ہے (1)۔

تبصرہ:۔ بافندگی یعنی کپڑے کی بنائی کرنے والے طبقے میں بڑے بڑے بلند پایہ علماء اور اکابر اولیاء

1۔ اخبار الاخیار ص 53۔

اللہ ہوئے ہیں۔ محدثین، صوفیاء، فقہاء وغیرہ باکمالوں کا کوئی طبقہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں کپڑا بننے والے نہیں رہے۔ کپڑا بننے والے کو عرب میں "نساج" کہتے ہیں۔ اکابر و اعلام امت کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ سینکڑوں اکابر ملت "نساجی" یعنی کپڑے کی بنائی کا پیشہ کرتے رہے طبقہ اولیاء میں مسلم الثبوت باکرامت بزرگ حضرت خواجہ عزیزان علی رامتینی قدس سرہ بھی نساج یعنی کپڑا بننے کا کام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا رومی نے آپ ہی کے بارے میں یہ شعر تحریر فرمایا ہے کہ ؎

گر نہ علم حال فوق قال بودے کے شدے بندہ اعیان بخارا "خواجہ نساج" را

یعنی اگر علم حال علم قال سے بڑھ کر نہ ہوتا تو بھلا بخارا کے بڑے بڑے شرفاء لوگ ایک کپڑا بننے والے خواجہ (عزیزان علی رامتینی) کے غلام بن سکتے تھے؟

الغرض علماء اور اولیاء ہر قوم اور ہر پیشہ کرنے والوں میں ہوتے رہے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ علم نبوت اور کرامت ولایت یہ خداوند کریم کا فضل عظیم ہے اور فضل خداوندی کسی خاص نسل یا قوم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اللہ عزوجل جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نواز دیتا ہے۔

ہندوستان میں مسلمان جہاں بہت سی ہندوانہ رسوم کے وبال میں گرفتار ہو گئے اور ہنود کی تہذیب و تمدن کے مشرکانہ رنگ میں رنگین ہو گئے۔ ان ہی ہندوانہ اور مشرکانہ رسوم بد میں سے یہ خیال بھی ہے کہ مسلمانوں میں "اونچ نیچ کے طبقات قائم کر کے مسلمانوں نے اسلامی مساوات کے خوبصورت محل کو ڈائنا میٹ سے اڑا دیا" اور بعض جائز پیشوں کو فرضی طور پر ذلیل پیشہ قرار دے کر اس پیشہ والوں کو ذلیل و حقیر سمجھنے لگے اور ہر موقع پر حقارت کے ساتھ ان کا تمسخر اور مذاق اڑانے لگے۔ مثلاً کپڑا بننے والوں کی پوری قوم کو عرفی شرفاء حقیر قرار دے کر ہمیشہ ان کا مذاق اڑاتے رہے اور ان کو حقیر و ذلیل سمجھتے رہے اور طرح طرح کے فرضی قصوں اور ذلت آمیز القاب گھڑ گھڑ کر اس قوم کے ساتھ تمسخر اور ٹھٹھا کرتے رہے۔ حالانکہ تاریخی شواہد اور احادیث و آیات قرآنیہ انہیں ہمیشہ جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر متنبہ کرتی رہیں کہ خبردار تم کسی قوم کا مذاق نہ اڑاؤ اور ان کو برے القاب سے نہ یاد کرو۔ قرآن مجید میں حق تعالیٰ کا فرمان کتنا واضح اور کس قدر عبرت خیز و نصیحت آمیز ہے کہ: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا

خیرًا منھم ولا نساء من نساء عسی ان یکن خیرًا منھن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولئک ھم الظالمون●

(1) ترجمہ:۔ اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کی ہنسی نہ اڑائے۔ عجب نہیں کہ وہ ان ہنسی اڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کی ہنسی اڑائیں کچھ بعید نہیں کہ وہ ان ہنسی اڑانے والیوں سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے پر طعنہ زنی نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کے برے نام رکھو۔ کیا ہی برا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا اور جو لوگ توبہ نہ کریں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

برادران ملت! ملاحظہ فرمایئے کہ ان آیات بینات میں حضرت حق جل مجدہ نے کسی قوم کی ہنسی اڑانے کو حرام فرمایا اور کسی قوم یا کسی شخص کے لئے برے برے القاب اور خراب خراب نام رکھنے اور طعنہ زنی کرنے کو ناجائز قرار دیا اور ایسا کرنے والوں کو فاسق کہا اور جو لوگ اپنے اس برے کرتوت سے توبہ نہ کریں ان کو ظالم فرما کر ان کی مذمت فرمائی۔ لہٰذا دور حاضر کے علماء کرام کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے ان ہندوانہ خیالات کا شدید رد کر کے مسلمانوں کی اصلاح کریں کہ وہ ہرگز ہرگز کسی مسلمان کی قومی حیثیت سے ہرگز ہرگز نہ ہنسی اڑائیں نہ انہیں ذلیل و حقیر سمجھیں ورنہ بلاشبہ وہ فاسق و ظالم ٹھہریں گے بلکہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ کو ہر وقت اپنے پیش نظر رکھ کر اسلامی مساوات اور ایمانی اخوت کے پرچم حقانیت کو سربلند کرتے رہیں اور ہر مومن کا اکرام و احترام کر کے ساری دنیا کو اس نورانی تصور سے آشنا کریں کہ اسلام میں عزت و احترام اور بزرگی و اکرام کا دارومدار تقویٰ اور پرہیزگاری پر ہے اور ہرگز ہرگز اسلام میں بزرگی و احترام کسی خاص نسل یا قوم یا رنگ و وطن کے ساتھ مخصوص نہیں۔ پروردگار عالم کا ارشاد ہے کہ:

یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ط ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ان اللہ علیم خبیر●

ترجمہ:۔ اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت (آدم و حواء) سے پیدا کیا اور تمہاری چند شاخیں اور قبیلے بنا دیئے تاکہ تم آپس میں پہچان رکھو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہی ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً

اللہ بہت زیادہ جاننے والا خبر دار ہے۔ (سورہ الحجرات)

مسلمانو! دیکھ لو اس آیت نے سورج سے زیادہ اس حقیقت کو روشن کر دیا کہ مسلمانوں کی کوئی قوم قومی حیثیت سے نہ ذلیل ہے نہ کوئی قوم قومی حیثیت سے عزت دار ہے بلکہ اسلام میں عزت و احترام اور بزرگی و اکرام کا دارومدار تقویٰ اور پرہیزگاری پر ہے جو جس قدر زیادہ متقی و پرہیزگار ہو گا بلاشبہ وہ اسی قدر قابل احترام اور عزت دار ہو گا مگر افسوس کو جہلا تو جہلا بعض علماء اور صوفیہ بھی اس کالی بھنور اور خطرناک دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جن کو اکثر یہ کہتے ہوئے سنا جاتا ہے کہ فلاں شخص چونکہ فلاں ذات اور فلاں قوم سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا وہ کمین و ذلیل ہے اور فلاں شخص چونکہ فلاں ذات اور فلاں قوم سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا وہ شریف اور عزت دار ہے۔ اس طرح قوم مسلم کو شریف و رزیل دو طبقوں میں تقسیم کر کے ان لوگوں نے مساوات اسلام کے مضبوط و مستحکم قلعہ پر ایسی خوفناک بمباری کی ہے کہ اسلامی محل کی بنیادیں متزلزل اور اخوت ایمانی کی بنیان مرصوص اور دیوار محکم کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور ہندوؤں کی طرح مسلمانوں میں بھی نیچی اونچی ذاتیں پیدا کر کے ان لوگوں نے مسلمانوں میں افتراق و اختلاف اور انتشار و تکرار کا ایسا بیج بو دیا کہ قیامت تک کے لئے اس کے خاردار جنگلوں کا صفایا دشوار نظر آ رہا ہے اور اس جنگ و جدال کے خاتمہ کی صورت ہی پیدا ہو رہی ہے افسوس صد ہزار افسوس! سچ کہا ڈاکٹر اقبال نے کہ ؎

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک

حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی؟ ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں، اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

قلم محفوظ

شیخ محقق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرۃ العزیز کو ہندوستان میں اگر عمارت ملت کا ستون محکم اور محل سنیت کا رکن اعظم کہہ دیا جائے تو یہ ایک ایسی حقیقت کا اظہار ہو گا جو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور عالم آشکار ہے۔ آپ کے بزرگ جد اعلیٰ "محمد ترک بخاری" علیہ الرحمہ سلطان محمد علاء الدین خلجی کے زمانے میں بخارا دہلی تشریف لائے اور آپ کی

نسل میں بے حد برکت ہوئی۔ مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی 958ھ میں پیدا ہوئے۔ "شیخ اولیاء" 958ھ آپ کی تاریخ ولادت کا مادہ ہے۔ بیس برس کی عمر سے پہلے ہی آپ تمام علوم عقلیہ و نقلیہ میں ماہر علوم و فنون ہو گئے اور اس کے بعد قرآن مجید بھی حفظ کر لیا۔ پھر حرمین شریفین کی زیارت سے سرفراز ہوئے اور علماء حرمین شریفین کے علمی فیوض و برکات اور حضور سرور کائنات ﷺ کی بے شمار بشارات سے مشرف ہو کر ہندوستان تشریف لائے اور باون برس تک اپنے فرزندوں اور دوسرے طالبان علوم کی تعلیم و تربیت اور کتابوں کی تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ آپ کی چھوٹی بڑی تصنیفات کی تعداد ایک سو ہے۔ خاص کر فن حدیث میں مشکوٰۃ شریف کی دو شرحیں "لمعات" اور "اشعۃ اللمعات" اور سیرت میں آپ کی کتاب "مدارج النبوت" آپ کے ایسے انمول علمی شاہکار ہیں کہ تمام دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ فن شاعری میں بھی آپ کا بہت ہی بلند پایہ مقام ہے۔ ہزاروں اشعار آپ کے فکر سخن کا نتیجہ ہیں۔ قادری مشرب تھے اور حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کمال عقیدت رکھتے تھے۔ آپ کی تمام تصانیف سے حب رسول کا مقدس جذبہ اس طرح جلوہ ریز ہوتا ہے کہ آپ کی تصنیفات کے مطالعہ سے روح ایمان میں ایک پر کیف بالیدگی اور ایک خاص قسم کا ایمانی سرور پیدا ہوتا ہے جو علماء اہلسنت کی روحانی تسکین اور قلبی اطمینان کا بڑا ہی انمول سامان ہے۔ 1052ھ میں آپ کا وصال ہوا اور فخر العالم سے آپ کی تاریخ رحلت نکلتی ہے۔ مزار مبارک پرانی دہلی میں حوض شمسی سے ایک فرلانگ جانب مغرب ہے، شاندار گنبد بنا ہوا ہے۔

1948ء کے ہنگامہ میں پنجابی شرپسندوں نے آپ کے گنبد کا دروازہ توڑ ڈالا۔ فقیر راقم السطور کئی بار مزار مقدس کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہے اور ایک بار دوران مراقبہ میں ایک بشارت بھی قلب پر منکشف ہوئی تھی۔ جو بحمدہ تعالیٰ حرف بہ حرف پوری ہوئی۔

تبصرہ:۔ ایک مرتبہ دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں حضرت محدث اعظم مولانا سید محمد صاحب قبلہ کچھوچھوی رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کا تذکرہ شروع ہوا تو حضرت ممدوح نے آپ کے فضائل بیان فرماتے ہوئے آپ کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں صاحب قبلہ بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک قول نقل فرمایا۔ جس کی ایمان افروز کیفیت اور روحانی لذت کو میں تمام عمر فراموش نہیں کر سکتا۔

حضرت محدث اعظم نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ اعلیٰ حضرت قدس سرۃ العزیز کی مجلس میں مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کی باکرامت تصنیفات کا ذکر آ گیا تو اعلیٰ حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ محقق کی کرامتوں میں سے ایک بڑی نمایاں کرامت یہ ہے کہ مولیٰ تعالیٰ نے آپ کو "قلم محفوظ" عطا فرمایا تھا کہ آپ کی تصانیف میں عمر بھر آپ سے کبھی قلمی لغزش نہیں ہوئی اور آپ کی پوری تصنیفات میں کہیں آپ کو قلم سے کوئی ایسی خطا نہیں سرزد ہوئی جو قابل گرفت ہو۔ یہ مولیٰ تعالیٰ کا آپ پر بہت ہی بڑا فضل ہے!

سبحان اللہ! اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز جیسا علوم و فنون کا جبل راسخ اور مملکت نقد و تنقید کا سلطان اعظم جس کے محاسن تصانیف کا مداح اور اس کے قلم کی حفاظت کا شاہد عدل ہو۔ اس کے علم و فضل کی وسعت اور اس کے قلم محفوظ کی عظمت کا کیا کہنا؟ اللہ اکبر! کیا خوب کہا شاعر مشرق نے کہ ؎

جس بندۂ حق بیں کی خودی ہو گئی بیدار — شمشیر کے مانند ہے بُرندہ و براق
اس کی نگہ شوق پہ ہوتی ہے نمودار — ہر ذرہ میں پوشیدہ ہے جو قوت اشراق
اس مرد حق سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو — تو بندہ آفاق ہے وہ صاحب آفاق
تجھ میں ابھی پیدا نہیں ساحل کی طالب بھی — وہ پاکی فطرت سے محرم اعماق

قبر قبلہ حاجات

حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک سال بصرہ میں بالکل بارش نہیں ہوئی اور شدید قحط پڑ گیا۔ کئی بار لوگ نماز استسقاء بھی پڑھ چکے لیکن دعا کی مقبولیت کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا پھر میں اور عطاء سلمی اور ثابت بنانی اور یحییٰ بکاء اور محمد بن واسع، اور ابو محمد سختیانی وغیرہ بہت سے صالحین اور مکتبوں کے بچے نماز استسقاء اور دعا خوانی کے لئے عید گاہ میں نکلے مگر دوپہر تک کچھ بھی دعا کا اثر ظاہر نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ تمام لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ صرف میں اور ثابت بنانی عید گاہ میں رہ گئے اور رات کا اندھیرا ہو گیا۔ اتنے میں ایک غلام حبشی، اون کا جبہ پہنے ہوئے عید گاہ میں داخل ہوا اور دو رکعت نماز پڑھ کر اس نے اس طرح دعا مانگی کہ الٰہی! تو کب تک اپنے بندوں کو اپنے در سے نامراد واپس کرتا رہے گا؟ کیا تیرے خزانوں میں کچھ کمی آ گئی ہے؟ یا اللہ! میں تجھ کو اس محبت کی قسم دلاتا ہوں تو تجھ کو میری ذات سے ہے کہ تو ابھی ابھی فوراً بارش

بھیج دے۔ حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلتے ہی ایسی موسلادھار بارش شروع ہو گئی کہ گویا آسمان نے اپنی مشکوں کے منہ کھول دیئے۔ میں فوراً ہی اس غلام کے پاس پہنچا اور میں نے اس سے کہا کہ تجھے ان کلمات کے کہنے سے شرم نہیں آئی؟ تجھے کیا معلوم کہ خداوند تعالیٰ کو تیری ذات سے محبت ہے؟ اس غلام نے کہا کہ اجی تم میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ اگر اس کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو وہ مجھے پیدا کیوں فرماتا؟ بلاشبہ اس کو مجھ سے محبت ہے اور مجھ کو اس سے محبت ہے لیکن میری محبت ایسی ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کے کلمات و کرامات سے متاثر ہو کر اس کے مالک سے اس کو بیس درہم خرید لیا اور اپنے گھر لایا۔ جب میں نے اس کا نام دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میرا نام "میمون" ہے۔ پھر وہ غلام مجھ سے کہنے لگا کہ اے میرے مولیٰ آپ نے کس لئے مجھے خریدا ہے؟ میں تو کسی مخلوق کی خدمت کے لائق ہی نہیں ہوں۔ میں نے کہا کہ اے میرے آقا! میں نے آپ کو اس لئے نہیں خریدا ہے کہ آپ میری خدمت کریں بلکہ میں نے تو آپ کو اس لئے خریدا ہے کہ میں آپ کی خدمت کر سکوں۔ اس نے کہا کہ یہ کس لئے؟ میں نے کہا کہ کیا آپ سے کل میری عیدگاہ میں ملاقات نہیں ہوئی تھی؟ غلام نے چونک کر کہا کہ کیا آپ نے مجھے نماز پڑھتے اور دعا مانگتے ہوئے دیکھ لیا تھا؟ میں نے کہا کہ جی ہاں! میں نے ہی آپ سے کچھ سوال و جواب بھی کیا تھا۔ یہ سن کر وہ غلام ایک دم مسجد کی جانب چل پڑا اور دو رکعت نماز پڑھ کر اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور یہ کہنے لگا کہ الٰہی! میرے اور تیرے درمیان ایک راز تھا جس کو تو نے غیر پر ظاہر فرما دیا تو میں تجھ کو قسم دلاتا ہوں کہ اب زندگی میں میرے لئے کوئی لطف اور مزہ نہیں ہے لہٰذا تو ابھی ابھی فوراً ہی مجھے وفات دے دے یہ کہہ کر وہ سجدے میں گر گیا اور پھر سر نہیں اٹھایا۔ جب میں نے اس کے بدن کو حرکت دینا چاہا تو وہ مردہ ہو کر بالکل ہی ٹھنڈا ہو چکا تھا اور اس کا سیاہ چہرہ اتنا روشن اور منور ہو گیا تھا کہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ پھر اچانک ایک جوان دروازے میں کفن لے کر آیا۔ سلام کیا اور تعزیت کے کلمات کہہ کر کفن پیش کیا۔ پھر ہم لوگوں نے اس غلام کو غسل دے کر اسی کفن میں لپیٹ کر دفن کر دیا۔ زندگی بھر میں کبھی میں نے اتنا اچھا کفن نہیں دیکھا تھا۔ مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فَبِقَبْرِہٖ نَسْتَسْقِی الْاٰنَ وَنَطْلُبُ الْحَوَائِجَ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی یعنی آج تک ہم لوگ اس کی قبر مبارک کو وسیلہ بنا کر خداوند تعالیٰ سے

بارش کی دعا مانگتے اور اپنی حاجتیں طلب کرتے رہتے ہیں(1)۔

تبصرہ:۔ حکایت مذکورہ بالا سے صاف صاف ظاہر ہے کہ حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ جیسے علم و عمل کے آفتاب عالم تاب کا یہی عقیدہ تھا کہ اہل اللہ کی قبریں مقبولیت دعا کے لئے بڑا ہی خاص مقام ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ اس اللہ والے حبشی غلام کی قبر کے پاس خداوند تعالیٰ سے بارش اور دوسری حاجتوں کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ اس خصوص میں ہم نے جلد اول میں بھی چند حکایات تحریر کی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ والے اس قدر خدا کے پیارے ہوتے ہیں کہ ان کی ہر ہر چیز اللہ کو پیاری ہوتی ہے اور ان کی ہر ادا پر رحمت خداوندی کو پیار آ جاتا ہے۔ جو ان کے منہ سے نکل جاتا ہے خداوند تعالیٰ ان کی ہر بات پوری فرما دیتا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ یعنی بہت سے ایسے بندگان خدا ہیں جن کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہیں اور لوگ انہیں حقیر سمجھ کر اپنے دروازوں سے دھکا دے کر نکال دیتے ہیں لیکن بارگاہ خداوندی میں ان کی محبوبیت و مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اگر وہ کسی بات کی قسم کھا جائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور ضرور ان کی قسموں کو پوری فرما دیتا ہے۔ چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت "میمون" نے خدا کو اس کی محبت کی قسم دلا کر بارش کی دعا مانگی تو فوراً ہی خداوند عالم نے بارش بھیج دی اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ منجانب اللہ ایسے سیف زبان ہوتے ہیں کہ اگر یہ لوگ مٹی کو سونا کہہ دیں تو منٹوں بلکہ سیکنڈوں میں مٹی سونا بن جاتی ہے اور اگر یہ لوگ آگ کو پانی اور پانی کو آگ کہہ دیں تو دم زدن میں آگ پانی اور پانی آگ ہو جائے۔ اللہ والوں کی خداداد روحانی طاقت کا کیا کہنا؟ سبحان اللہ ۔

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی   الٰہی! کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں؟

خداوند تعالیٰ کے نام خط

حذیفہ مرعشی رحمتہ اللہ علیہ ایک مدت تک حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہ چکے تھے ایک مرتبہ لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ حضرت ابراہیم خواص کی خدمت میں سب سے زیادہ عجیب و غریب چیز جو آپ نے دیکھی ہو اس کو بیان کیجئے۔ حذیفہ مرعشی نے فرمایا کہ ہم چند دنوں تک مکہ مکرمہ کے راستے میں بے آب و دانہ بھوکے پیاسے رہ گئے۔ پھر ہم

1۔ مسطرف ج1 ص146۔

کوفہ شہر میں داخل ہو کر ایک ویران مسجد میں پہنچے۔ تو حضرت ابراہیم خواص نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ اے حذیفہ! میں تمہارے چہرے پر بھوک کے آثار دیکھتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ جی حضور! بجا ہے واقعی مجھے بڑی شدید بھوک لگی ہے۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم خواص نے فرمایا کہ اچھا تم قلم دوات اور کاغذ لاؤ۔ میں نے فوراً ہی سارا سامان حاضر کر دیا تو حضرت ابراہیم خواص نے کاغذ پر یہ عبارت تحریر فرمائی!

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ انت المقصود بکل حال والمشار لیہ بکل معنی

پھر آپ نے ان اشعار کو پڑھا کہ ؎

(1) اَنَا حَامِدٌ اَنَا شَاکِرٌ اَنَا ذَاکِرٌ اَنَا جَائِعٌ اَنَا ضَائِعٌ اَنَا عَارِیْ

(2) هِیَ سِتَّۃٌ وَّاَنَا الضَّمِیْنُ لِنِصْفِهَا فَکُنِ الضَّمِیْنَ لِنِصْفِهَا یَا بَارِیْ

(3) مَدْحِیْ لِغَیْرِکَ لَهَبُ نَارٍ خُضْتُهَا فَاَجِرْ عُبَیْدَکَ مِنْ لَهِیْبِ النَّارِ

(1) میں حمد کرنے والا، میں شکر کرنے والا، میں ذکر کرنے والا، میں بھوکا، میں برباد، میں ننگا ہوں۔

(2) میری یہ چھ صفتیں ہیں۔ ان میں سے آدھی تین کا تو میں کفیل ہوں باقی تین آخری کا تو کفیل بن جا۔

(3) میں تیرے غیر کی مدح کروں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ میں آگ کے شعلے میں داخل ہو جاؤں لہٰذا تو اپنے حقیر بندے کو آگ کے شعلے سے پناہ دے!

حذیفہ مرعشی کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم خواص نے یہ پرچہ لکھ کر مجھے دیا اور فرمایا کہ تم یہ خط لے کر جاؤ اور راستے میں خدا کے سوا کسی دوسرے کا خیال تمہارے دل میں نہ آئے اور سب سے پہلا شخص جو تمہیں ملے اس کو یہ خط دے دینا۔ چنانچہ میں یہ خط لے کر چلا اور پہلا شخص جو مجھ سے ملا وہ ایک مرد تھا جو خچر پر سوار تھا۔ میں نے اس کو پرچہ دیا تو وہ خط پڑھ کر رو پڑا اور بولا کہ اس پرچہ کا لکھنے والا کس حال میں ہے اور کہاں ہے؟ میں نے کہا وہ بزرگ فلاں مسجد میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ یہ سن کر اس نے مجھے چھ سو درہم کی ایک تھیلی دی اور چل دیا۔ میں تھیلی لے کر چند قدم چلا ہی تھا کہ ایک شخص ملا۔ میں نے اس سے اس خچر سوار کے بارے میں دریافت کیا۔ تو اس نے بتایا کہ یہ ایک نصرانی ہے میں تھیلی لے کر حضرت ابراہیم خواص کی خدمت میں حاضر ہو گیا

اور پورا قصہ سنا دیا تو حضرت نے فرمایا کہ تم ان درہموں کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ یہ تھیلی دینے والا ابھی یہاں آئے گا۔ چنانچہ ایک گھنٹہ کے بعد واقعی وہ نصرانی اپنے خچر پر سوار ہو کر آ گیا اور مسجد کے دروازے پر اپنی جوتیاں اتار کر مسجد میں داخل ہوا اور حضرت ابراہیم خواص کے قدموں پر سر رکھ دیا اور آپ کے سر اور ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھنے لگا۔ نصرانی کی زبان سے کلمہ اسلام سن کر حضرت ابراہیم خواص کو اتنی خوشی ہوئی کہ ان کی آنکھوں سے گریہ شادی کے آنسو نکل پڑے اور انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے اور اس کا شکر ہے کہ تجھ کو اسلام اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت کی ہدایت فرمائی(1)۔

ناچنے والا ولی ہو گیا

دریائے نیل میں کشتی چلانے والے ایک ملاح کا بیان ہے کہ ایک دن ایک بہت ہی نورانی چہرے والے بزرگ میرے پاس آئے اور فرمایا کہ کیا تم مجھے اللہ کے نام پر دریا کے پار اتار دو گے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں! وہ بزرگ میری کشتی پر سوار ہو گئے اور میں نے انہیں دریا کے پار اتار دیا۔ جب وہ کشتی سے اترنے لگے تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ میں تمہیں ایک امانت سونپتا ہوں۔ کیا تم اس کو قبول کرو گے؟ میں نے کہا کہ جی حضور! میں ضرور قبول کر لوں گا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ کل تم فلاں درخت کے پاس ظہر کے وقت آنا تو تم کو وہاں میری لاش ملے گی۔ تم مجھ کو غسل دینا اور میرے سرہانے جو کفن تم کو ملے اس کو مجھے کفن پہنا کر اسی درخت کے نیچے مجھے دفن کر دینا اور میری گدڑی، عصا اور مشک کو اپنے پاس رکھنا اور جو شخص ان چیزوں کو طلب کرنے کے لئے تمہارے پاس آئے۔ اس کو یہ سب سامان دے دینا۔ ملاح کا بیان ہے کہ میں ان بزرگ کی وصیت کو بھول گیا اور بجائے ظہر کے عصر کے وقت مجھے خیال آیا تو میں اس درخت کے پاس حاضر ہوا تو واقعی ان بزرگ کو مردہ حالت میں پایا۔ میں نے وصیت کے مطابق ان کو جو کفن پہنایا۔ اس میں مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔ میں نے جوں ہی ان کا جنازہ تیار کیا۔ ایک دم ناگہاں ایک طرف سے انسانوں کی ایک بہت بڑی جماعت آ گئی اور میں نے ان لوگوں کے ساتھ نماز جنازہ ادا کر کے اسی درخت کے نیچے دفن کر دیا اور اپنے گھر آ کر رات میں سو رہا۔ صبح سویرے

1۔ مستطرف ج1 ص147۔

ہی ایک جوان جو ناچنے گانے والے بھانڈ کا لڑکا تھا۔ میرے پاس آیا نہایت ہی باریک کپڑا پہنے ہوئے ہاتھوں میں مہندی لگی ہوئی اور بغل میں ستار دبائے میرے سامنے کھڑا ہو گیا اور میں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ پھر اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ فلاں بن فلاں تم ہی ہو؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں۔ میں ہی ہوں۔ اس نے کہا کہ پھر جو تمہارے پاس امانت ہے مجھے دے دو۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ تمہیں اس کی خبر کیوں کر ہو گئی اس نے کہا یہ نہ پوچھئے میں نے کہا یہ تو تم کو بتانا ہی پڑے گا۔ میرا اصرار سن کر اس نے کہا کہ بھائی! میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا کہ میں گزشتہ رات ایک شادی میں ساری رات ناچتا اور گاتا رہا۔ جب صبح کو اذان فجر ہوئی تو میں ناچ ختم کر کے سو گیا۔ اچانک ایک شخص میرے پاس آیا اور مجھ کو جھنجھوڑ کر جگایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں ولی کو وفات دے دی ہے اور تجھ کو اس کا قائم مقام بنادیا ہے۔ لہٰذا تو فلاں ملاح کے یہاں جا کر اس وفات پانے والے ولی کے تبرکات وصول کرے۔ جن کو وہ بزرگ تیرے لئے بطور امانت ملاح کے پاس رکھ کر دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ ملاح نے بیان کیا کہ میں نے ان بزرگ کا تینوں سامان حسب وعدہ ومیت بھانڈ کے لڑکے کو دے دیا۔ لڑکے پر، سامان ہاتھ میں لیتے ہی ایک انقلابی کیفیت نمودار ہو گئی۔ اس نے باریک کپڑوں کو اتار کر میری کشتی میں پھینک دیا اور کہا کہ تم میرے ان کپڑوں کو جسے چاہو بطور صدقہ دے دینا اور خود ان بزرگ کی گدڑی پہن کر اور عصا و مشک لے کر چل دیا۔ ملاح کا بیان ہے کہ میں اس بھانڈ کے لڑکے کی خوش نصیبی اور اپنی محرومی کا خیال کر کے رونے لگا۔ یہاں تک کہ رات آ گئی اور میں روتے روتے سو گیا۔ تو مجھے اس رات خواب میں اللہ جل مجدہٗ کا دیدار ہوا اور مجھ سے رب العزت جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا کہ تم پر یہ گراں گزرا؟ کہ میں نے اپنے ایک گناہگار بندے پر احسان فرما کر اس کو اپنے دربار کی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اے ملاح! یہ میرا فضل ہے اور میں اپنا فضل جس کو چاہتا ہوں عطا فرما دیتا ہوں (1)۔

دو عجیب و غریب مردے

شیخ ابو علی مصری فرماتے ہیں کہ میرے پڑوس میں ایک مردوں کو غسل دینے والا رہتا تھا۔

1۔ مسطرف ج1 ص147۔

میں نے اس سے کہا کہ تم نے سب سے زیادہ عجیب و غریب جو مردہ دیکھا ہو اس کا حال بیان کرو۔ یہ سن کر غسال نے بیان کیا کہ ایک دن ایک بہت ہی خوبصورت اور خوش پوشاک نوجوان میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ کیا تم ہمارے ایک مردہ کو غسل دے دو گے؟ میں نے کہا کہ جی ہاں! چنانچہ میں اس جوان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ ایک مکان کے دروازے پر مجھ کو کھڑا کر کے اندر چلا گیا۔ اور تھوڑی دیر میں ایک لڑکی مکان کے اندر سے نکلی جس کی صورت ہو بہو اس جوان سے ملتی جلتی تھی۔ اس نے مجھے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے اندر بلایا۔ میں نے اندر جا کر دیکھا کہ وہی جوان تخت پر مردہ پڑا ہوا ہے۔ جو چند منٹ پہلے مجھ کو مکان سے بلا کر بلایا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کو غسل دے دیا اور کفن پہنا کر خوشبو لگا کر فوراً ہی اس کا جنازہ تیار کر دیا۔ جنازہ تیار ہو جانے کے بعد وہی لڑکی جو مجھے مکان کے اندر بلا کر لے گئی تھی جنازہ کے پاس آئی اور اس میت کی پیشانی چوم کر یہ کہا کہ خبردار عنقریب ہی میں بھی تم سے ملنے والی ہوں۔ جب میں واپس لوٹنے لگا تو اس لڑکی نے میرا شکریہ ادا کیا اور یہ کہا کہ اگر تمہاری بیوی اچھی طرح مردے کو غسل دینا جانتی ہو تو اس کو ابھی ابھی ہمارے پاس بھیج دو۔ غسال کا بیان ہے کہ میں اس لڑکی کی بات سن کر لرز گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ جوان کی طرح یہ بھی ابھی ابھی وفات پانے والی ہے۔ چنانچہ میں مکان پر آیا اور بیوی کو سارا ماجرا سنا کر اس کو ساتھ لے کر اس لڑکی کے مکان پر گیا اور دروازہ پر دستک دی تو وہ لڑکی اندر سے بولی کہ بسم اللہ تمہاری بیوی مکان کے اندر آ جائے۔ جب میری بیوی مکان کے اندر داخل ہوئی تو یہ دیکھا کہ وہی لڑکی قبلہ رخ لیٹی ہوئی مردہ پڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ میری بیوی نے اس کو غسل دے کر کفن پہنایا اور ان دونوں بھائی بہن کا جنازہ ایک ساتھ اٹھایا گیا(1)۔

تبصرہ:۔ ان دونوں حکایتوں سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ بعض اولیاء کو خداوند کریم اس عظیم کرامت سے بھی سرفراز فرماتا ہے کہ انہیں اپنی وفات کا وقت وفات کی جگہ دفن کا مقام سب کچھ پہلے ہی سے معلوم ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں سورۂ لقمان کے آخر میں خداوند قدوس نے فرمایا ہے کہ مندرجہ ذیل پانچ چیزوں کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ قیامت کب آئے گی؟ بارش کب ہو گی؟ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے؟ آدمی کیا کیا کمائے گا؟ آدمی کہاں مرے گا؟

1۔ مستطرف ج1 ص149۔

حالانکہ بہت سے انبیاء و اولیاء اور فرشتوں نے ان باتوں کی خبر دی ہے۔ چنانچہ ملاح کی حکایت میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ان بزرگ نے یہ بتایا کہ میں کل ظہر کے وقت مروں گا اور فلاں درخت کے پاس مروں گا۔ اسی طرح بارش کا وقت، اور حمل میں کیا ہے؟ اور آدمی کل کیا کرے گا؟ اور کہاں مرے گا؟ ان امور کی خبریں بکثرت انبیاء و اولیاء نے دی ہیں جن کا تذکرہ قرآن و حدیث اور تاریخ کی معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ لہٰذا سورۂ لقمان کا یہ مطلب تو ہو سکتا نہیں کہ ان پانچ چیزوں کا علم کسی طرح بھی خدا کے سوا دوسرے کو حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر آیت کا یہ مطلب ہوگا تو ان واقعات سے قرآن کریم کی تکذیب لازم آئے گی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ سورۂ لقمان کی آیت کا یہ مطلب لیا جائے کہ ان پانچ چیزوں کا علم بغیر خدا کے بتائے ہوئے کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انہی پانچ چیزوں کے علم کے بارے میں خداوند قدوس نے سورۂ جن میں ارشاد فرمایا کہ: عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ یعنی اللہ غیب کا جاننے والا ہے تو وہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ غرض یہ کہ سورۂ لقمان کی آیت کا یہی مطلب متعین ہے کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے ان پانچوں چیزوں کا علم کسی کو نہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں میں سے جسے چاہے بتائے۔ چنانچہ سورۂ لقمان کی آیت کا آخری جملہ کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ اس مطلب پر نہایت ہی واضح قرینہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جاننے والا اور بتانے والا ہے!

دیوبندیوں کی طرح اس آیت کے یہ معنی لینا کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے سے بھی ان پانچ چیزوں کا علم کوئی نہیں جانتا یہ سراسر باطل و غلط اور سینکڑوں آیات و احادیث کے خلاف ہے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ وَهُوَ الْهَادِی اِلَی الرَّشَاد۔

پہاڑ ہلنے لگا

مشہور بزرگ عبداللہ ہروی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ابو قبیس پہاڑ پر تھے۔ دوران گفتگو حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی آدمی اپنے توکل میں سچا ہو تو اس کی یہ شان ہوگی کہ اگر وہ اس پہاڑ سے کہہ دے کہ تو "ہل جا" تو اس کے حکم دیتے ہی یہ پہاڑ لرزہ براندام ہو کر ہلنے لگے گا۔ عبداللہ ہروی کہتے ہیں کہ خدا کی قسم حضرت فضیل کے منہ سے یہ لفظ کہ "تو ہل جا" نکلتے ہی ہم نے دیکھا کہ کوہ ابو قبیس

ایک دم ہلنے لگا۔ اس وقت حضرت فضیل نے فرمایا کہ اے پہاڑ! خدا تجھ پر رحمت نازل فرمائے۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ تو حرکت میں آکر ہلنے لگے۔ میں نے تو مثال کے طور پر تیری جانب اشارہ کر دیا تھا۔ یہ سن کر پہاڑ بالکل ساکن ہو گیا(1)۔

تبصرہ:۔ اس قسم کی کرامت بہت سے بزرگان دین سے منقول ہے کہ جو کچھ ان کی زبان سے نکل گیا۔ وہ فوراً ہی عالم وجود میں آ گیا۔ نمک کو یہ کہہ دیا کہ یہ شکر ہے تو نمک شکر بن گیا اور شکر کو کہہ دیا کہ یہ نمک ہے تو شکر نمک بن گئی۔ خداوند تعالیٰ کا اپنے ان نیک بندوں پر اتنا پیار ہوتا ہے کہ اس کے کرم کو یہ گوارا نہیں ہوتا کہ اس کے محبوب بندے کی زبان سے نکلی ہوئی بات غلط اور جھوٹ ہو جائے۔ اس لئے وہ جو کہہ دیتے ہیں وہ ہو جایا کرتا ہے۔ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ؎

جو جذب کے عالم میں نکلے لب مومن سے ۔۔۔ وہ بات حقیقت میں تقدیر الٰہی ہے

حضرت فضیل بن عیاض کا پورا حال ہم نے اپنی کتاب اولیاء رجال الحدیث میں تحریر کیا ہے جو قابل مطالعہ ہے۔ اللہ والوں کے احوال و معارف کا تذکرہ پڑھ کر سینے کے صندوق اور دل کی تجوری میں وہ دولت بے بہا حاصل ہوتی ہے جو ایک مومن کے فلاح دارین کا بہت ہی بڑا سرمایہ ہے اور خاصان خدا و درویشان باصفا کی خدمت سے کیا ملتا ہے؟ یہ نہ پوچھئے بس اتنی بات یاد رکھئے کہ ؎

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی ۔۔۔ نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

قدرت اور عفو

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ سمندر میں کشتی پر سوار تھے۔ ناگہاں خوفناک طوفان آ گیا اور موجوں کے تھپیڑوں سے کشتی غرق ہونے لگی۔ کشتی پر سوار ہونے والے تمام مسافروں کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا اور سب زار و قطار رونے لگے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ اپنی کملی اوڑھ کر سو رہے تھے۔ جب مسافروں کی چیخ و پکار کی آواز سن کر بیدار ہوئے تو صرف اتنا کہا کہ یا اللہ! تو نے اپنی قدرت تو ہم کو دکھلا دی۔ اب اپنا عفو بھی دکھلا دے؟ آپ کے منہ سے یہ جملہ نکلتے ہی ایک دم طوفان ختم ہو گیا اور سمندر بالکل

1۔ مستطرف ج2 ص251۔

ساکن ہو گیا(1)۔

تبصرہ:۔ عاشقان الٰہی کا اپنے یار حقیقی کے کرم پر ناز کرنے کا یہ منظر ملاحظہ فرمایئے۔ ذرا ابراہیم بن ادہم کی دعا کا انداز تو دیکھئے؟ احکم الحاکمین کے دربار میں یوں عرضی پیش کرتے ہیں کہ "یا اللہ تو نے اپنی قدرت تو ہم لوگوں کو دکھلا دی۔ اب اپنا عفو بھی تو ہم لوگوں کو دکھلا دے؟" سبحان اللہ! سبحان اللہ! اللہ والوں کے "ناز و نیاز" کا کیا کہنا؟ اس بلند منزل کا تو ہم عوام تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اسی مضمون کو کسی صاحب حال نے زبان قلم سے یوں ادا کیا ہے کہ

مجھ کو آتے ہیں وہ انداز جبیں سائی کے　　میں جو چاہوں تو بنا ڈالوں مقدر اپنا

قبر سے کفن واپس

حضرت خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک سائل جو بظاہر بھیک مانگنے والا فقیر مگر در حقیقت خدا رسیدہ بزرگ تھا۔ مسجد میں آیا اور لوگوں سے روٹی کے ایک ٹکڑے کا سوال کیا مگر کسی نے بھی اس کو روٹی کا ایک ٹکڑا نہیں دیا اور وہ غریب بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ جب مؤذن نے مسجد میں اس کو مردہ پایا تو لوگوں کو اس کی خبر دی۔ درویش کی موت کا حال سن کر لوگ جمع ہوئے اور آپس میں چندہ کر کے درویش کے کفن دفن کا انتظام کیا۔ درویش کو دفن کر دینے کے بعد جب مؤذن مسجد میں گیا تو دیکھا کہ جو کفن درویش کو دیا گیا وہ مسجد کی محراب میں پڑا ہوا ہے اور اس کفن پر یہ عبارت تحریر کی ہوئی ہے کہ:

"تم لوگوں کا دیا ہوا کفن تمہارے پاس واپس لوٹایا جا رہا ہے کیونکہ تم لوگ بدترین قوم ہو۔ تم سے درویش نے روٹی کا ایک ٹکڑا مانگا تھا مگر تم لوگوں نے نہیں دیا۔ یہاں تک کہ وہ بھوکا مر گیا۔ ہم اپنے دوستوں کو اپنے غیر کے سپرد نہیں کیا کرتے۔"(2)۔

تبصرہ:۔ یہ حکایت نہایت ہی رقت انگیز اور عبرت خیز ہے۔ ایسے بہت سے گدڑی میں چھپے ہوئے لعل ہیں۔ جو بظاہر میلے کچیلے اور حقیر نظر آتے ہیں مگر وہ بارگاہ الٰہی میں محبوبیت کی ایسی بلند ترین منزل پر فائز ہوتے ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ ان کو اپنے قرب خاص کی عزت و عظمت کا تاج دار بنا دیتا ہے اور ان کے سینوں کو نور باطن کا سفینہ بنا کر انہیں ایسا مخزن انوار بنا دیتا ہے کہ ان کی ایک نگاہ

1۔ مسطرف ج ص 251۔

2۔ مسطرف ج 1 ص 149۔

سے ذرے رشک آفتاب وغیرت ماہتاب بن جاتے ہیں۔ اس لئے ان فرسودہ حال فقراء کو ہرگز ہرگز کبھی حقارت کی نظروں سے نہیں دیکھنا چاہئے بلکہ اگر ہو سکے تو ان کی کوئی خدمت کر دے۔ ورنہ کم سے کم اتنا خیال رکھے کہ ان لوگوں کی کوئی دل آزاری نہ ہونے پائے۔ بزرگوں نے سچ کہا ہے

غبار آلودہ ہیں لیکن حقارت سے نہ دیکھ ان کو　　کہ ان کی ٹھوکروں سے سلطنت بنتی، بگڑتی ہے

جبرئیل علیہ السلام نے پانی پلایا

حافظ الحدیث ابو محمد خلال نے اپنی کتاب "کرامات الاولیاء" میں نقل فرمایا ہے کہ حسن بن صالح نے فرمایا کہ میرے بھائی علی بن صالح محدث نے اپنے وصال کے وقت رات میں بستر بیماری پر مجھ سے پانی مانگا میں اس وقت نماز میں تھا اور میرے سوا کوئی دوسرا شخص مکان میں نہیں تھا۔ نماز پوری کر کے میں نے جلدی سے پانی پیش کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے تو ابھی ابھی پانی پی لیا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ کس نے آپ کو پانی پلا دیا؟ میرے سوا تو کوئی یہاں موجود نہیں ہے تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تشریف لا کر مجھے پانی پلایا ہے اور یہ بشارت دی ہے کہ تم اور تمہارے بھائی اور تمہاری والدہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر خداوند قدوس نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی انبیاء و صائبین اور شہداء کے ساتھ اتنا فرمایا اور ان کی روح پرواز کر گئی (1)۔

تبصرہ:۔ خداوند عالم کا اپنے خاص بندوں پر بے انتہا فضل و کرم ہوتا ہے۔ بہت سے خاصان خدا کے پاس فرشتوں کو پروردگار عالم نے ان کی امداد و نصرت اور بشارت کے لئے بھیجا ہے اور فرشتوں نے اولیاء و علماء اور مجاہدین کی بے شمار موقعوں پر قسم قسم کی معاونت اور امداد و اعانت کی ہے اور اس میں شک نہیں کہ مومن کامل اور صاحب دل کا مقام عظمت اور مرتبہ رفعت بہت بلند ہے مگر افسوس کہ خود مومن سے مومن کا مقام پوشیدہ ہے۔ ورنہ کائنات عالم کی ہر چیز مومن کو اس کے منصب عزت کی یاد دلانے کے لئے ہر وقت یہ نغمہ ورد زبان رکھتی ہے۔

ہر شے مسافر ہر چیز راہی　　کیا چاند تارے، کیا مرغ و ماہی

1۔ شرح الصدور ص 33۔

تو مرد میداں، تو میر لشکر نوری حضوری تیرے سپاہی
کچھ قدر تو نے اپنی نہ جانی یہ بے سوادی، یہ کم نگاہی
دنیائے دوں کی کب تک غلامی! یا راہبی کر، یا بادشاہی

کفن چور کی مغفرت

ایک کفن چور جو قبریں کھود کر کفن چرا لیا کرتا تھا۔ایک صالحہ عورت کی نماز جنازہ میں اس لئے شریک ہوا تاکہ اس عورت کی قبر دیکھ لے۔ چنانچہ رات میں جب یہ کفن چور اس عورت کی قبر کھود کر کفن کھینچنے لگا تو اس نیک بی بی نے فرمایا کہ سبحان اللہ!ایک بخشا ہوا انسان ایک بخشے ہوئے انسان کا کفن چھین رہا ہے۔ کفن چور نے کہا کہ اے اللہ والی!یہ تو مانتا ہوں کہ تیری مغفرت ہو چکی ہے مگر یہ تو بتا کہ میری مغفرت کس طرح ہو گئی؟ تو اس صالحہ بی بی نے فرمایا کہ جن لوگوں نے میرے جنازہ کی نماز پڑھی ہے سب کو خداوند تعالیٰ نے بخش دیا ہے اور چونکہ تو بھی میری نماز جنازہ میں شریک تھا اس لئے یقیناً تو بھی مغفور ہے۔ یہ سن کر کفن چور کے دل پر عبرت کی ایسی چوٹ لگی کہ اس کا دل بھر آیا اور وہ رو پڑا پھر اس نے قبر کو بند کر کے سچی توبہ کر لی(1)۔

تبصرہ:۔امت رسول کے صالحین پر خداوند قدوس کے فضل و کرم کا یہ بھی ایک بڑا تجلی افروز جلوہ ہے کہ جو مسلمان بھی ان مقبولان بارگاہ الٰہی سے کسی طرح بھی وابستہ ہو جاتا ہے وہ بھی ارحم الراحمین کے رحم و کرم کا مستحق ہو جاتا ہے۔ بڑے بڑے مجرم اور پاپی قیامت کے دن محض اس لئے بخش دیئے جائیں گے کہ وہ اولیاء اور شہداء سے محبت کرتے تھے یا ان کی کوئی خدمت انجام دیتے تھے یہاں تک کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ ایک گناہگار کی قیامت میں صرف اتنی ہی بات پر مغفرت ہو جائے گی کہ اس نے ایک مرتبہ کسی نیک بندے کو پانی پلا دیا تھا۔ یہی وہ مضمون ہے جس کو حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے بڑے ہی والہانہ انداز میں بیان فرمایا ہے کہ۔

شنیدم کہ در روز امید وبیم بداں رابہ نیکاں بہ بخشد کریم

یعنی میں نے یہ سن لیا ہے کہ قیامت کے دن بہت سے بدکاروں کو خداوند کریم نیکوکاروں کے طفیل میں بخش دے گا۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ! نیک بندوں سے تعلق بلاشبہ بڑی دولت ہے۔

1۔شرح الصدور،ص86۔

لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ خدا کے محبوب بندوں سے والہانہ عقیدت و محبت رکھے اور جس قدر ہو سکے ان کی نصرت و خدمت سے سعادت دارین حاصل کرے۔

رقت انگیز وعظ

سلیم بن منصور فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد منصور بن عمار کو خواب میں دیکھ کر یہ پوچھا کہ دربار خداوندی میں آپ کا معاملہ کیسا رہا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے اپنا قرب عطا فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے بد عمل بڈھے! تجھ کو معلوم ہے کہ میں نے کیوں تجھ کو بخش دیا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ اے میرے معبود۔ تو میرے رب نے ارشاد فرمایا کہ تم نے ایک وعظ کی مجلس میں اپنی رقت انگیز تقریر سے حاضرین کو رلا دیا اور اس وعظ میں ایک ایسا بندہ بھی تھا جو تمام کبھی بھی خوف الٰہی سے نہیں رویا تھا مگر تمہارا وعظ سن کر وہ بھی رونے لگا۔ تو میں نے اس بندے کی گریہ وزاری پر رحم فرما کر اس کو اور تمام حاضرین مجلس کو بخش دیا۔ اسی لئے تمہاری بھی مغفرت ہو گئی (1)۔

تبصرہ:۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان واعظین کا درجہ بہت ہی بلند و بالا اور عظمت والا ہے جو اپنی رقت انگیز و عبرت خیز تقریروں سے بندگان خدا کے قلب میں رقت پیدا کرتے ہیں اور خدا کی بارگاہ عظمت سے بچھڑے ہوئے بندوں کو اپنے مواعظ کی کشش سے کھینچ کھینچ کر دربار الٰہی میں لاتے ہیں۔ یقیناً یہ لوگ: اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کی وہ خوش نصیب سعادت مند جماعت ہیں جن کے بارے میں خداوند قدوس کا وعدہ ہے کہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یعنی جو لوگ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور فلاح پانے والے ہیں۔

مولیٰ عزوجل ایسے نیک واعظین کے کلام میں ایک ایسی کشش اور جاذبیت پیدا فرما دیتا ہے کہ ان کے منہ سے نکلا ہوا کلمہ حق سامعین کے کانوں میں لفظ بن کر پہنچتا ہے مگر کراماتی تاثیر کا تیر بن کر ان کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو جاتا ہے اور بڑے بڑے سنگدل اور قسی القلب انسان جذبات تاثر سے تڑپ تڑپ کر مرغ بسمل بن جاتے ہیں جس کو دیکھ کر بڑے بڑے ملحد اور منکر بھی بے اختیار پکار اٹھتے ہیں کہ

1۔ شرح الصدور ص118۔

سخن میں سوز الٰہی کہاں سے آتا ہے　　یہ چیز وہ ہے کہ پتھر کو بھی گداز کرے

تین سو حوریں

جیش بن مبشر نے بیان فرمایا کہ امام الحدیث یحییٰ بن معین کا مجھے خواب میں دیدار ہوا تو میں نے ان سے سوال کیا کہ خداوند تعالیٰ کے دربار میں ان کی پیشی کا کیا انجام ہوا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے اپنے قرب خاص سے نوازا اور مجھے بار بار اپنی بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور دو مرتبہ اپنے دیدار سے مشرف فرمانے کے لئے اپنے دربار میں باریاب فرمایا اور تین سو حوریں میرے نکاح میں آئیں جیش بن مبشر کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ یہ سب انعام و اکرام آپ کو کون سی عبادت کے بدلے میں عطا کیا گیا تو انہوں نے اپنی آستین سے حدیثوں کے چند اوراق نکال کر فرمایا کہ ان حدیثوں کی وجہ سے (1)۔

(یحییٰ بن معین کا تذکرہ، ہماری کتاب اولیاء رجال الحدیث میں مطالعہ فرمایئے)

تبصرہ:۔ سبحان اللہ! محدثین کرام جن کا سینہ احادیث نبویہ کا سفینہ اور جن کا دل علوم نبوت کا خزینہ ہے ان کے مدارج علیا اور فضائل عظمیٰ کا کیا کہنا؟ بلاشبہ یہ لوگ وارث الانبیاء اور مقبولان بارگاہ مصطفیٰ ہیں اور یقیناً یہ وہ ارباب صفا ہیں جو دربار خدا میں مظفر و منصور اور دونوں جہان میں ارحم الراحمین و خیر الغافرین کے مرحوم و مغفور ہیں۔ واقعی جن خوش نصیبوں کے سینوں میں علوم نبوت کی تجلیات جلوہ فگن ہو جائیں اور مشکوٰۃ نبوت کے روشن چراغوں سے جس کا دل پر نور بلکہ نورٌ علیٰ نور ہو جائے وہ یقیناً اگر زبان قال سے نہیں تو زبان حال سے ضرور حالت وجد میں یہ کہتا پھرے گا کہ

عرش کا ہے کبھی کعبہ کا ہے دھوکا اس پر　　کس کی منزل ہے الٰہی! مرا کاشانہ دل؟

کفن میں پرند

مشہور تابعی محدث میمون بن مہران کا بیان ہے کہ میں طائف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے جنازہ میں حاضر تھا۔ جب نماز جنازہ کے لئے لوگ کھڑے ہوئے تو اچانک ایک سفید پرند آیا اور ان کے کفن کے اندر داخل ہو گیا۔ نماز کے بعد ہم لوگوں نے ان کے کفن

1۔ شرح الصدور ص 120۔

میں ٹٹول ٹٹول کر بہت تلاش کیا مگر کچھ نہیں ملا۔ پھر جب ہم انہیں دفن کر چکے تو ایک غیبی آواز تمام حاضرین نے سنی کہ کوئی یہ آیت پڑھ رہا ہے۔

یعنی اے اطمینان پانے والی جان تو اپنے رب کے دربار میں اس طرح حاضر ہو جا کہ تو خدا سے خوش ہے اور خدا تجھ سے خوش ہے(1)۔

تبصرہ:۔ یہ سفید پرندیا تو ان کے اعمال صالحہ کا نور تھا۔ جو ان کی قبر شریف میں گیا۔ یا رحمت الٰہی کا سکینہ تھا جو عالم بالا سے پرند کی شکل میں اتر کر ان کے جسم منور پر جلوہ فگن ہو گیا۔ خاصان خدا کے لئے اس قسم کی بشارتیں دیکھنے والوں کے لئے عبرت و نصیحت کا سامان اور خاصان خدا کے لئے خداوند قدوس کے رضوان و غفران کا نشان ہیں اور قدرت کی طرف سے اس حقیقت کا اعلان ہے کہ صالحین کی حیات و وفات دونوں ہی عام انسانوں کی زندگی اور موت سے بالاتر اور اعلیٰ ترین ہے۔ یہ دنیا میں رہے تو ایمانی عزت و وقار کے تاجدار رہے اور دنیا سے گئے تو رحمت پروردگار طرح طرح سے ان پر اپنے فضل و کرم کے گوہر آبدار نثار کرتی رہی اور انہیں اپنے فضل عظیم کے قرب و جوار کا سزاوار بناتی رہی۔ یہاں تک کہ ملاءِ اعلیٰ کے مقدس فرشتوں نے بھی ان کے جنازے کو دیکھ کر زبان حال سے اپنے قدسی لہجے میں یہ ترانہ سنا دیا کہ ؎

یہ وہ مرحوم ہیں جن کے لئے خود رحمت حق لے کے اتری ہے "حیات ابدی" کا پیغام

نجات کا پروانہ

جلیل القدر محدث "رجاء بن حیوۃ" بیان فرماتے ہیں کہ مشہور تابعی خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نزع کی حالت میں مجھ سے فرمایا کہ اے رجاء! میں اس وقت اپنے سامنے ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں۔ جو نہ انسانوں کے چہرے ہیں نہ جنوں کے۔ پھر آپ دائیں بائیں کروٹ بدلنے لگے اور یہ دعا مانگنے لگے کہ یا اللہ! تو میرا رب ہے۔ تو نے مجھے کچھ باتوں کے کرنے کا حکم فرمایا تھا تو مجھ سے اس میں کوتاہی ہوئی اور تو نے چند باتوں سے مجھے منع فرمایا تھا تو مجھ سے تیری نافرمانی ہوئی۔ اب اگر تو مجھے بخش دے تو یہ تیرا احسان ہی احسان ہے اور اگر تو مجھے عذاب دے تو ہرگز ہرگز تو ظالم نہیں ہے۔ یا اللہ! تو سن لے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو یکتا اور ایک ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت

1۔ مستطرف ج 2 ص 281۔

محمد ﷺ تیرے بندے اور تیرے برگزیدہ رسول اور پسندیدہ نبی ہیں۔ انہوں نے تیرے پیغام کو پہنچادیا اور امانت کو ادا فرمادیا اور امت کی خیر خواہی فرمائی۔ ان پر میری طرف سے سلامت و رحمت ہو۔ ان کلمات کو کہا اور اس کے بعد فوراً روح پرواز کر گئی۔ حضرت رجاء کہتے ہیں کہ اپنی حیات میں مجھ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اے رجاء! تم مجھے قبر میں اتار کر میرے کفن کو سر کا کر میرا چہرہ دیکھنا۔ اگر میرے چہرے پر کوئی خیر کا نشان دیکھو تو خدا کی حمد کرنا اور اس کا شکر بجالانا۔ ورنہ پھر یہ سمجھ لینا کہ عبدالعزیز کا بیٹا ہلاک ہو گیا۔ حضرت رجاء کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی لحد میں سلا کر جب وصیت کے مطابق کفن ہٹا کر ان کا چہرہ دیکھا تو مجھے ایسا نظر آیا کہ ان کے چہرے سے نور کی شعاعیں بلند ہو رہی ہیں اور جیسے ہی ہم ان کے دفن سے فارغ ہو گئے۔ ایک دم بارش شروع ہو گئی۔ پھر لوگوں کو ان کی قبر کے پاس ایک چادر ملی جس پر نورانی تحریر میں یہ لکھا تھا کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ امان لعمر بن عبدالعزیز من النار یعنی عمر بن عبدالعزیز کے لئے جہنم سے امان ہے(1)۔

تبصرہ:۔ غور فرمائیے کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو تابعی محدث اور خلفاء بنو امیہ میں سب سے زیادہ عادل خلیفہ تھے۔ خداوند عالم نے ان کو کتنی بشارتوں سے نوازا آپ کا تذکرہ ہم نے اپنی کتاب ''اولیاء رجال الحدیث'' میں بھی تحریر کیا ہے۔ جو قابل مطالعہ ہے کیوں نہ ہو کہ واللہ یہ لوگ علم و عمل، اور صلاح و تقویٰ کے وہ اونچے اونچے پہاڑ ہیں جن کی عظمتوں کی رفعت کو آسمانوں کی سربلندی بھی جھک جھک کر سلام کرتی ہیں اور یہ وہ پاکباز و پاک دامن مردان خدا ہیں جن کے دامن تقدس کو فرشتے اپنا مصلیٰ بنانے کی تمنائیں کرتے رہتے ہیں۔ بلاشبہ ان خاصان خدا کی موت ایسی وجد آفریں موت ہے کہ ان کے بارے میں تم برملا ڈنکے کی چوٹ پر یہ ترانہ گا سکتے ہو کہ ؎

لحد میں ان کی وہ نوری حضور رہتا ہے — کہ وصل حق کا ابد تک سرور رہتا ہے
فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن ان کا — مگر وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

1۔ مستطرف ج2 ص220,282۔

دیدار رسول کا ایک منظر

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما بیان فرماتی ہیں کہ حضرت علی مرتضی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ابن ملجم خبیث کی تلوار سے شدید زخمی ہو کر نزع کی حالت میں تھے تو میں اس وقت وہاں حاضر تھی دیر تک بے ہوشی و غفلت کے بعد ناگہاں آپ چونکے اور ہوش میں آ گئے اور بلند آواز سے فرمایا کہ "مَرْحَبًا" اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ (1) لوگوں نے عرض کیا کہ اے مولیٰ! اس وقت آپ کیا دیکھ رہے ہیں۔ تو فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور یہ میرے بھائی حضرت جعفر اور یہ میرے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آسمانوں کے دروازے کھلے ہیں اور فرشتوں کی نورانی جماعت میرے پاس جنت کی بشارت لے کر اتر رہی ہے اور یہ حضرت بی بی فاطمہ ہیں اور ان کے ارد گرد ان کی خدمت گزار حوریں کھڑی ہیں اور یہ میرے جنتی محلات میری نظروں کے سامنے ہیں یہ سب کچھ فرمایا پھر آپ کا طائر روح فردوس اعلیٰ کے گلشن کی سیر کے لئے پرواز کر گیا (2)۔

تبصرہ:۔ اللہ اکبر! فاتح خیبر علی حیدر اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے فضائل و مناقب کے بارے میں کس قلم میں یہ تاب و توانائی ہے کہ کماحقہ آپ کے کمالات ولایت و مقامات کرامت کو دائرہ تحریر میں لاسکے۔ ہزاروں کرامات کے قدموں پر نثار اور لاکھوں بشارات آپ کے نقش پا پر تصدق۔ کیوں نہ ہو کہ آپ لاریب سید الاولیاء و سند الاصفیاء، تمام امت کے مولیٰ اور مشکل کشا ہیں اور آپ کے فضل ولایت کے بارے میں تمام اولیاء امت کا یہ ایمانی نعرہ ہے کہ ؎

اللہ اللہ شہہ حیدر کے فضائل کیا خوب
ان کے افضال و مناقب کا ہے قرآن گواہ

1۔ نشاء۔

2۔ مستطرف ج2 ص282۔

شیر کا کان پکڑنے والا

نامور محدث حضرت سفیان ثوری اور شیبان راعی دونوں ایک ساتھ حج کے لئے جارہے تھے ایک تنگ راستے میں لوگوں نے دیکھا کہ ایک شیر راستہ روکے ہوئے کھڑا ہے۔ حضرت سفیان ثوری نے حضرت شیبان راعی سے فرمایا کہ اب کیا ہوگا؟ شیبان راعی نے فرمایا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ کہہ کر بے دھڑک آپ آگے بڑھے اور شیر کا کان پکڑ کر زور زور سے موڑنا شروع کر دیا اور شیر سر جھکائے کھڑا دم ہلاتا رہا اور قافلہ والے انتہائی حیرت و تعجب سے اس منظر کو دیکھنے لگے جب بہت دیر تک یہ تعجب خیز تماشہ ہوتا رہا تو حضرت سفیان ثوری نے فرمایا کہ شیبان راعی! اب بس کرو۔ یہ کیا شہرت کا دھندا کر رہے ہو؟ شیبان راعی نے یہ سن کر فرمایا کہ اے سفیان! اگر مجھے شہرت کا خوف نہ ہوتا تو میں اپنا توشہ اسی شیر کی پیٹھ پر لاد کر مکہ مکرمہ تک لے جاتا(1)۔

تبصرہ:۔ سبحان اللہ! اولیاء اللہ کے تصرفات و کرامات اور ان کی خداداد روحانی طاقتوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ یہ نفوس قدسیہ اپنے وجود کی عظمتوں کے ساتھ جب احکم الحاکمین کے دربار عالی میں پورے خضوع خشوع کے ساتھ جھک کر سر بسجود ہو گئے تو خالق کائنات نے ان کے سروں پر بلندی حکومت کا ایسا تاج رکھ دیا کہ جن و بشر، شجر و حجر، پرندے، چرندے، درندے سب ان کے زیر فرمان ہو گئے۔ بالکل حق فرمایا بلبل شیراز جناب سعدی نے کہ

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ — کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

یعنی اے مومن! تو خدا کے حکم سے گردن مت پھیر تو تیرے حکم سے دنیا کی کوئی چیز بھی گردن نہ پھیرے گی۔ حدیث شریف میں ہے کہ یعنی جو خدا کا ہو جاتا ہے خدا اس کا ہو جاتا ہے۔ سبحان اللہ! خدا جس کا ہو گیا۔ بھلا ساری خدائی کیوں نہ اس کی ہو جائے گی۔

مسلمانو! یہی وہ اللہ والے تھے جو خانقاہوں میں جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا کھا کر کمبلوں میں لپٹے ہوئے اپنی چٹائیوں پر بیٹھ کر کائنات عالم کے دلوں پر اپنی حکومت و بادشاہی کا سکہ بٹھائے رہتے تھے اور اپنی نگاہوں کی گردش سے نظام عالم کو زیر و زبر کر دیا کرتے تھے اور ان کی روحانی طاقتوں کی

1۔ روح البیان۔

ہیبتوں سے بڑے بڑے کروفر والے تخت نشین بادشاہ لرزہ براندام ہو کر اس حقیقت کا بہ بانگ دہل اعتراف واعلان کرنے پر مجبور ہوتے تھے کہ ؎

گو تاج شہنشاہی میں طاقت ہے، خطر بھی
اللہ کی تلوار ہے مومن کی نظر بھی

مگر افسوس کہ آج ان بزرگوں کی خانقاہوں میں بکثرت ایسے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں جن کو دیکھ کر ڈاکٹر اقبال یہ کہہ دینے پر مجبور ہوئے کہ ؎

تھا جہاں مدرسہ شیری و شاہنشاہی
آج ان خانقاہوں میں ہے رو باہی
نظر آئی نہ مجھے قافلہ سالاروں میں
وہ "شبانی" کہ ہے تمہید "کلیم اللہی"

ایک محدث کا جنازہ

محدث ابن عساکر ناقل ہیں حمص کے ایک شیخ کا بیان ہے کہ میں یہ خیال کر کے کہ صبح ہو گئی۔ مسجد میں چلا گیا لیکن وہاں پہنچ کر مجھے پتہ چلا کہ ابھی کافی رات باقی ہے۔ جب میں قبہ کے نیچے پہنچا تو میں نے مسجد کے فرش پر کچھ سواروں کو دیکھا کہ ایک دوسرے سے ملاقات اور گفتگو کر رہے ہیں۔ دوران گفتگو میں لوگوں نے پوچھا کہ تم لوگ کہاں سے آرہے ہو؟ تو کچھ سواروں نے جواب دیا کہ کیا تم لوگ ہمارے ساتھ نہیں تھے؟ کیا تمہیں خبر نہیں؟ کہ خالد بن معدان محدث کا وصال ہو گیا اور ہم لوگ ان کے جنازے سے آرہے ہیں۔ تو ان لوگوں نے کہا کہ افسوس! کیا خالد بن معدان وفات پا گئے۔ ہم لوگوں کو تو اس کی اطلاع ہی نہیں ملی۔ شیخ حمص کہتے ہیں کہ میں ان سواروں کی گفتگو سنتا رہا۔ یہاں تک کہ صبح کو میں نے یہ سارا ماجرا اپنے ساتھیوں سے بیان کیا تو لوگ سن کر حیران رہ گئے اور ہر ایک کو حضرت خالد بن معدان کی وفات کی خبر سے انتہائی حیرت تھی کیونکہ سارے شہر میں کوئی نہیں جانتا تھا۔ لیکن دوپہر کو شاہی ڈاک آئی تو حکومت کی طرف سے یہ اعلان ہونے لگا کہ خالد بن معدان محدث کا وصال ہو گیا(1)۔

تبصرہ:۔ خالد بن معدان کے جنازے میں جو غیبی سوار حاضر ہو کر ان کی نماز جنازہ اور دفن کی سعادت سے سرفراز ہوئے تھے۔ یہ لوگ یا تو رجال الغیب تھے یا جنوں کی جماعت تھی یا ملائکہ سیاحین کا مقدس گروہ تھا۔ بہر کیف اس واقعہ سے ہمیں روشنی ملتی ہے کہ علماء حق کے جنازوں پر حاضر ہونے والوں میں صرف انسانوں کا ہجوم نہیں ہوتا بلکہ جن، رجال الغیب، صلحاء کی روحیں

1۔ شرح الصدور ص90۔

اور فرشتے بھی ان کی نماز جنازہ میں دور دور سے آکر شرکت کرنے کو اپنی سعادت تصور کرتے ہیں کیوں نہ ہو کہ ایک عالم ربانی کی شان بہت ہی بلند و بالا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک عالم کے لئے جن و انسان اور ہر مخلوق یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں دریاؤں کی گہرائی میں دعائے مغفرت کرتی رہتی ہیں۔ جب علماء حق کے لئے اس قدر قبول فی الارض کی بشارت آئی ہوئی ہے تو ان کے جنازوں پر جنوں اور فرشتوں کی تشریف آوری میں کیا تعجب کی بات ہے؟ علماء حق علم نبوت کے مدرس و مبلغ ہیں۔ خداوند قدوس نے ان کی شریعت اسلام زائد کا امین اور پیغمبروں کا جانشین بنایا ہے۔ ان کا مقدس وجود کائنات عالم کے لئے رحمت الٰہی کا سامان اور ان کا دنیا سے اٹھ جانا اہل عالم کے لئے ناقابل تلافی نقصان اور باعث حرمان و خسران ہے مگر یہ ساری بشارتیں اور کرامتیں انہیں ان ہی علماء ربانیین کے لئے ہیں۔ جن کے قلوب علم و عمل کے انوار سے امت رسول کے سینوں کو جگمگاتے رہتے ہیں مگر افسوس، صد ہزار افسوس! کہ آج کل دنیا ان معارف و اعمال کے حق نما روشن میناروں سے روز بروز خالی ہوتی جا رہی ہے اور دور حاضر کی خانقاہوں کی طرح اس زمانے کے مدارس و مکاتیب بھی علوم نبوت کی روح سے تقریباً بالکل ہی بے بہرہ و تہی دست نظر آ رہا ہے۔ غول کے غول ہر سال دستار بند ہو کر مولویوں کی جماعت مدارس اسلامیہ سے نکلتی ہے مگر ان میں ایک بھی ایسا نظر نہیں آتا جس کے علم و معارف اور عمل و کردار میں حسن بصری، امام غزالی، عارف رومی رحمہما اللہ تعالیٰ کی اداؤں کی جھلک نظر آئے۔ بار بار نگاہیں ہر طرف اٹھتی ہیں مگر ایسے پاک باز پاک وطن علماء حق کے دیدار سے محروم رہتی ہیں اور آخر کار ناکام و نامراد ہو کر نہایت ہی حسرت و افسوس کے ساتھ یہ شکوہ نما سوال کرنے لگتی ہیں کہ

مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے؟
خانقاہوں میں کہیں لذت اسرار بھی ہے؟

منزل رہ رواں دور بھی دشوار بھی ہے
کوئی اس قافلہ میں قافلہ سالار بھی ہے؟

بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکہ دین و وطن
اس زمانے میں کوئی حیدر کرار بھی ہے؟

طاق پر درہم

میمون کردی فرماتے ہیں کہ میں نے عروہ بن بزار کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اے میمون! فلاں سقاء کا میرے ذمے ایک درہم باقی ہے اور میرے

مکان کے فلاں طاق پر ایک درہم رکھا ہوا ہے۔ تم وہ درہم اس سقاء کو دے دو۔ میمون کردی کا بیان ہے کہ جب صبح کو میں بیدار ہوا تو میں نے اس سقاء سے دریافت کیا کہ کیا عروہ بن بزاز کے ذمہ تمہارا کوئی مطالبہ ہے؟ تو اس نے کہا کہ جی ہاں! میرا ایک درہم ان پر رہ گیا ہے۔ پھر میں نے ان کے مکان میں داخل ہو کر طاق پر دیکھا تو واقعی ایک درہم پڑا ہوا تھا۔ وہ میں نے سقاء کو دے دیا(1) سبحان اللہ!

زندہ جاوید ہے اللہ والوں کا گروہ امت مرحومہ ہو سکتی ہے مر سکتی نہیں

ایک متوکل کی کرامت

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ بڑے عابد و متقی عالم دین تھے۔ کثیر العیال اور نہایت ہی مفلس تھے مگر قناعت و توکل میں یکتائے روزگار تھے۔ "اصم" کے معنی "بہرا" یہ درحقیقت بہرے نہیں تھے مگر اس لقب سے اس لئے مشہور ہو گئے کہ ایک دن ایک عورت ان سے ایک مسئلہ پوچھنے آئی۔ اتفاق سے مسئلہ پوچھنے میں عورت کی زور سے ریاح خارج ہو گئی اور وہ بے چاری شرم کے مارے پانی پانی ہو گئی اور ندامت و حیا سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آپ نے اس کی خجالت و شرمندگی کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ تم نے کیا کہا؟ خوب زور سے چلا کر مجھ سے پوچھو۔ میں "اصم" یعنی بہ نسبت دوسرے لوگوں کے کچھ اونچا سنتا ہوں۔ یہ سن کر عورت کی شرمندگی دور ہو گئی۔ اسی دن سے آپ کا یہ لقب مشہور ہو گیا۔

آپ نے ایک دن حج کا ارادہ ظاہر کیا تو بیوی اور اہل و عیال اور سب پڑوسیوں نے منع کیا کہ گھر والوں کو فاقہ مستی میں چھوڑ کر حج کے لئے جانا مناسب نہیں ہے۔ لیکن آپ کی چھوٹی بچی نے کہا کہ کیوں تم لوگ ان کو ایک نیکی سے روک رہے ہو؟ یہ باپ ہی تو ہیں۔ ہمارے "رزاق" تو نہیں ہیں۔ رزق کا دینے والا تو خدا ہے۔ چنانچہ اس بچی کی تقریر سن کر سب نے آپ کو سفر حج کی اجازت دے دی اور آپ فوراً ہی روانہ ہو گئے اور یہ خبر سارے شہر میں مشہور ہو گی کہ حاتم اصم بغیر اہل و عیال کو خرچ دیئے اور بغیر کوئی توشہ لئے حج کو روانہ ہو گئے۔ پڑوسیوں نے ان کے گھر والوں خصوصاً چھوٹی بچی کو خوب خوب ملامت کیا کہ کیوں اس حالت میں تم لوگوں نے جانے دیا؟ اسی حالت میں شہر کا امیر جو شکار کے لئے نکلا تھا اپنے لشکر سے بچھڑ کر اپنے چند ساتھیوں کے

1۔ شرح الصدور ص 116۔

ساتھ پیاس سے بے قرار ہو کر اس گاؤں میں حاتم اصم کے دروازے پر آگیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے حاتم اصم کی بیوی نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو جواب دیا کہ میں شہر کا امیر ہوں۔ تم مجھے پانی پلاؤ؟ حاتم اصم کی بیوی نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا کہ الٰہی! تیری شان کا کیا کہنا؟ رات بھر تو ہم بھوکے رہے اور دن کو ہمارے دروازے پر شہر کا حاکم کھڑا پانی کا سوال کر رہا ہے۔ عورت نے ایک نیا مٹی کا پیالہ پانی سے بھر کر پیش کر دیا اور یہ عذر کیا کہ ہمارے پاس اس سے اچھا کوئی برتن نہیں ہے۔ حاکم شہر کو پانی میں بڑا مزہ آیا۔ اس نے پوچھا کہ کیا یہ کسی رئیس کا گھر ہے؟ ساتھیوں نے کہا کہ نہیں یہ ایک عالم دین کا مکان ہے جن کا نام حاتم اصم ہے۔ حاکم شہر نے کہا کہ غالباً یہ انہیں حاتم اصم کا مکان ہے جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ مفلسی کے باوجود حج کو چلے گئے؟ ساتھیوں نے کہا کہ جی ہاں! یہ سن کر حاکم شہر نے کہا کہ جواں مردی کی بات نہیں ہے کہ ہم جیسے دولت مندان جیسے غریبوں پر بار بنیں۔ حاکم شہر نے فوراً اپنی کمر کا پٹکا کھولا اور مکان کے اندر پھینک دیا پھر اس کے ساتھیوں نے بھی اپنا اپنا پٹکا کھول کر گھر میں ڈال دیا اور کہا کہ اے گھر والو! یہ سب پٹکے تم لوگوں کو عطا کئے گئے اور بہت جلد ہم ان کی قیمت بھیج کر تم سے ان پٹکوں کو خرید لیں گے۔ چنانچہ حاکم شہر نے اپنے گورنمنٹ ہاؤس میں پہنچ کر ایک کثیر رقم بھیجی اور ان پٹکوں کو خرید لیا۔ اس طرح حاتم اصم کے گھر والے دولت سے مالا مال ہو گئے۔

ادھر حاتم اصم کا یہ حال ہوا کہ آپ جس قافلہ کے ساتھ سفر کر رہے تھے اتفاق سے امیر قافلہ بیمار ہو گیا۔ لوگوں نے کسی طبیب کو تلاش کیا مگر کوئی علاج کرنے والا نہیں ملا۔ امیر قافلہ نے حکم دیا کہ اگر قافلہ میں کوئی مرد صالح ہو تو بلاؤ۔ شاید اس کی دعا سے مجھے شفاء حاصل ہو جائے۔ لوگوں نے حاتم اصم کو بلایا۔ آپ نے امیر قافلہ کے لئے دعا فرمائی اور وہ فوراً ہی شفایاب ہو گیا۔ امیر قافلہ نے خوش ہو کر حاتم اصم کے لئے سواری اور کھانے پینے اور تمام اخراجات سفر کا سامان کر دیا۔ حاتم اصم کو اس رات فکر دامن گیر ہو گئی کہ خداوند عالم نے میرے لئے تو غیب سے سارا سامان فرما دیا مگر میرے بچوں کا کیا حال ہوگا؟ اسی فکر میں سو گئے۔ تو خواب میں یہ دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ اے حاتم اصم! جو اپنا معاملہ ہمارے ساتھ اچھا رکھتا ہے۔ ہم بھی اپنا معاملہ اس کے ساتھ اچھا ہی رکھتے ہیں۔ تم اہل و عیال کی فکر نہ کرو۔ تم سے پہلے ان کا انتظام ہو چکا ہے۔ حاتم اصم نے خدا کا شکر ادا کیا اور جب حج سے واپس لوٹے تو اپنی چھوٹی بچی کو گلے لگا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

بڑی عمر کو دیکھ کر نظر عنایت نہیں فرماتا بلکہ جس کی معرفت بڑی ہو اس پر نظر عنایت فرماتا ہے۔ اگر اس کی عمر چھوٹی ہی کیوں نہ ہو(1)۔

تبصرہ:۔اس میں کوئی شک نہیں کہ مومن کی سب سے زیادہ کامیاب تدبیر اور مومن کا سب سے بڑھ کر طاقتور ہتھیار خدا پر توکل ہے۔ مولیٰ عزوجل کا ارشاد ہے کہ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہے اور قرآن مجید میں بار بار پروردگار عالم نے توکل کرنے والے بندوں کی مدح و ثنا بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یعنی اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اسی طرح دوسری آیتوں اور حدیثوں میں بھی "متوکلین" کے فضائل و مناقب کا بکثرت بیان ہے۔

"توکل" کے معنی ہیں خدا پر بھروسہ رکھنا، یعنی رنج و راحت نعمت و مصیبت، فقیری و امیری، تندرستی و بیماری، عزت و ذلت، غرض ہر حالت میں مومن یہ بھروسہ اور اعتماد رکھے کہ وہی ہو کر رہے گا جو کچھ خداوند قدوس چاہے گا۔ میں اور ساری دنیا لاکھ تدبیریں کر ڈالیں مگر بغیر میرے مولیٰ کی مرضی کے ایک ذرہ بھی نہیں ٹل سکتا اور ساتھ ہی یہ مضبوط اعتقاد رکھے کہ میرا رب میرے ساتھ جو کچھ بھی کرتا ہے یا کرے گا یقیناً اس میں میری بہتری اور بھلائی ہی ہو گی۔

جب توکل کے معنی یہ ہوئے کہ "ہر حال میں خدا پر بھروسہ رکھنا" تو یاد رکھئے کہ جس طرح ایک ٹوٹی چٹائی پر بیٹھ کر ایک فقیر خدا پر توکل کر سکتا ہے۔ اسی طرح ایک حکومت کا تاجدار بھی اپنے تخت شاہی پر بیٹھ کر بھی توکل کی فضیلت حاصل کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ایک شہنشاہ تمام ذرائع و اسباب اور ہر قسم کی نعمت و دولت کا مالک ہونے کے باوجود اپنے دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ یہ ساری نعمتیں، تمام دولتیں، کل طاقتیں اسی وقت میرے کام آسکتی ہیں جب میرا مولیٰ چاہے گا۔ ان چیزوں پر ذرہ برابر اعتماد اور بھروسہ نہ رکھے تو یقیناً وہ شہنشاہ ہونے کے باوجود "متوکل" ہے اور اگر کوئی مسکین جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو مگر اس کا بھروسہ خدا پر نہیں ہے بلکہ وہ یہ اعتقاد و اعتماد رکھتا ہے کہ جب مجھے بھوک لگے گی تو میں دس گھروں میں چکر لگا کر اور بھیک مانگ کر ضرور اپنا پیٹ بھر لوں گا۔ اس کا اعتقاد اور دھیان اس طرف نہیں ہے کہ بھیک مانگنے کے باوجود بھی مجھے روٹی اس وقت ملے گی جب خدا مجھے روٹی دے گا تو یقیناً یہ شخص مسکین اور بھکاری

1۔ مستطرف ج1 ص64۔

ہونے کے باوجود "متوکل" نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہاں! اس مقام پر ایک بڑا ہی خاص نکتہ یہ بھی ذہن نشین کرا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس زمانے میں بعض فقیری اور درویش کا دعویٰ کرنے والے پیروں نے اپنے عمل و کردار سے توکل کی ایک ایسی غلط تصویر دنیا کے سامنے پیش کر رکھی ہے جو سراسر معنی توکل کے بالکل ہی خلاف ہے۔ اس دور میں بعض لوگوں نے توکل کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ کوئی کام دھندا اور کوئی کمائی نہ کرے اور دن رات ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہے اور مفت کی روٹیاں کھاتا رہے۔ اس کا نام توکل ہے۔ حالانکہ یہ توکل کا اتنا غلط تصور ہے۔ جو قرآن و حدیث کی تعلیم کے بالکل ہی خلاف ہے کیونکہ خداوند عالم اور اس کے پیارے حبیب ﷺ نے مومنین کو رزق حلال کی طلب کے لئے جدوجہد اور کسب معاش کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔ لہٰذا یاد رکھئے کہ توکل کے لئے یہ ضروری ہے کہ عمل، جدوجہد اور اپنی طاقت بھر پوری پوری کوشش کر لینے کے بعد خدا پر توکل رکھنا چاہئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک صحابی نے دربار رسول میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں اونٹ کے پاؤں کی رسی باندھ کر توکل کروں یا اونٹ کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں کہ خدا اس کی حفاظت فرمائے گا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا فرمایا؟ اس کو ذرا بغور سنئے ۔

گفت پیغمبر بہ آواز بلند   بر توکل پائے اشتر را بہ بند

یعنی حضور اکرم ﷺ نے اس سوال کرنے والے سے بہ آواز بلند یہ فرمایا پہلے تم اونٹ کے پاؤں میں رسی باندھ لو اور اپنی طاقت بھر اس کی حفاظت کی کوشش کر لو پھر اس کے بعد خدا پر توکل اور بھروسہ کرو کہ وہی حفاظت کرنے والا ہے اور بغیر اس کی حفاظت کے کوئی حفاظت کار آمد نہیں ہو سکتی۔

حضور اقدس ﷺ کا یہ جواب، بتلا رہا ہے کہ خدا پر توکل کرنے کا حقیقی مفہوم یہی ہے کہ بندہ اپنی پوری پوری عملی جدوجہد کرے پھر اس کے بعد خدا پر توکل کرے۔ کاہلی اور سستی سے بے عمل بن کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور پھر یہ کہے کہ میں نے خدا پر توکل کر لیا ہے۔ یہ معنی توکل کا مذاق اڑانا اور قرآن و حدیث کے مفہوم حق کو مسخ کر دینا ہے۔ توبہ، نعوذ باللہ منہ۔ لہٰذا خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ بندہ اپنی پوری پوری عملی جدوجہد اور سعی پیہم کر لینے کے بعد پھر خدا پر بھروسہ رکھے۔ یہی "توکل" کا حقیقی مفہوم ہے۔ جو بلاشبہ مومن کے لئے بہت ہی

بڑا فتح و کامرانی اور فلاح و کامیابی کا سامان ہے حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے کتنے واضح اور صاف صاف لفظوں میں اس مضمون کو ارشاد فرمایا ہے کہ ؎

گر توکل می کنی دو کار کن　　کار کن پس تکیہ برجبار کن

یعنی اگر تم توکل کرتے ہو تو دو کام کرو۔ پہلا کام تو یہ کہ تم اپنا کام کر لو۔ پھر دوسرا کام یہ ہے کہ اپنا کام پورا کر لینے کے بعد بھروسہ حضرت جبار پر رکھو جو سارے عالم کا پروردگار اور سب کا کارساز ہے!

مگر افسوس کہ اس دور کے مولویوں اور صوفیوں کا یہ حال ہو گیا ہے کہ ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں　　ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

حیات جاودانی

حضرت ابو بکر بن خیاط علیہ الرحمۃ سے منقول ہے۔ انہوں نے بیان فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ خواب میں یہ دیکھا کہ گویا میں قبرستان میں داخل ہوا ہوں اور تمام مردے اپنی اپنی قبروں میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ان لوگوں کے سامنے پھول رکھے ہوئے ہیں۔ اتنے میں اچانک میری نظر اٹھی تو میں نے دیکھا کہ حضرت معروف کرخی علیہ الرحمہ بھی ان مردوں کے درمیان ٹہل رہے ہیں۔ میں نے انہیں پہچان کر ان سے دریافت کیا کہ اے ابو محفوظ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ آپ کی تو وفات ہو چکی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس میں کیا شک کہ میرا انتقال ہو چکا ہے لیکن کیا تم نے یہ شعر نہیں سنا ہے۔ پھر انہوں نے یہ شعر پڑھ کر مجھے سنایا کہ:

"یعنی متقی کی موت ایسی زندگانی ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے ایک قوم ایسی ہے کہ مرنے کے بعد بھی لوگوں میں زندہ ہے۔"

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی مشہور بزرگ ہیں اور علم و عمل کے لحاظ سے اپنے دور کے عدیم المثال اور یکتائے دہر مقدس ہستی ہیں۔ انتہائی مستجاب الدعوات اور صاحب کرامت بزرگ ہیں اور زہد و ترک دنیا میں بھی اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے مرض الموت میں یہ وصیت فرمائی تھی کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو تم لوگ میرے اس کرتے کو بھی صدقہ کر دینا۔ میں چاہتا ہوں کہ جس طرح میں ننگے بدن میں آیا تھا اسی طرح میں ننگے بدن دنیا سے جاؤں۔

ایک سخی کی قبر

چند عرب ایک سخی کی قبر کی زیارت کے لئے گئے اور قبر کے پاس ہی رات کو سو گئے۔ ایک شخص نے رات میں یہ خواب دیکھا کہ صاحب قبر اس سے فرما رہے ہیں کہ کیا تم اپنا اونٹ میری اونٹنی کے بدلے بیچو گے؟ اس نے کہہ دیا کہ جی ہاں۔ چنانچہ سودا طے ہو گیا اور بیع مکمل ہو گئی۔ پھر صاحب قبر نے میرے اونٹ کو ذبح کر دیا۔ ایسا خواب دیکھ کر یہ شخص چونک کر اٹھ بیٹھا۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ واقعی اس کا اونٹ ذبح کیا ہوا پڑا ہے اور تازہ تازہ خون بہہ رہا ہے۔ چنانچہ اس شخص نے اٹھ کر اونٹ کی کھال اتاری اور گوشت پکایا اور سب ساتھیوں نے شکم سیر ہو کر کھایا۔ پھر دوسرے دن جب یہ قافلہ روانہ ہوا تو راستے میں ایک شتر سوار ملا اور اس نے خواب دیکھنے والے کا نام پکارا کہ تم میں فلاں فلاں کون شخص ہے؟ خواب دیکھنے والے نے کہا کہ وہ میں ہوں۔ تو اس نے کہا کہ فلاں شخص کے ہاتھ تم نے اپنا اونٹ ایک اونٹنی کے بدلے بیچا ہے؟ یہ سن کر خواب دیکھنے والے نے اپنا پورا پورا خواب بیان کر دیا تو شتر سوار نے کہا کہ لیجئے صاحب قبر کی یہی وہ اونٹنی ہے جس کے بدلے اس نے تم سے تمہارا اونٹ خریدا ہے۔ میں اسی صاحب قبر کا بیٹا ہوں۔ اس نے مجھ کو خواب میں یہ فرمائش کی ہے کہ میں نے فلاں بن فلاں کے ہاتھ اونٹنی اس کے ایک اونٹ کے بدلے فروخت کر دی ہے اور میں نے اس اونٹ کو ذبح کر کے اس کی اور اس کے ساتھیوں کی دعوت کر دی ہے۔ لہٰذا اگر تم میرے بیٹے ہو تو فوراً میری اونٹنی اس شخص کو دے دو۔ چنانچہ میں یہ اونٹنی لے کر تمہاری تلاش میں نکلا ہوں۔

تبصرہ:۔ مذکورہ بالا دونوں واقعات اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ صالحین وفات کے بعد اپنی قبروں میں بھی خداداد کراماتی قوتوں سے طرح طرح کے تصرفات فرماتے رہتے ہیں اور اس آخری واقعہ سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ زندگی میں اللہ والوں کا جو محبوب مشغلہ ہوتا ہے وفات کے بعد بھی وہ اپنے اس محبوب مشغلہ میں مشغول رہا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ شخص اپنی دنیاوی حیات میں چونکہ بڑا ہی سخی اور مہمان نواز تھا تو وفات کے بعد بھی اپنی قبر پر آنے والے مہمانوں کی نہایت ہی شاندار مہمان نوازی فرمائی۔ سچ ہے کہ انسان کی فطری خصلتیں اور طبعی عادتیں، رنج و راحت، فقیری و امیری یہاں تک کہ موت و حیات کی حالت میں بھی نہیں بدلا کرتی ہیں۔ شفیق جونپوری مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے کہ

فقیری میں بھی اپنی شان سلطانی نہیں جاتی　　غلامی ہے، مگر خوئے جہاں بانی نہیں جاتی

ایک حاجی کی دعا

قاسم بن عثمان جو بہت ہی صاحب علم و عمل بزرگ تھے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو بیت اللہ شریف کا طواف کرتے دیکھا کہ صرف ایک ہی دعا پڑھا تا تھا۔ بار بار یہی دعا میں اس کی زبان سے سنتا تھا کہ: اَللّٰھُمَّ قَضَیْتَ حَاجَۃَ الْمُحْتَاجِیْنَ وَحَاجَتِیْ لَمْ تُقْضَ یعنی اے اللہ! تو نے سب محتاجوں کی حاجت پوری فرمادی اور میری حاجت نہیں پوری ہوئی۔ قاسم بن عثمان کہتے ہیں کہ میں نے اس شخص سے یہ دریافت کیا کہ تم اس کلام کے سوا کوئی دوسری دعا دربار الٰہی میں عرض نہیں کرتے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس نے بتایا کہ ہم سات آدمی ایک ساتھ جہاد میں گئے اور ہم سب کے سب کفار کے ہاتھوں زندہ گرفتار ہو گئے۔ کافروں نے ہم ساتوں کو میدان میں لے جا کر قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ میں نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تو مجھے یہ نظر آیا کہ آسمان میں سات دروازے کھلے ہیں اور ہر دروازے پر ایک حور کھڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ جیسے ہی ہمارا ایک ساتھی کفار کی تلوار سے شہید ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ایک حور فوراً ہی ہاتھ میں ایک رومال لئے ہوئے شہید کی روح کو لینے کے لئے زمین پر اتر پڑی۔ اس طرح میرے چھ ساتھی شہید کئے گئے اور سب کی روحوں کو لینے کے لئے ایک ایک حور اترتی رہی جب میرے قتل کی باری آئی تو کافر بادشاہ کے ایک مقرب درباری نے مجھ کو بادشاہ سے اپنی خدمت کے لئے مانگ لیا اور میں قتل سے بچ گیا۔ تو میں نے سنا کہ ایک حور نے کہا اے محروم! کیا بات ہو گئی کہ تو اس فضیلت سے محروم رہا؟ پھر آسمان کے سب دروازے بند ہو گئے۔ تو اے بھائی! میں آج تک اپنی محرومی پر ہر وقت افسوس کرتا رہتا ہوں اور میری دعا کا یہی مطلب ہے کہ اے اللہ! سب محتاجوں کی حاجت تو نے پوری فرمادی مگر میری حاجت پوری نہیں ہوئی۔

قاسم بن عثمان نے فرمایا کہ میرے نزدیک ان ساتوں خوش نصیبوں میں سب سے افضل یہی ساتواں ہے جو قتل سے بچ گیا کیونکہ اس نے وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا جو دوسروں نے نہیں دیکھا۔ پھر یہ زندہ رہا اور انتہائی ذوق و شوق سے عمل خیر کرتا رہا (1)۔

تبصرہ:۔ حوریں، حوروں کے رومال اور جنت کی دوسری نعمتیں یہ عالم آخرت سے تعلق رکھتی

1۔ مستطرف ج 1 ص 142۔

ہیں ان چیزوں کو دنیا میں سر کی آنکھوں سے کوئی عام آدمی ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ہاں البتہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو اپنے انبیاء علیہم السلام کو بطریق معجزہ یا اپنے محبوب بندوں کو کرامت کے طور پر جنت کی نعمتوں کا معائنہ و مشاہدہ کرادیتا ہے۔ بلاشبہ یہ اس مرد مجاہد کی کرامت ہے کہ اس نے حوروں کو اس دنیا میں اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ سبحان اللہ! ایک اللہ والے مومن کامل کی نگاہ بصیرت و چشم معرفت کا کیا کہنا؟ کاش مومن کو اپنی عظمت و برتری کا احساس ہو جائے۔ تو اس کی ہر سانس خداوند قدوس کے تشکر و امتنان کی دولت سے مالا مال اور تمام عمر اس کی پیشانی عبودیت معبود حقیقی کے سجدۂ شکر میں سجدہ ریز ہے۔ اسی سربلندی مومن کا احساس دلاتے ہوئے ڈاکٹر اقبال نے اپنے چار مصرعوں میں کیا خوب کہا ہے کہ ؎

ترا جوہر ہے نوری پاک ہے تو — فروغ دیدۂ افلاک ہے تو
ترے صید نظر فرشتہ و حور — کہ شاہین شہ لولاک ہے تو

دربار رسول میں سلام

ابن ابی بلال خزاعی جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو عبدالاعلیٰ محدث ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور ان سے یہ فرمایا کہ اے ابن ہلال! جب تم وفات کے بعد حضور اقدس ﷺ کے دیدار پر انوار سے مشرف ہونا تو میرا سلام عرض کر دینا اور اگر ہو سکے تو مجھے اس کی اطلاع بھی ضرور دینا کہ میرا سلام بارگاہ رسالت میں قبول ہوا یا نہیں۔ چنانچہ ابن ابی بلال کا وصال ہو گیا اور وصال کے تیسرے دن اس کی بیوی ام عبداللہ نے انہیں خواب میں دیکھا تو انہوں نے فرمایا کہ اے بیوی! میں تو وفات پا ہی گیا لیکن تمہیں دو باتوں کی اطلاع دیتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ آج سے تیسرے دن میری بچی کا بھی انتقال ہو جائے گا اور دوسری بات یہ کہ تم عبدالاعلیٰ محدث کے پاس یہ اطلاع کرادینا کہ میں نے آپ کا سلام حضور انور ﷺ کے دربار میں عرض کر دیا تو آپ کا سلام دربار رسالت میں شرف قبولیت سے سرفراز ہو گیا۔ چنانچہ ابن ابی بلال کی بیوی نے اپنے بھائی "ابوالزاہریہ" کے ذریعے عبدالعلی محدث کے پاس یہ پیغام پہنچادیا(1)۔

تبصرہ:۔ یہ حکایت بہ بانگ دہل اعلان کرتی ہے کہ عبدالاعلیٰ جیسے مایہ ناز محدث و علماء دین کا یہ عقیدہ تھا کہ مومنین صالحین وفات کے بعد حضور رحمۃ العالمین ﷺ کے شرف دیدار سے

1۔ شرح الصدور ص 115۔

سر فراز ہوتے ہیں اور بارگاہ رسالت میں سلام و کلام بھی عرض کرتے ہیں اور ان کی خداوند عالم یہ طاقت بھی عطا فرماتا ہے کہ وہ دنیا والوں کو اپنا پیغام بھی ارسال کر سکتے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر ان کا یہ اعتقاد نہ ہوتا تو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں ہدیہ سلام کیوں ایک وفات پانے والے کے ذریعے ارسال خدمت کرتے اور پھر یہ بھی کہتے کہ تم مجھے مطلع کر دینا کہ میرا اسلام دربار رسالت میں مقبول ہوا یا نہیں؟ اور بلاشبہ یہ عقیدہ حق اور یہ اعتقاد برحق ہے کیونکہ قرآن و حدیث کے انوار تجلیات سے یہ مسئلہ نورٌ علیٰ نور ہے کہ مقبولان بارگاہ الٰہی کی موت و حیات عام انسانوں کی موت و حیات کے مثل نہیں ہے بلکہ ان پاک نفوس کی موت در حقیقت ان کی حیات جاودانی کا دروازہ ہے کہ یہ موت کے دروازے سے داخل ہو کر ایک عالم حیات کے باشندے بن جاتے ہیں جہاں موت کا گزر ہی نہیں ہوتا۔

مگر افسوس کہ آج ان نفوس قدسیہ کے وجود سے رفتہ رفتہ ملک خالی ہوتا جا رہا ہے اور ایسی مقدس ہستیوں کا باوجود تلاش و جستجو کے بھی دور دور تک کہیں سراغ نہیں ملتا۔ اس لئے اب تو بار بار زبان پر یہ دعا آتی رہتی ہے کہ ؎

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی
کتنے ہی سال سے ہیں ہند کے میخانے میں اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی
شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تہی رہ گئے "صوفی و ملا" کے غلام اے ساقی

روشن ضمیری

جناب سید ایوب علی صاحب رضوی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قبلہ بریلوی قدس سرہ العزیز سے دریافت کیا کہ "اسم اعظم" کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہر شخص کے لئے اسم اعظم جدا جدا ہے۔ ہر شخص کے نام میں جو حروف ابجد ہیں۔ ابجد کے قاعدہ سے ان حروفوں کے اعداد کا مجموعہ نکال کر اس عدد کے مطابق خداوند تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام یا دو نام اس عدد کی دوگنی تعداد بڑھا کر پڑھا کریں تو یہ باری تعالیٰ کا اسم مبارک اس شخص کے حق میں "اسم اعظم" کا کام کرے گا۔ مثلاً "ایوب علی" کے اعداد 129 ہیں اور "لطیف" کے اعداد 129 ہیں تو اگر ایوب علی صاحب روزانہ 258 بار "یا لطیف" پڑھتے رہیں تو یہ ان کے حق میں "اسم اعظم" ہے۔ پھر تمام حاضرین سے بلا تکلف یہ فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ

کا فلاں نام تمہارے لئے اسم اعظم ہے۔ صرف برادرم "قناعت علی" کا اسم اعظم نہیں بیان فرمانے پائے تھے کہ عصر کی اذان ہو گئی اور جلسہ برخاست ہو گیا۔ برادرم قناعت علی اپنی محرومی پر دل ہی دل میں افسوس کر رہے تھے اور بار بار امید لگاتے تھے کہ شاید اب حضور فرمائیں۔ یہاں تک کہ مغرب کی اذان ہوئی اور حضور مسجد کی شمالی فصیل پر تشریف فرما تھے۔ اس وقت برادرم قناعت علی بالکل مایوس ہو گئے اور ان کے دل میں یہ وسوسہ آ گیا کہ آج پہلی مثال ہے کہ میں محروم رہا جاتا ہوں حضور نے اپنے نور بصیرت سے فوراً ہی اس وسوسہ کو معلوم فرما لیا اور مصلے پر کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ سے پہلے قناعت علی صاحب کی طرف رخ کر کے ارشاد فرمایا کہ سید صاحب آپ کے لئے اسم اعظم یاخلاق یااللہ ہے(1)۔

تبصرہ:۔ سبحان اللہ! اللہ اس نور فراست اور روشن ضمیری کا کیا کہنا؟ کہ ادھر دل میں وسوسہ آیا ادھر انکشاف ہو گیا اور دم زدن میں ان کی امید و تمنا پوری ہو گئی۔ اس میں شک نہیں کہ علماء حق کو خداوند عالم نے بڑی بڑی کرامتوں سے نوازا ہے۔ علماء حق اور صوفیاء برحق کا یہی وہ نور فراست ہے جس کے متعلق حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ یعنی مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھ لیتا ہے۔ مگر افسوس کہ آج کل کے ہمارے جیسے علماء کہلانے والوں کے سینوں کے صندوق اور دلوں کی تجوریاں اس دولت بے بہا سے خالی ہو گئیں اور ایسا منحوس دور آ گیا کہ ڈاکٹر اقبال کو زمانے کا ماحول اور دور حاضر کا رخ دیکھ کر یہ کہہ دینا پڑا کہ ؎

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری — رہا صوفی، گئی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب و جگر مانگ — نہیں ممکن امیری بے فقیری

لکڑی سونا ہو گئی

شیخ الحدیث محمد بن اسلم طوسی علیہ الرحمہ متوفی 242ھ جن کا تذکرہ ہم نے اپنی کتاب "اولیاء رجال الحدیث" میں تحریر کیا ہے۔ بہت ہی بلند پایہ محدث ہیں اور خلق قرآن کے مسئلہ پر دو برس تک قید و بند کی سختیاں اور کوڑوں کی سزائیں بھی برداشت فرماتے رہے۔ انتہائی متبع سنت و پابند شریعت بزرگ ہیں۔ عام طور پر لوگ انہیں طبقہ ابدال کے اولیاء میں شمار کرتے تھے اور ان کی کرامتیں دیکھا کرتے تھے۔ ان کی یہ ایک بڑی مشہور کرامت یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی

1۔ حیات اعلیٰ حضرت ص143۔

کے قرض دار ہو گئے۔ یہودی نے بہت سخت تقاضا کیا۔ آپ اس وقت حدیثیں لکھنے کے واسطے قلمیں بنا رہے تھے۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ اس وقت تو میرے پاس قلم کے تراشوں اور چھلکوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے جو تمہارا قرض ادا کروں۔ اگر تم چاہو تو ان تراشوں اور چھلکوں کو لے لو۔ یہودی یہ جواب سن کر مارے غصے کے طیش میں آ گیا۔ لیکن اس نے جب ان تراشوں کو دیکھا تو وہ بالکل خالص سونا بن چکے تھے۔ یہودی نے انہیں ہاتھ میں لے کر جو الٹ پلٹ کر دیکھا اور اس کو یقین ہو گیا کہ واقعی یہ قلم کے چھلکے سونا بن چکے ہیں تو وہ بہت شرمندہ ہو کر آپ کے قدموں پر گر پڑا اور اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا کہ جس دین میں ایسے ایسے باکمال بزرگ ہوں ان کی ایک نظر سے لکڑی سونا بن جائے یقیناً وہ دین حق اور سچا ہے(1)۔

میں کب مروں گا؟

حضرت داؤد طائی کا حال بھی ہم "اولیاء رجال الحدیث" میں مفصل تحریر کر چکے ہیں۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے بہت ہی مایہ ناز شاگرد رشید ہیں۔ حضرت امام ممدوح نے پہلے ہی ان کے بارے میں فرمادیا تھا کہ داؤد طائی تم عبادت کے ہو کر رہ جاؤ گے۔ چنانچہ واقعی حضرت داؤد طائی عبادت و ریاضت میں یکتائے روزگار ہوئے اور آپ سے بڑی بڑی کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید اپنے قاضی القضاۃ حضرت امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کو ہمراہ لے کر ان کی ملاقات کے لئے آیا اور آپ کے حقیقت افروز کلمات اور آپ کی مقدس زندگی سے انتہائی متاثر ہو کر اشرفیوں کی ایک تھیلی نذر کر کے عرض کیا کہ یہ مال حلال ہے اس کو آپ قبول فرمالیجئے۔ حضرت داؤد رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمام زندگی بادشاہوں اور امیروں کے نذرانوں سے پرہیز کرتا رہا ہوں اور ابھی میرے پاس اخراجات کے لئے اتنی رقم ہے جو میری زندگی بھر کے لئے کافی ہے اور میں نے خدا سے دعا مانگی ہے کہ یا اللہ! میری رقم جس دن ختم ہو جائے اسی دن مجھے وفات دے دینا۔ اس لئے امیر المومنین کی نذر قبول کرنے سے معذور ہوں۔ یہ سن کر ہارون رشید پر سکتہ طاری ہو گیا پھر حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ نے آپ کے خدام سے دریافت کیا کہ کل کتنی رقم ان کے پاس ہے؟ تو اس نے بتایا کہ دس اشرفیاں۔ پھر آپ نے پوچھا کہ ان کا روزانہ خرچ کتنا ہے؟ تو خادم نے بتایا کہ ایک دانق۔

1۔ ماخوذ از رسالہ آستانہ۔

حضرت امام ابویوسف خلیفہ بغداد کے ساتھ چلے آئے اور چند ماہ کے بعد ایک دن فرمانے لگے کہ غالباً آج حضرت داؤد طائی کا وصال ہو گیا۔ چنانچہ جب لوگوں نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ واقعی اسی دن آپ کا انتقال ہو گیا تھا۔ جب لوگوں نے حضرت امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ آپ کو ان کی وفات کا علم کیونکر ہوا؟ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے حضرت داؤد طائی کی دعا مقبول ہونے کا یقین تھا اور میں نے ان کی رقم اور خرچ کی مقدار کا حال ان کے خادم سے پوچھ لیا تھا اور برابر حساب لگاتا رہا کہ کس دن ان کی ساری رقم خرچ ہو جائے گی۔ چنانچہ جب میں نے اپنے حساب سے یہ سمجھ لیا کہ آج ان کی رقم ختم ہو گئی ہو گی۔ تو میں نے کہہ دیا کہ آج ان کی وفات ہو گئی ہو گی۔ کیونکہ انہوں نے یہی دعا مانگی تھی کہ الٰہی! جس دن میرا سرمایہ ختم ہو جائے اس دن مجھے دنیا سے اٹھا لینا۔ چنانچہ میرا حساب صحیح نکلا اور اسی دن ان کی وفات ہو گئی (1)۔

تبصرہ:۔ مذکورہ بالا دونوں واقعات اولیاء اللہ کے تصرفات و کرامات کے جو جلوے نظر آرہے ہیں وہ آفتاب عالم تاب کی طرح روشن ہیں۔ علماء حق و فقہا کی یہ کرامتیں عوام تو عوام بہت سے خواص بھی ان سے ناآشنا ہیں۔ چنانچہ عام طور پر لوگ حضرت خواجہ داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ کو ایک خانقاہی پیر یا صوفی سمجھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں اور علم حدیث و فقہ میں حضرت امام ابویوسف و حضرت امام محمد و حضرت امام زفر رحمہما اللہ تعالیٰ کے ساتھیوں میں سے ہیں اور مایہ ناز محدث و فقیہ اور نہایت ہی جید عالم، امام حدیث و فقہ ہیں۔ اب بھلا ان حقیقت افروز اور حق نما واقعات کی روشنی میں کون یہ کہہ سکتا ہے؟ کہ باکرامت اولیاء تو صرف فقیروں اور درویشوں میں ہوئے۔ علماء کی جماعت میں کوئی باکرامت بزرگ ہوا ہی نہیں۔ دیکھ لیجئے یہ سب آسمان ولایت کے روشن ستارے جماعت علماء ہی کے مقدس افراد ہیں۔ جن کے ذکر جمیل سے آپ کے گلشن ایمان میں بہار آرہی ہے۔ کیوں نہ ہو۔ اگر نائبین مصطفیٰ کے سروں پر ولایت و کرامت کا تاج نہ رکھا جائے گا۔ تو پھر کون ہے جو اس اکرام و اشراف سے نوازا جائے گا؟ اللہ اکبر! دور حاضر کے ان بے بصر اور بے خبر لوگوں کو کیا خبر؟ کہ

رسائی اہل دل کی ہے جہاں تک
خرد والے نہ پہنچیں گے وہاں تک

1۔ رسالہ آستانہ۔

مفرحات

خوش طبعی

دور حاضر کے بعض خشک مغز ملاؤں نے عوام پر اپنی تقدس مآبی کا سکہ بٹھانے کے لئے اپنے قول و عمل سے عوام کو یہ باور کرادیا ہے کہ مزاح و تفریح اور خوش طبعی و خوش مزاجی علماء کی شان کے خلاف ہے چنانچہ اس زمانے میں سب سے زیادہ وہی مولوی عوام کے لئے جاذب نظر و پسندیدہ سمجھا جاتا ہے جو ہر مجلس میں اپنے چہرے پر سنجیدگی و وقار کا مظاہرہ کرتے ہوئے نیچی نظر کئے خاموش "گڈا" بنا بیٹھا رہے نہ کبھی ہنسے نہ مسکرائے۔ نہ کوئی تفریح و مزاح کرے۔ نہ کبھی کسی سے خوش طبعی کی بات کرے مگر ہم نے اس کتاب کی جلد اول میں "تفریحات" کے زیر عنوان بڑی صفائی کے ساتھ یہ تحریر کردیا ہے کہ ایسا مزاح جس میں کذب نہ ہو، نہ کسی کی دل آزاری، نہ کوئی فحش کلامی ہو، نہ بے حیائی ہرگز ہرگز علماء کی شان کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ اس قسم کے مزاح اور تفریحات خود حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہیں اور صحابہ کرام اور تابعین کی مقدس جماعتوں نے بھی اس قسم کی تفریحات میں حصہ لیا ہے۔ بڑے بڑے جلیل القدر محدثین و فقہا بھی کبھی کبھی تفریحات کرتے اور ہنستے ہنساتے رہے ہیں۔ چنانچہ اس کے چند شواہد تو ہم جلد اول میں تحریر کر چکے ہیں۔ یہاں بھی بات آگئی ہے تو چند مثالیں حاضر ہیں تاکہ ان شواہد کی روشنی میں اس حقیقت کی نقاب کشائی ہو جائے کہ اس قسم کی جائز و مباح تفریحات نہ تو مذموم و معیوب ہیں نہ علماء کی شان کے خلاف۔ نہ یہ تقویٰ و تقدس کے منافی ہیں نہ اہل علم کے لئے عیب اور باعث عار۔

چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ سے بہت سے مزاح لطیف منقول ہیں۔ جس کی چند مثالیں ہم جلد اول میں تحریر کر چکے ہیں۔ سرکار رسالت کا اور بھی تفریحی مزاح سن لیجئے:۔

ایک انصاری عورت دربار رسالت میں حاضر ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ تم جاؤ

اور اپنے شوہر سے ملاقات کرو۔ اس کی دونوں آنکھوں میں سفیدی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ عورت گھبرائی ہوئی دوڑتی بھاگتی اپنے شوہر کے سامنے جاکر کھڑی ہو گئی اور اپنے شوہر کی آنکھوں کو بغور دیکھنے لگی۔ شوہر نے عورت کی گھبراہٹ اور توحش و پریشانی کو تاڑتے ہوئے دریافت کیا کہ خیر تو ہے؟ تمہاری اس وحشت اور گھبراہٹ کا کیا سبب ہے؟ عورت نے کہا کہ مجھ سے ابھی ابھی حضور اکرم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ تم اپنے شوہر کے پاس فوراً ہی جاؤ۔ اس کی دونوں آنکھوں میں سفیدی ہے۔ میں یہ سن کر گھبرائی ہوئی بھاگ کر آپ کو دیکھنے کے لئے آئی ہوں۔ یہ انصاری حضور انور ﷺ کے مزاج داں تھے۔ سمجھ گئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تفریح طبع کے لئے مزاح فرمایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد بالکل بجا ہے دیکھ لو۔ میری آنکھوں میں سفیدی بھی ہے اور سیاہی بھی۔ پتلی سیاہ ہے اور آنکھ کے ڈھیلے سپید ہیں یہ سن کر عورت کو اطمینان و سکون ہوا۔

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تفریحاً میرے ساتھ دوڑے تو میں دوڑ میں حضور ﷺ سے آگے نکل گئی۔ پھر چند برسوں کے بعد ایک مرتبہ میرا دوڑنے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مقابلہ ہوا تو چونکہ میرا بدن کچھ فربہ اور بھاری ہو گیا تھا اس لئے دوڑ میں اب کی مرتبہ میں پیچھے رہ گئی اور حضور ﷺ مجھ سے آگے نکل گئے۔ پھر میرے شانے پر ایک ہاتھ مارتے ہوئے خوش طبعی کے طور پر فرمایا کہ یہ تمہاری اس جیت کا بدلہ ہے۔

مشہور اور بلند پایہ تابعی محدث حضرت ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا صحابہ کرام بھی ہنسی مزاح فرمایا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں باوجودیکہ ان صحابہ کے دلوں میں مضبوط اور بلند پہاڑوں جیسا ایمان مستقیم تھا۔ پھر بھی یہ لوگ تفریح طبع کے لئے ہنسی اور مزاح فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ صحابہ میں حضرت نعیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اس قدر مزاح پسند اور ہنسنے والے صحابی تھے کہ ان کے بارے میں عام طور پر یہ مشہور تھا کہ یہ جنت میں بھی ہنستے ہوئے داخل ہوں گے۔ اسی طرح عطا بن سائب کا بیان ہے کہ خیر التابعین اور سند المحدثین حضرت سعید بن جبیر تابعی جب وعظ بیان کرتے تھے تو لوگوں پر خوف الٰہی سے ایسی رقت طاری ہو جاتی تھی کہ حاضرین زار و قطار رونے لگتے تھے۔ پھر اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وہ اخیر میں

کوئی ایسا دلچسپ لطیفہ سنادیا کرتے تھے کہ ہم سب سامعین ہنسنے لگتے۔ اسی طرح دور تابعین میں ایک عالم جو اپنی پر تاثیر تقریروں کی وجہ سے "تاج الوعظ" کے معزز لقب سے مشہور و ممتاز تھے۔ ایسا پر اثر وعظ بیان فرماتے تھے کہ حاضرین مجلس ان کا وعظ سن کر جوش تاثر میں روتے روتے نڈھال ہو جاتے تھے۔ پھر وعظ کے خاتمہ پر وہ کچھ ایسے نادر لطائف و ظرائف سنادیا کرتے تھے کہ لوگ ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو جایا کرتے تھے۔

حضرت علامہ ابن سیرین کی حدیث دانی و فقاہت، تقویٰ و تقدس تمام عالم میں مشہور ہے۔ ان کی جلالت علم اور عظمت عمل کا محدثین و فقہا کی دنیا میں ہر طرف ڈنکا بج رہا ہے۔ ان کے متعلق منقول ہے کہ مجمع عام میں کبھی ہزل گو شاعر کا یہ شعر پڑھ کر اس قدر ہنستے اور ہنساتے تھے کہ ان کے منہ سے لعاب بہنے لگتا تھا۔ وہ شعر یہ ہے کہ ؎

اُنْبِئْتُ اَنَّ فَتَاةً كُنْتُ اَخْطِبُهَا

عُرْقُوْبُهَا مِثْلُ شَهْرِالصَّوْمِ فِي الطُّوْلِ

یعنی لوگوں نے مجھ کو یہ خبر دی ہے کہ وہ نوجوان عورت جس کو میں نے نکاح کا پیغام دیا تھا اس کی ایڑی رمضان کے مہینے کی طرح لمبی ہے(1)۔

چنانچہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معرکۃ الآراء "تصنیف الاذکیاء" میں فرمایا کہ میں نے اپنی کتاب میں چند احمقوں کے لطائف اسی لئے تحریر کر دیئے ہیں کہ ہمیشہ خالی سنجیدہ ہی گفتگو سنتے سنتے کبھی کبھی نفس انسانی اکتا جاتا ہے۔ تو اس کا علاج یہی ہے کہ چند دلچسپ لطائف و ظرائف اور تفریحی مضامین بھی پیش کر دیئے جائیں تاکہ سامعین کا دل تھوڑی دیر تفریح و مزاح سے بہل جائے اور نفس کی کبیدگی اور تھکاوٹ دور ہو کر طبیعت میں نشاط پیدا ہو جائے۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں جب حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ جب ہم آپ کے وعظ و تذکیر کی مجالس میں حاضر رہتے ہیں تو ہم پر خوف و خشیت خداوندی کا ایسا غلبہ رہتا ہے کہ گویا جنت و جہنم ہماری نظروں کے سامنے ہے۔ لیکن جب ہم اپنی بیویوں اور بچوں کے پاس جاتے ہیں اور دنیاداری کے معاملات میں پڑ جاتے ہیں تو یہ حضوری کی کیفیت زائل ہو جاتی ہے اور ہم ہنسنے ہنسانے بھی لگتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا

1۔ مستطرف ج2 ص232۔

کہ اگر تم اسی حضوری کی کیفیت میں ہمیشہ رہتے تو فرشتے تم سے تمہارے بچھونوں پر آکر مصافحہ کرتے لیکن ہونا چاہئے کہ گھڑی بھر ایسے رہو اور گھڑی بھر ایسے بھی رہا کرو۔ یعنی ہر وقت خوف خداوندی سے تم لوگ سنجیدہ اور غمگین ہی رہا کرو۔ یہ ضروری نہیں ہے بلکہ کبھی کبھی خوش طبعی اور ہنسی مزاح سے اپنے قلب کو راحت بھی پہنچایا کرو۔ چنانچہ حضور ﷺ نے بھی فرمایا کہ رَوِّحُوا قُلُوبَكُمْ بِطَرَائِفِ الْحِكَمِ یعنی کبھی کبھی حکیمانہ دلچسپ لطائف سے اپنے قلوب کو راحت پہنچایا کرو۔ اسی طرح صحابہ کرام کا معمول تھا کہ جب احادیث بیان کرتے کرتے تھکاوٹ محسوس ہونے لگتی اور قلب میں کچھ کبیدگی اور اکتاہٹ کے آثار نمودار ہونے لگتے تو تھوڑی دیر طبیعت کا ذوق بدلنے کے لئے شعر و شاعری کا مشغلہ شروع کر دیتے اور اشعار عرب سے دل بہلا لیا کرتے تھے۔ حضرت ابوالدرداء صحابی دوران درس میں کبھی کبھی کچھ تفریحات فرمایا کرتے تھے اور ارشاد فرمادیتے تھے کہ میں ان بیکار باتوں پر اپنے نفس کو اس لئے آمادہ کرتا ہوں اور یہ لطائف اس لئے سنادیا کرتا ہوں تاکہ تم لوگ کلام حق کو سنتے سنتے کہیں اکتا نہ جاؤ۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس و امام زہری و امام مالک بن دینار و امام شعبہ وغیرہ کا بھی طریقہ تھا کہ گھڑی بھر احادیث بیان فرمالینے کے بعد ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "حَمِّضُونَا" یعنی اب ہمیں ترشی چکھاؤ اور عرب کی داستانیں اور شعراء عرب کا کلام سنانا شروع کر دیتے تھے (1)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عوام کے ذہنوں میں جو یہ راسخ ہو گیا ہے کہ تفریح و مزاح اور خوش طبعی و خوش مزاجی علماء کے لئے یہ بہت بڑا عیب ہے۔ یہ بالکل ہی غلط ہے اور بعض ملائے مسجدی قسم کے مولوی صاحبان جو اپنے زہد و تقویٰ اور بزرگی و تقدس کا پروپیگنڈہ کرنے کے لئے ہر وقت تیوری چڑھائے ایسی صورت بنائے بیٹھے رہتے ہیں کہ گویا ابھی ابھی سو کر اٹھے ہیں یا دو چار لیموں ان کے منہ میں نچوڑ دیئے گئے ہوں۔ ہر وقت خاموش بیٹھے بس فرش زمین کو گھور گھور کر دیکھا کرتے تھے۔ نہ کسی سے خوش روئی کے ساتھ ملتے ہیں، نہ کبھی ہنستے یا مسکراتے ہیں اور اپنی ان حرکتوں کو اپنی تقدس مآبی کا نشان سمجھ کر خوش خلق و خوش طبع اور تفریح پسند علماء کو بہ نظر حقارت دیکھتے اور عوام کی نظروں میں انہیں "پھکڑباز" ظاہر کر کے اپنی بزرگی کا سکہ بٹھاتے رہتے ہیں۔ ایسے خشک ملا تو لوگ در حقیقت علماء سلف کی تواریخ زندگی و سوانح حیات سے بالکل ہی

1۔ ثمرات الاوراق ج1 ص159۔

ناواقف ہیں۔ چنانچہ اس نظریہ سے کہ کبھی کبھی مزاح لطیف کے ساتھ خوش طبعی کر لینا یہ علماء کے لئے نہ کوئی مذموم عادت ہے۔ نہ یہ زہد و تقویٰ کے منافی ہے۔ ہم تفریحات علماء کی چند حکایات تحریر کرتے ہیں۔ جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علماء سلف اپنی علمی جلالت اور علمی عظمت کے باوجود کتنے خوش مزاج اور خوش طبع تھے؟ اور ان کی تفریحات اور ان کی باغ و بہار طبیعت کی خوش مزاجیوں کے باوجود کسی مورخ نے ان کے دامن تقدس پر کوئی خفیف سا دھبہ بھی نہیں لگایا۔

صغیر کبیر سے بہتر ہے

قاضی حمید الدین ناگوری ہندوستان کے مشائخ متقدمین میں بہت ہی مشہور و ممتاز بزرگ ہیں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید و خلیفہ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے مصاحبین میں سے ہیں۔ جامع علوم شریعت و طریقت ہیں اور صاحب تصانیف عالم دین ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں "طوالع شموس" بہت ہی مشہور اور معرکتہ الاراء کتاب ہے لیکن اپنی اس جلالت شان کے باوجود آپ کی طبیعت بہت ہی ظریفانہ تھی اور کبھی کبھی احباب سے خوش طبعی اور مزاح بھی فرمالیا کرتے تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک دن آپ اور شیخ برہان الدین اور قاضی کبیر جو اپنے زمانے کے مشاہیر میں سے تھے۔ گھوڑوں پر سوار ہو کر جارہے تھے۔ جس گھوڑے پر قاضی حمید الدین سوار تھے وہ بہت چھوٹا تھا اور اپنے ساتھیوں کے گھوڑوں کی برابری نہ کرسکتا تھا۔ قاضی کبیر نے کہا کہ تمہارا گھوڑا بہت صغیر ہے۔ قاضی حمید الدین نے مزاح فرماتے ہوئے فوراً برجستہ جواب دیا کہ "مگر کبیر سے بہتر ہے۔" اس جملہ سے قاضی کبیر جھنیپ گئے (1)۔

شاید کوئی رسی ٹوٹ گئی

یزید بن مزید بہت ہی صاحب علم اور نہایت ہی سخی امیر تھا۔ ایک دن اس کے دستر خوان پر ایک بدوی آکر بیٹھ گیا۔ یزید بن مزید نے حاضرین دستر خوان سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے بھائی کے لئے جگہ کشادہ کردو۔ بدوی نے کہا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے اور اپنے دونوں ہاتھوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میرے خیمہ کی رسیاں بہت لمبی ہیں۔ میں دور ہی سے لپک لپک کر کھاتا ہوں

1۔ اخبار الاخیار ص 431۔

گا۔ چنانچہ جب کھانا دستر خوان پر رکھ دیا گیا اور بدوی نے ہاتھ بڑھا کر لقمہ اٹھانا چاہا تو اتفاقاً زور سے اس کی ریاح خارج ہو گئی تو یزید بن مزید نے فوراً ہی کہا کہ اے عربی بھائی! دیکھو۔ شاید تمہارے خیمہ کی کوئی رسی ٹوٹ گئی ہے (1)۔

مجنون طاق اور امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ

ایک مرتبہ مجنون طاق بالکل مادر زاد برہنہ ہو کر حمام میں غسل کر رہا تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ جب حمام میں داخل ہوئے تو مجنون طاق کو بالکل ننگا دیکھ کر حیا سے اپنی آنکھیں بند فرمالیں تو مجنون طاق نے آپ سے مذاق کرتے ہوئے کہا کے ابو حنیفہ! تم کو خدا نے اندھا کر دیا تو آپ نے بھی مزاح فرماتے ہوئے جواب دیا کہ جب سے خدا نے تمہارا پردہ چاک کر دیا (2)۔

دو قبرستانوں کے درمیان

ایک واعظ جو بہت ہی خوش طبع اور حاضر جواب تھے۔ لوگوں نے ان سے تفریحاً یہ سوال کیا کہ اگر کوئی نصرانی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ نہ پڑھے اور مر جائے تو اس کو نصرانیوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے یا مسلمانوں کے قبرستان میں؟ تو خوش مزاج واعظ نے تفریحاً برجستہ یہ جواب دیا کہ اس کو دونوں قبرستانوں کے درمیان میں دفن کرنا چاہئے تاکہ قبر میں بھی یہ شخص مذبذب ہی رہے۔ نہ ادھر کا رہے نہ ادھر کا (3)۔

چھت سجدہ نہ کرے

ایک عالم جو فقیہ تھے ایک کرایہ کے مکان میں رہنے لگے۔ مکان کی چھت بہت بوسیدہ اور کمزور ہو گئی تھی اور ہر وقت کڑیوں سے چڑچڑانے کی آواز آتی رہتی تھی۔ جب مالک مکان کرایہ لینے کے لئے آیا تو فقیہ صاحب نے فرمایا کہ تم پہلے اس مکان کی چھت درست کراؤ۔ اس میں سے ہر وقت چڑ چڑ کی آواز آتی رہتی ہے۔ مالک مکان نے کہا کہ حضرت! آپ بالکل نہ ڈریں۔ اس مکان کی چھت باری تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی رہتی ہے۔ فقیہ صاحب جو بہت ہی زندہ دل اور تفریح پسند تھے فوراً بول اٹھے کہ تسبیح میں تو خیر کوئی مضائقہ نہیں مگر کہیں تسبیح پڑھتے پڑھتے اس پر

1۔ مستطرف ج2 ص234۔ 2۔ ایضاً، جلد1، صفحہ 59 3۔ مستطرف، جلد2، ص246

رقت طاری ہو جائے اور وہ سجدہ میں چلی جائے تو پھر کیا ہوگا؟(1)۔

ہاتھ باندھ کر روزہ رکھ

ایک شخص ایک فقیہ عالم کے پاس فتویٰ لینے کے لئے آیا اور کہا کہ میں نے روزہ رکھا تھا پھر روزہ توڑ دیا۔ فقیہ نے فتویٰ دیا کہ تم اس روزہ کی قضا رکھو۔ اس نے کہا کہ جی میں نے قضا کا روزہ رکھا لیکن گھر والوں کے پاس گیا تو ایک لذیذ کھانا "ماموینہ" پکا ہوا رکھا تھا۔ بے اختیار میرا ہاتھ اس کھانے کی طرف بڑھ گیا اور میں نے کھا لیا۔ فقیہ صاحب نے فرمایا کہ دوسرے دن قضا رکھ لو۔ اس نے کہا کہ حضور میں نے دوسرے دن روزہ رکھا مگر جب گھر میں گیا تو لذیذ قسم کا حلوہ "ہریسہ" تیار کر کے رکھا ہوا تھا۔ پھر میرا ہاتھ اس پر پہنچ گیا اور میں نے اس میں سے کھا لیا۔ فقیہ صاحب ذرا ظریف مزاج کے تھے۔ ہنستے جواب دیا کہ اب تمہارے بارے میں یہ فتویٰ ہے کہ تم اپنا ہاتھ اپنی گردن میں باندھ کر روزہ رکھا کرو تا کہ تمہارا ہاتھ کھانے کی طرف بڑھنے نہ پائے(2)۔

ایک دلچسپ فتویٰ

ایک مسخرے نے کسی حاضر جواب اور خوش طبع مفتی سے یہ سوال کیا کہ نماز جنازہ عموماً میدانوں میں ہوا کرتی ہے تو اگر نماز جنازہ میں سجدہ سہو کرتے وقت کانٹا پیشانی میں چبھ جائے تو نماز کی حالت میں کس طرح اس کو نکالنا چاہئے؟ مفتی صاحب نے برجستہ جواب دیا کہ اس مسئلہ میں میرا فتویٰ ہے کہ اس کانٹے کو ہاتھ سے ہرگز ہرگز نہ نکالے بلکہ بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے اس طرح آہستگی کے ساتھ نکال لے کہ پیشانی زمین سے اٹھنے نہ پائے۔ ورنہ سجدہ سہو مکروہ ہو جائے گا یہ اور بات ہے کہ اس طرح کانٹا نکالنے میں شاید دوبارہ وضو کی حاجت پڑ جائے!

معن بن زائدہ کی تفریح

عباسی حکومت کا عراقی گورنر معن بن زائدہ جو اپنے فضل و کمال کے ساتھ ساتھ سخاوت میں بھی حاتم وقت تھا۔ بہت ہی خوش طبع اور ظریفانہ مزاج کا آدمی تھا۔ یہ ایک دفعہ شکار میں اپنے لشکر اور مصاحبین سے بچھڑ کر بہت دور نکل گیا اور ایک ہرنی کا شکار کر کے کھڑا تھا کہ ناگہاں سامنے سے ایک بوڑھا دیہاتی آدمی اپنے گدھے پر سوار ہو کر گزرنے لگا۔ معن بن زائدہ نے آگے بڑھ کر

1۔ایضاً، ص238۔ 2۔ایضاً، صفحہ 338

بڈھے کا استقبال کیا اور سلام کے بعد پوچھا کہ بڑے میاں کہاں سے آ رہے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟ بڈھے نے جواب دیا کہ میں ایسی زمین سے آ رہا ہوں۔ جو بیس برس سے قحط و خشک سالی کا شکار رہی ہے۔ امسال بیس برسوں کے بعد بارش ہوئی تو میں نے ککڑی کی کاشت کی اور قبل از وقت بہت ہی عمدہ اور نفیس ککڑیاں پیدا ہو گئیں تو میں چن چن کر بہت ہی اچھی اچھی ککڑیاں معن بن زائدہ کے دربار میں تحفہ پیش کرنے کے لئے لے جا رہا ہوں۔ غریب بڈھے کو خبر نہیں تھی کہ وہ معن بن زائدہ ہی سے بات کر رہا ہے۔ بڈھے نے یہ بھی کہا کہ معن بن زائدہ بہت سخی اور غریب پرور انسان ہے اس لئے اس کے دربار میں تحفہ لے کر جا رہا ہوں۔ شاید وہ مجھ پر بھی کچھ احسان فرمائے اور اپنی سخاوت و بخشش سے مجھے بھی کچھ نواز دے۔ معن بن زائد نے بڈھے سے پوچھا کہ اچھا بتاؤ کہ تمہیں کتنی رقم ملنے کی امید ہے؟ بڈھے نے کہا کہ ایک ہزار دینار۔ معن بن زائدہ نے کہا کہ اگر امیر نے یہ کہہ دیا کہ اتنی رقم تو بہت زیادہ ہے تو تم کیا کہو گے؟ بڈھے نے کہا کہ پھر میں پانچ سو دینار پر راضی ہو جاؤں گا۔ معن نے کہا کہ اگر پانچ سو دینار کو بھی امیر نے بہت زیادہ کہہ کر نہ دیا تو پھر کیا ہوگا؟ بڈھا بولا کہ تو پھر میں تین سو دینار ہی پر قناعت کر لوں گا۔ معن نے کہا کہ اگر امیر نے اس رقم کو بھی زیادہ کہہ کر نامنظور کر دیا تو اس وقت تمہارا کیا رویہ ہو گا؟ بڈھا کہنے لگا کہ اجی پھر میں پچاس ہی دینار قبول کر لوں گا۔ معن نے کہا اگر امیر نے اتنی رقم دینے سے بھی انکار کر دیا تو پھر تم اس سے کیا کہو گے؟ بڈھے نے کہا کہ پھر میں تیس (30) دینار ہی مانگ لوں گا اور اس سے کم پر کسی طرح میں راضی نہیں ہوں گا۔ معن کہنے لگا کہ اور اگر امیر نے یہ کہہ دیا کہ تیس دینار بھی بہت زیادہ ہیں تو اس وقت تم کیا کرو گے؟ یہ سن کر بڈھا مارے غصہ کے جل بھن گیا اور بولا کہ پھر میں اپنے گدھے کا پاؤں معن بن زائدہ کی ماں کے پیٹ پر رکھ کر ناکام و نامراد اپنے گھر چلا آؤں گا اور کیا کروں گا؟ معن بن زائدہ بڈھے کی یہ جلی کٹی بات سن کر خوب خوب ہنسا اور اپنے تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر بہت جلد اپنے گورنمنٹ ہاؤس میں پہنچ گیا اور اپنے دربانوں کو حکم دے دیا کہ ایک بڈھا ککڑیاں لے کر گدھے پر سوار آئے گا اس کو فوراً ہی دربار میں باریاب کر دینا۔ چنانچہ جب بڈھا گورنر کے محل میں داخل ہوا اور دیکھا کہ گورنر پر شکوہ لباس فاخرہ پہنے ہوئے بڑے کروفر کے ساتھ اپنے تخت پر بیٹھا ہے اور خدم و حشم دست بستہ اردگرد کھڑے ہیں۔ بڈھے نے معن بن زائدہ کو بالکل نہیں پہنچانا۔ مودبانہ سلام کر کے ککڑیوں کا تحفہ پیش کر دیا اور کھڑا ہو گیا۔ معن بن زائدہ نے پوچھا

کہ کیوں عربی بھائی! کس لئے آئے ہو؟ بڈھے نے اپنی زمین کی خشک سالی اور قحط کا قصہ سنایا۔ معن نے دریافت کیا کہ تم ہمارے دربار سے کتنی رقم پانے کی امید لے کر آئے ہو؟

بڈھا:۔ "میں تو یہ امید لے کر آیا ہوں کہ امیر کے سخی دربار سے مجھے ایک ہزار دینار ملیں گے۔"

معن:۔ نہیں۔ نہیں! یہ رقم بہت زیادہ ہے۔ اتنی بڑی رقم تمہیں نہیں مل سکتی!"

بڈھا:۔ اچھا صاحب! تو پھر پانچ سو دینار ہی دلوا دیجئے!

معن:۔ "نہیں جی! یہ بھی بہت زیادہ ہے!"

بڈھا:۔ اچھا تو تین سو دینار ہی دلوا دیجئے!

معن:۔ "نہیں یہ رقم بھی بہت زیادہ ہے!"

بڈھا:۔ "تو ایک ہی سو دینار کے لئے حکم فرما دیجئے۔"

معن:۔ "یہ رقم بھی کثیر رقم ہے۔ تم کو اتنا بھی نہیں مل سکتا!"

بڈھا:۔ "اگر آپ سو دینار کو بہت بڑی رقم سمجھتے ہیں تو مجھے پچاس دینار ہی عنایت فرما دیجئے!"

بڈھا:۔ اچھا صاحب! تو پھر آپ مجھے تیس ہی دینار دے دیجئے مگر اب اس سے کم پر ہرگز ہرگز کبھی بھی راضی نہیں ہو سکتا! بڈھے کی آواز قدرے بلند ہو گئی۔ معن بن زائدہ بڈھے کے ان گرم گرم جملوں کو یاد کر کے ہنسنے لگا۔ جو اس نے غصہ میں بھر کر جنگل میں کہہ دیا تھا۔ معن کے ہنستے ہی بڈھے نے پہچان لیا کہ امیر وہی شخص ہے۔ جس سے جنگل میں بات چیت ہو چکی ہے۔ چنانچہ بڈھے نے کہا کہ امیر! آپ فوراً تیس دینار مجھے دلا دیجئے۔ ورنہ گدھا باہر بندھا ہے اور میں معن زائدہ کے محل میں کھڑا ہوں۔ یہ سنتے ہی معن بن زائدہ اپنی ہنسی نہ روک سکا اور ہنستے ہنستے تخت پر چت لیٹ گیا اور اپنے وکیل کو بلا کر حکم دیا کہ اس بڈھے کو پہلے ایک ہزار دینار عطا کرو۔ پھر اس کے بعد پانچ سو دو، پھر اس کے بعد تین سو دو، پھر ایک سو، پھر پچاس، پھر تیس دینار دے کر اس کو رخصت کرو۔ بڈھا انعام و اکرام سے مالا مال ہو کر دربار سے امیر کو سلام کر کے رخصت ہوا اور دعائیں دیتا ہوا گھر چلا گیا(1)۔

1۔ مستطرف ج2 ص237۔

ایک طفیلی کاذوق

ایک طفیلی جو بغیر بلائے ہوئے ہر دعوت میں شریک طعام ہو جایا کرتا تھا۔ لوگوں نے اس سے دریافت کیا کہ قرآن شریف کی کون سی سورہ تم کو زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا کہ "سورۂ مائدہ" (دستر خوان) پھر کہا گیا کہ کون سی آیت پسند ہے؟ تو اس نے کہا کہ ذَرْهُمْ يَاكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا (ان کو چھوڑ دو یہ کھائیں اور نفع اٹھائیں) لوگوں نے پوچھا کہ اچھا اس کے بعد کون سی آیت زیادہ پسند ہے؟ تو اس نے کہا کہ اٰتِنَا غَدَاءَنَا (لاؤ ہمارے پاس ہمارا دن کا کھانا) لوگوں نے کہا پھر اس کے بعد؟ تو کہنے لگا کہ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ (داخل ہو جاؤ اس گھر میں سلامتی اور بے خوفی کے ساتھ) لوگوں نے کہا کہ پھر اس کے بعد؟ تو بولا وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ (وہ لوگ اس گھر میں سے نکالے نہیں جائیں گے)(1)۔

جھوٹے مدعیان نبوت کے لطائف

1۔ سلفی نے "طیوریات" میں حفص مدائنی سے نقل کیا ہے کہ خلیفہ بغداد مامون رشید کے دربار میں ایک حبشی کو پکڑ کر لایا گیا۔ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا کہ میں موسیٰ بن عمران ہوں۔ خلیفہ نے اس سے کہا کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کا تو یہ معجزہ تھا کہ وہ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالتے تھے تو وہ ہاتھ روشن ہو کر چمکتا تھا۔ اگر تم موسیٰ بن عمران ہو تو مجھے یہ معجزہ دکھلاؤ؟ خلیفہ کا سوال سن کر حبشی نے کہا کہ اے امیر المومنین! حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضاء (روشن ہاتھ) کا یہ معجزہ اس لئے عطا کیا گیا تھا کہ ان کے زمانے کا بادشاہ فرعون اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کہہ کر خدائی کا دعویٰ کرتا تھا۔ آپ میرے زمانے کے بادشاہ ہیں۔ آپ بھی اگر فرعون کی طرح خدائی کا دعوی کریں تو میں بھی یہ معجزہ دکھادوں گا۔ جب تک آپ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى نہیں کہیں گے۔ میرا ہاتھ روشن ہو کر نہیں چمکے گا۔ حبشی کی یہ گفتگو سن کر خلیفہ اور حاضرین ہنس پڑے(2)۔

2۔ خلیفہ بغداد ہارون رشید کے زمانے میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ جب یہ گرفتار کر کے دربار شاہی میں لایا گیا۔ تو خلیفہ نے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں "نبی"

1۔ مستطرف ج ص247۔ 2۔ تاریخ الخلفاء ص226۔

ہوں۔ خلیفہ نے فرمایا کہ ہر نبی کوئی نہ کوئی معجزہ ضرور دکھلاتا ہے۔ تم اگر نبی ہو تو میرے ان بے داڑھی مونچھ کے نوجوان غلاموں کو فوراً داڑھی مونچھ والا بنادو۔ مدعی نبوت نے کہا کہ اے امیر المومنین! یہ میرے لئے حلال نہیں کہ بغیر داڑھی مونچھ کے ان خوبصورت چہروں پر داڑھی مونچھ اگا کر ان کو بدصورت بناڈالوں۔ ہاں یہ معجزہ ضرور دکھلا سکتا ہوں کہ اگر آپ کہیں تو میں ان داڑھی مونچھ والوں کو فوراً ہی بے داڑھی مونچھ والا بنادوں۔ مدعی نبوت کا جواب سن کر خلیفہ ہارون رشید ہنس پڑا اور حاضرین بھی خوب خوب ہنسے (1)۔

3۔ خلیفہ بغداد ماموں رشید کے دربار میں ایک مدعی نبوت پیش کیا گیا تو خلیفہ نے اس کو حکم دیا کہ اگر تم نبی ہو تو کوئی معجزہ دکھلاؤ؟ مدعی نبوت نے کہا کہ میرا یہ معجزہ ہے کہ کنکری کو میں پانی میں ڈال دوں تو وہ پگھل کر پانی بن جائے گی۔ چنانچہ اس نے اپنی جیب سے ایک کنکری نکالی اور پانی میں ڈالا تو وہ پگھل کر پانی ہو گئی۔ خلیفہ نے کہا کہ یہ تمہاری کیمیاگری ہے۔ میں تمہیں اپنے پاس سے ایک کنکری دیتا ہوں۔ اگر اس کو تم پانی میں ڈال کر پانی بنادو تو میں سمجھوں گا کہ یہ تمہارا معجزہ ہے۔ مدعی نبوت نے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ فرعون سے بڑے نہیں ہیں اور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر نہیں ہوں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو سانپ بنا کر اپنا معجزہ دکھلایا تو فرعون نے تو یہ نہیں کہا تھا کہ اے موسیٰ! تمہارا عصا سانپ بن گیا۔ یہ تمہاری حیلہ سازی ہے۔ میرے عصا کو سانپ بنا کر دکھلاؤ جب میں تمہارا معجزہ تسلیم کروں گا۔ مدعی نبوت کی اس بات کو سن کر خلیفہ اور حاضرین دربار کو ہنسی آ گئی۔

4۔ خلیفہ معتصم کے دربار میں بھی ایک جھوٹے نبی کو پیش کیا گیا۔ تو خلیفہ نے اس کے دعویٰ نبوت کو سن کر مارے غصہ کے تڑپ کر کہا کہ تم احمق اور بے وقوف ہو۔ خلیفہ کی ڈانٹ سن کر جھوٹے نبی نے یہ جواب دیا کہ اے امیر المومنین آپ خفا نہ ہوں "اِنَّمَا یبعث اِلٰی قَوْمٍ مِثْلِھِمْ" یعنی یہ تو مسلمہ نظریہ اور مشہور قول ہے کہ جیسی قوم ہوتی ہے ویسا ہی نبی اس قوم کی طرف بھیجا جاتا ہے چونکہ آپ اور آپ کی ساری قوم احمق اور بے وقوف ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مجھ احمق اور بے وقوف کو آپ لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیج دیا ہے۔ یہ سن کر معتصم باوجود غصہ ہونے کے بڑے زور سے ہنسا اور درباری لوگ بھی اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے!

1۔ مستطرف ج ص 243۔

5۔ خلیفہ مامون رشید کے دربار میں ایک نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو حاضر کیا گیا۔ خلیفہ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں ابراہیم خلیل اللہ ہوں۔ خلیفہ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا تو یہ معجزہ تھا کہ وہ آگ میں ڈالے گئے تو آگ ٹھنڈی ہو کر ان کے لئے سلامتی کا سامان بن گئی۔ ہم تم کو بھی آگ میں ڈلوائے دیتے ہیں۔ اگر تم آگ میں سے زندہ و سلامت نکل آئے تو میں تم پر ایمان لے آؤں گا۔ مدعی نبوت نے کہا کہ اتنا بڑا معجزہ تو نہیں مگر کوئی چھوٹا معجزہ طلب کیجئے تو میں دکھلا دوں گا۔ خلیفہ نے کہا کہ اچھا تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دکھلا دو کہ عصا سانپ بن جائے اور تمہارے عصا مار دینے سے دریا پھٹ جائے اور ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالنے سے ہاتھ روشن ہو کر چمکنے لگے۔ مدعی نبوت نے کہا کہ یہ معجزات تو اور بھی زیادہ بڑے اور مشکل ہیں۔ خلیفہ نے کہا کہ اچھا تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا کوئی معجزہ دکھلا دو؟ مدعی نبوت نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کون سا معجزہ دکھاؤں؟ خلیفہ نے کہا کہ مردہ زندہ کر دو۔ مدعی نبوت نے کہا کہ بہت اچھا یہ مجھے منظور ہے۔ آپ قاضی القضاۃ قاضی یحییٰ بن اکثم کو قتل کرا دیجئے۔ میں ان کو زندہ کر دوں گا۔ خلیفہ نے دربار میں قاضی یحییٰ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ کیوں قاضی صاحب! کیا آپ یہ معجزہ دیکھنے کے لئے تیار ہیں؟ قاضی یحییٰ نے برجستہ کہا کہ امیر المومنین! میں تو بلا معجزہ دیکھے ہوئے اس کی (جھوٹی) نبوت پر ایمان لا چکا ہوں۔ جس کو شک ہو وہ یہ معجزہ دیکھے۔ مجھے معجزہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر سب ہنس پڑے!

6۔ ایک نبوت کے مدعی کو مامون رشید کے دربار میں لایا گیا تو مامون نے پوچھا کہ تمہاری نبوت کی کون سی نشانی ہے؟ تو اس نے کہا کہ میری نبوت کی نشانی یہ ہے کہ اے امیر المومنین! میں آپ کے دل کی بات جانتا ہوں۔ مامون رشید نے ڈانٹ کر دریافت کیا کہ بتاؤ کون سی بات میرے دل میں ہے؟ تو مدعی نبوت نے کہا کہ آپ کے دل میں یہی ہے کہ میں جھوٹا ہوں۔ مامون رشید نے کہا کہ ٹھیک ہے واقعی تو میرے نزدیک جھوٹا ہی ہے۔ پھر مامون رشید نے اس کذاب کو جیل خانہ میں قید کر دیا اور چند دنوں کے بعد قید خانہ سے نکال کر اس سے پوچھا کہ قید کے درمیان تجھ پر کوئی وحی اتری ہے؟ اس نے کہا کہ جی نہیں۔ مامون رشید نے کہا کہ ایسا کیوں ہوا؟ تجھ پر وحی کا سلسلہ کیوں بند ہو گیا؟ اس نے کہا کہ اس لئے کہ فرشتے جیل خانہ میں نہیں داخل ہوا کرتے۔ یہ جواب سن کر مامون رشید اور اہل دربار ہنس پڑے۔

7۔ خلیفہ بغداد متوکل باللہ کے دربار میں ایک عورت گرفتار کر کے لائی گئی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ خلیفہ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نبی ہو؟ عورت نے کہا کہ جی ہاں! خلیفہ نے فرمایا کہ کیا حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر تیرا ایمان ہے؟ اس نے کہا کہ جی ہاں! میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت پر ایمان رکھتی ہوں۔ خلیفہ نے کہا کہ کیا تجھے یہ نہیں معلوم ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے کہ "لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ" یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ عورت نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ فرمایا کہ میرے بعد کوئی مرد نبی نہیں ہے۔ اس پر میرا ایمان ہے مگر کیا حضور اقدس ﷺ نے کہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ لَا نَبِيَّةَ بَعْدِيْ کہ میرے بعد کوئی عورت نبی نہیں ہوگی۔ یہ سن خلیفہ اور حاضرین کو ہنسی آگئی اور خلیفہ نے اس عورت کو دربار سے نکلوادیا(1)۔

چار حرف

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا صاحب بریلوی اقدس سرہ العزیز اپنے علمی و عملی کمالات اور شریعت و طریقت دونوں سمندروں کے مجمع البحرین و جامع الفریقین ہونے کے باوجود ہی شگفتہ مزاج و خوش طبع تھے۔ اپنی تحریروں اور مجلسی گفتگو میں کبھی کبھی مزاح لطیف خصوصاً ادبی لطائف بڑی ہی صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ بیان فرمادیا کرتے تھے۔

کسی آریہ نے اپنے مذہب کے متعلق ایک کتاب لکھی اور اس کا نام "آریہ دھرم پرچار" رکھا اور اس نے کتاب کا ایک نسخہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت ممدوح نے اس کتاب کا مطالعہ فرما کر جگہ جگہ حاشیہ پر اس کا رد تحریر فرمادیا اور ٹائیٹل پر کتاب کے نام کے آگے اتنی ہی جلی قلم اور سیاہ روشنائی سے "پرچار" کے بعد "حرف" بڑھادیا۔ تو کتاب کا نام اب یہ ہوگیا "آریہ دھرم پرچار حرف" چار حرف یعنی "لعنت" ل، ع، ن، ت۔

تاریخ گوئی کا لطیفہ

اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرۃ العزیز تمام علوم و فنون کے جامع تھے۔ شاید ہی علوم و فنون مدونہ میں سے کوئی علم و فن ایسا ہو جس میں آپ کو کمال مہارت حاصل نہ ہو اور جس میں آپ کی کوئی

1۔ مستطرف ج2 ص244۔

نہ کوئی تصنیف نہ ہو چنانچہ فن تاریخ گوئی میں بھی آپ کو ایسا کمال حاصل تھا کہ علماء سلف و خلف میں مشکل ہی سے اس کی مثال ملے گی۔

اس فن میں بھی کبھی کبھی آپ کی خوش طبعی اور مزاح لطیف کی جھلک نظر آتی ہے۔ چنانچہ ایک صاحب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ایک صاحب نے امام باڑہ بنایا ہے وہ چاہتے ہیں کہ کوئی تاریخی نام ہو تو دروازہ پر اس کا کتبہ لگا دیا جائے۔ حضرت ممدوح نے فوراً ہی ارشاد فرمایا۔ ان سے کہئے بدر رفض 1286ھ نام رکھیں۔ اس جواب کو سن کر انہوں نے کہا کہ امام باڑہ گزشتہ ہی سال تیار ہو چکا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ حضور کوئی دوسرا نام فرمائیں گے جس میں "رفض" کا لفظ نہ ہو۔ حضور نے فوراً ہی فرمایا تو "دار رفض 1285ھ" نام رکھیں یہ سن کر وہ بہت چپ ہوئے۔ پھر عرض کیا کہ اس کی بنیاد 1384ھ میں ڈالی گئی تھی۔ اس لئے اسی سنہ کا نام ہونا مناسب رہے گا۔ ارشاد فرمایا تو در رفض 1284ھ نام رکھیں۔

اپنی دفعہ مجبوری تھی

اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے پوتے حضرت مولانا ابراہیم رضا خان عرف جیلانی میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ختنہ کی تقریب بڑی دھوم دھام سے منائی گئی تھی۔ اعزہ و اقرباء اور شہر کے روساء و عام و خاص سب اس تقریب میں شریک تھے۔ جس مکان میں ختنہ ہونے والا تھا سب کو وہاں چلنے کے لئے کہا گیا۔ یہ سب لوگ روانہ ہوئے تو کسی نے حضور سے بھی تشریف لے چلنے کے لئے عرض کیا۔ اس وقت بڑی سادگی کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا کہ "میں تو اس موقع پر کبھی جاتا نہیں ہوں" اپنی دفعہ مجبوری تھی۔

تبصرہ:۔ ملاحظہ فرمائیے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں اور گفتگو کے مزاح لطیف میں کتنی شستہ اور مہذبانہ طرز ادا اور کتنی پاکیزگی ہے؟ پھر مزاح کے اندر بھی علمی و ادبی لطائف کی جھلک سونے پر سہاگہ کا کام کر رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کی ہستی علوم و معارف کا ایک ایسا سمندر ہے۔ جس کی وسعت اور گہرائیوں کا اندازہ لگانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو اور آپ کے کمالات کو خداوند قدوس کے فضل عظیم کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کیا خوب فرمایا کسی شاعر عرب نے کہا

وَلَیْسَ عَلَی اللّٰہِ بِمُسْتَنْکِرٍ   اَنْ یَجْمَعَ الْعَالَمَ فِی الْوَاحِدِ

یعنی خداوند تعالیٰ کی قدرت کے لئے یہ کوئی قابل انکار بات نہیں ہے کہ وہ ساری دنیا کے کمالات کسی ایک ہی آدمی میں جمع فرمادے۔ سبحان اللہ! سچ فرمایا حضرت شہیدی نے کہ ؎

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر　　تجھ سے کیا ضد تھی؟ اگر تو کسی قابل ہوتا

قاضی اور فریق

حکومت مصر کی کچہریوں میں دو الگ الگ عہدے ہیں۔ ایک قاضی کا عہدہ اور ایک فریق کا عہدہ۔ مصر نے ایک عالم حافظ عبدالعزیز بشری بڑے تفریح پسند اور حاضر جواب تھے۔ اتفاق سے حکومت نے ان کو قاضی بنادیا۔ شہر کے لوگ ان کو مبارکباد دینے کے لئے آئے۔ مبارک باد دینے والوں میں ان کے ایک دوست بھی تھے۔ جو فریق کے عہدے پر تھے اور یہ بھی بڑے ہی مزاح پسند تھے۔ آتے ہی بول پڑے کہ حافظ صاحب قاضی کا عہدہ مبارک ہو۔ لیکن یہ تو بتائیے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قاضی دو قسم کے ہوتے ہیں: قَاضٍ فِي الْجَنَّةِ وَقَاضٍ فِي النَّارِ ایک قاضی جو عادل ہو جنت میں جائے گا اور ایک قاضی جو ظالم ہو جہنم میں جائے گا۔ تو آپ کون سے قاضی ہیں؟ یہ سن کر حافظ عبدالعزیز بشری نے برجستہ جواب دیا کہ یہ حدیث تو مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے لیکن قرآن مجید کی یہ آیت مجھے خوب یاد ہے کہ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَ فَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ یعنی ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں ہوگا۔ تو آپ برائے مہربانی بتائیے کہ آپ کون سے فریق ہیں؟ یہ سن کر فریق صاحب ایسے ٹپٹائے کہ کوئی جواب نہیں بن پڑا اور ساری مجلس ہنستے ہنستے کشت زعفران بن گئی(1)۔

بندوق علی

حضرت مولانا سید محمد جلیل صاحب قبلہ چشتی امروہوی رحمۃ اللہ علیہ جو بلاشبہ دور حاضر میں علماء سلف کا نمونہ تھے۔ بہت ہی خوش مزاج و تفریح پسند عالم دین تھے اور مجھ فقیر سے بہت ہی مانوس اور بے تکلف تھے۔ اکثر لطائف و ظرائف سنادیا کرتے تھے۔ ایک مجلس میں قافیہ بندی کا ذکر چھڑ گیا تو ارشاد فرمایا کہ ہمارے یوپی کے ایک مولانا صاحب ریاست حیدر آباد کے کسی گاؤں میں وارد ہوئے تو دیکھا کہ ایک جگہ بہت سے لوگ فرش پر خاموش بیٹھے ہوئے ہیں اور شیرینی

1۔ رسالہ کل شیء والدنیا، مصر

کے طباق وسط میں رکھے ہوئے ہیں۔ مولانا صاحب بھی فرش پر بیٹھ گئے۔ بہت دیر منتظر رہے مگر سب لوگوں کو خاموش ہی پایا اور ان کو اجتماع کا مقصد نہیں معلوم ہوا۔ تو مجبور ہو کر خود مولانا ہی نے اس طلسم خاموشی کو توڑا اور فرمایا کہ حضرات! اللہ مجھے یہ بتائیے کہ آپ لوگ یہاں کیوں مجتمع ہو کر خاموش بیٹھے ہوئے ہیں؟ اور یہ شیرینی کیسی اور کیوں رکھی ہوئی ہے؟ یہ سن کر لوگوں نے کہا کہ غالباً آپ پردیسی معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جی ہاں۔ میں یوپی کا باشندہ ہوں۔ تو لوگوں نے بتایا کہ قبلہ! یہ رسم تسمیہ خوانی کی مجلس ہے۔ ایک بچے کا نام رکھنے کے لئے برادری کے لوگ جمع ہوئے ہیں۔ نام رکھ لینے کے بعد یہ شیرینی تقسیم ہوگی۔ مولانا نے فرمایا کہ ارے بھائی! تو پھر لوگ نام رکھتے کیوں نہیں گھنٹوں سے بیٹھے سوچ کیا رہے ہیں؟ چوہدری نے کہا کہ جناب من! اس بچے کا نام رکھنے میں بڑی دشواری نظر آرہی ہے۔ مولانا نے فرمایا دشواری کیسی؟ حاضرین نے کہا کہ صاحب یہاں کا رواج یہ ہے کہ بچے کا نام باپ اور دادا کے نام کے وزن پر رکھا جاتا ہے اور ایسا نام منتخب کیا جاتا ہے جو بالکل ہی نیا ہو۔ مولانا نے دریافت کیا کہ اس بچے کے باپ کا نام کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ "معشوق علی" مولانا نے کہا کہ پھر اس بچے کا نام "فاروق علی" رکھ دیجئے۔ وزن و قافیہ بالکل برابر ہے۔ لوگ ہنس کر بولے کہ جناب یہ تو بچے کے دادا کا نام ہے۔ کوئی اس کے ہم وزن دوسرا نام تجویز فرمائیے۔ اب مولانا کا بھی قافیہ تنگ ہو گیا۔ بار بار معشوق علی، فاروق علی کی تکرار ذہن میں کرتے اور ہم وزن سوچتے رہے مگر اس کے ہم وزن کوئی نام ذہن میں آتا ہی نہیں تھا۔ مولانا بھی تھوڑی دیر خاموش رہے پھر ارشاد فرمایا کہ حضرات! ایک نام میرے ذہن میں آیا ہے جو بالکل ہی باپ اور دادا کے نام کے وزن پر ہے اور نیا تو اتنا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں شاید ہی آج تک یہ نام کسی کا رکھا گیا ہو۔ لوگوں نے کمال اشتیاق سے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور سب یک زبان ہو کر بول اٹھے کہ ضرور ضرور ارشاد فرمائیے کہ وہ کون سا نام ہے؟ تو مولانا نے فرمایا کہ سنئے: باپ کا نام "معشوق علی" اور دادا کا نام "فاروق علی" ہے۔ اس لئے اس بچے کا نام "بندوق علی" رکھ دیا جائے۔ وزن بالکل برابر ہے اور نام بالکل ہی نیا ہے۔ یہ سن کر حاضرین بگڑ کر بولے کہ کیا آپ مذاق کر رہے ہیں؟ آپ کو شرم نہیں آتی کہ آپ مولانا ہو کر ایسی سنجیدہ مجلس میں یہ مسخراپن دکھا رہے ہیں۔ مولانا نے بھی بلند آواز سے فرمایا کہ لاں مذاق کرنے والے کی ایسی کی تیسی۔ اس میں تمسخر اور مذاق کی کیا بات ہے؟ کیا

"شمشیر علی" نام نہیں رکھا جاتا؟ کیا "تیغ علی" نام نہیں ہوتا؟ تو جب علی کی شمشیر اور علی کی تلوار و تیغ ہو سکتی ہے تو اگر علی کی بندوق ہو جائے تو اس میں کونسا کفر ہو جائے گا؟ جس طرح علی کی تلوار ہو سکتی ہے اسی طرح علی کی بندوق بھی ہو سکتی ہے۔ میں عالم و مفتی ہوں میں فتویٰ دیتا ہوں کہ بندوق علی نام رکھنے میں ہرگز ہرگز شرعانہ کوئی کفر و شرک ہے نہ کوئی بدعت، نہ یہ حرام ہے نہ مکروہ تحریمی نہ مکروہ تنزیہی۔ یقیناً یہ نام جائز و مباح ہے۔ بہر کیف مولانا نے اپنی عالمانہ تقریر کی ہیبت سے سب کو خاموش کر دیا اور سب لوگوں نے بالاتفاق بچے کا نام "بندوق علی" رکھ دیا اور مٹھائی تقسیم ہو گئی۔ پھر مولانا نے کہا کہ حضرات! ایک نام اس کے وزن پر اور بھی میرے خیال میں آ گیا ہے۔ اس کو آپ لوگ نوٹ کر لیں تا کہ آئندہ بھی اگر کبھی ایسا حادثہ پیش آئے تو یہ نام آپ کے کام آ جائے گا۔ مثل مشہور ہے کہ

داشتہ آید بکار   گرچہ باشد سرملد

لوگوں نے بڑے شوق سے پوچھا تو مولانا نے ارشاد فرمایا کہ "صندوق علی" رکھ لیجئے۔ وزن و قافیہ بالکل برابر ہے اور نام بھی نیا ہے۔ لوگوں نے خوش ہو کر مولانا کا شکریہ ادا کیا اور سب ان کی تلاش قافیہ اور ذہانت طبع کی داد دینے لگے۔

اصحاب فیل کا ثانی

امام منطق حضرت علامہ عبدالحق خیر آبادی بہت ہی زندہ دل خوش طبع اور نہایت ہی باغ و بہار طبیعت کے مالک تھے۔ جن دنوں آپ نواب کلب علی خان والی رام پور کے وظیفہ یاب اور مصاحبین خاص میں شامل تھے۔ نواب صاحب مرحوم نے انہیں دنوں میں حج و زیارت کا عزم فرما لیا اور انہوں نے اپنے مصاحبوں سے مشورہ کیا کہ میں اہل حرمین شریفین کے لئے ایسا کون سا تحفہ لے جاؤں۔ جو میرے سوا اور کوئی نہ لے گیا ہو۔ تو سب مصاحبین نے یہ کہا کہ حضور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہاتھی نہیں پایا جاتا۔ اسی لئے اہل حرمین شریفین کے لئے یہ بہت ہی نادر و نایاب تحفہ ہو گا کہ آپ اپنے فیل خانہ سے ایک نہایت عمدہ اور اچھا ہاتھی لے کر حرمین شریفین لے جائیں اور اہل حرمین کی خدمت میں اس کو بطور تحفہ پیش فرمائیں۔ نواب صاحب نے خوش ہو کر مصاحبین کا یہ مشورہ قبول فرما لیا اور ہاتھی کے لئے شاندار عماری وغیرہ بنوانے کا آرڈر بھی دے دیا گیا مگر اس مجلس میں علامہ عبدالحق خیر آبادی تشریف فرما نہیں تھے۔ جب علامہ ممدوح تشریف

لائے تو نواب صاحب مرحوم نے اپنی اسکیم اور مصاحبین کے مشورہ سے انہیں آگاہ فرمایا۔ حضرت علامہ نے بڑی سادگی کے ساتھ یہ فرمایا کہ ٹھیک ہی تو ہے۔ ابرہہ کے بعد آپ پہلے شخص ہیں جو ہاتھی لے کر مکہ شریف جائیں گے۔ اس لئے لوگ اس کے سوا اور کیا کہیں گے؟ کہ نواب رام پور اصحاب فیل کے ثانی ہیں۔ یہ سنتے ہیں پورا دربار قہقہوں سے گونج اٹھا اور نواب مرحوم بھی ہنسنے لگے اور ہاتھی لے کر مکہ مکرمہ جانے کی ساری اسکیم درہم برہم ہو گئی اور نواب صاحب نے فرمایا کہ واللہ! میں کبھی بھی اصحاب فیل کا ثانی بننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

خدا کے گھر سے چائے ختم

روسائے علی گڑھ میں الحاج نواب مزمل اللہ خاں صاحب مرحوم بڑے آن بان اور بڑی نرالی شان کے نواب تھے۔ فقیر راقم الحروف سے ان کا یہ خاص تعلق تھا کہ یہ میرے مرشد علیہ الرحمۃ کے پیر بھائی تھے اور حضرت مولانا شاہ عبدالغفور خان صاحب قبلہ نقشبندی مجددی شاہ جہانپوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ اس نسبت کی وجہ سے کئی بار میں ان کے دربار میں باریاب ہوا۔ نواب صاحب کے یہاں اکثر علماء و حفاظ وغیرہ دستر خوان پر موجود رہا کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے بتایا کہ نواب صاحب مرحوم کے یہاں کوئی مولانا صاحب رہا کرتے تھے۔ جو بہت ہی دلچسپ اور خوش دل و خوش مزاج تھے اور ان کے لطیف مزاح سے نواب صاحب مرحوم بھی بہت محظوظ ہوا کرتے تھے۔ یہ مولانا صاحب چائے کے بڑے ہی عاشق تھے اور چائے پیتے وقت مسرور ہو کر ہمیشہ ایسے ایسے لطائف و ظرائف سنایا کرتے تھے کہ نواب صاحب اور مصاحبین ہنستے لوٹ پوٹ ہو جایا کرتے تھے۔ جب نواب صاحب مرحوم حج سے واپس تشریف لائے تو مکہ مکرمہ سے شیشے کے فنجانوں کا ایک سیٹ بھی اپنے ساتھ لائے تھے اور مزمل منزل میں پہلی مرتبہ ان فنجانوں میں چائے کا دور چلا تو مولانا صاحب روٹھ کر دور جا بیٹھے اور جب نواب صاحب نے بلایا کہ مولانا! چائے حاضر ہے تو مولانا صاحب نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا کہ سرکار میں اس چائے سے باز آیا بلکہ تائب ہوتا ہوں۔ نواب صاحب نے حیرت سے فرمایا کہ ارے ارے! یہ کیوں؟ آپ تو اپنے آپ کو چائے کا عاشق زار فرمایا کرتے تھے۔ آج آپ اپنی محبوبہ سے اس قدر بیزار کیوں ہو رہے ہیں؟ لوگوں نے بھی پوچھا کہ مولانا خیر تو ہے؟ واقعی آج آپ چائے سے کیوں اعراض فرما رہے ہیں؟ کوئی خاص بات نہیں؟ [illegible]

بھی نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ جب چائے شروع شروع میں چلی تھی تو مٹی کی بڑی بڑی رکابیوں میں خوب زیادہ ملا کرتی تھی۔ پھر خدا غارت کرے جاپان کو اس نے چائے کے لئے چینی کے چھوٹے چھوٹے کپ بنا دیئے تو پھر ان پیالوں میں تھوڑی تھوڑی ملنے لگی پھر سنگل کپ بن گئے تو اور بھی قلیل مقدار میں ملنے گی اور آج میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ شیشے کی ان چکڑیوں میں زیادہ سے زیادہ تو نو ماشہ یا ایک ایک تولہ مل رہی ہے۔ تو میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ چائے جب سے شروع ہوئی برابر اس کی مقدار گھٹتی ہی چلی جا رہی ہے۔ اس لئے مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ آئندہ چند دنوں میں گھٹتے گھٹتے اور کم ہوتے ہوتے وہ دن آ جائیں گے کہ چائے عطر کی روئی کی پھریریوں میں تقسیم ہوا کرے گی اور پھر کچھ ان دنوں میں بالکل ہی ختم ہو جائے گی اور مجبوراً ہم لوگوں کو اس سے توبہ کرلینی ہی پڑے گی۔ تو پھر میں نے آج ہی توبہ کا عزم کر لیا ہے۔ یہ سن کر اہل محفل ہنس پڑے مگر نواب صاحب نے فرمایا کہ جناب! فنجانوں میں چائے پینا بیت اللہ شریف والوں کا طریقہ ہے اس لئے اس سے آپ انکار نہیں کر سکتے۔ یہ سن کر مولانا نے فرمایا اخاہ! جب تو میں سمجھتا ہوں کہ خدا کے گھر ہی سے چائے ختم ہو رہی ہے۔ مولانا کا یہ فقرہ سن کر نواب صاحب کو بھی ہنسی آ گئی اور پھر مولانا نے فنجان اٹھا کر چائے پینی شروع کر دی۔

باکرامت استاد

علی گڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر دینیات حضرت علامہ سید سلیمان اشرف صاحب بہاری رحمۃ اللہ علیہ بہت جید عالم دین تھے۔ بہت ہی وجیہہ، خوش رو اور خوبصورت اور نہایت ہی خوش خوراک و خوش پوشاک بزرگ تھے۔ چونکہ میرے استاد حضرت صدر الشریعہ مولانا الحکیم امجد علی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ مصنف "بہار شریعت" کے یہ ہم سبق اور استاد بھی ہے اور ایک مرتبہ میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے ہمراہ یونیورسٹی میں حضرت ممدوح سے شرف نیاز حاصل کر چکا تھا۔ اس لئے پھر کئی بار تنہا بھی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوتا رہا اور بحمدہ تعالیٰ مجھ پر شفقت بھی فرماتے رہے۔

موصوف اپنی علمی وجاہت کے کے باوجود بہت ہی خوش اخلاق و خوش طبع بزرگ تھے لیکن نہایت ہی شاندار اور نازک مزاج بھی تھے۔ ایک مرتبہ آپ اپنے استاذ العلماء مولانا ہدایت اللہ خان صاحب جونپوری قدس سرہ العزیز کے علمی کمالات اور تفہیم درسیات میں ان کی مہارت

کاملہ کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں فرما رہے تھے۔ اس وقت آپ کی مجلس میں رؤساء و نوابان علی گڑھ بھی شریک محفل تھے۔ ابھی حضرت ممدوح اپنے استاد کے ذکر جمیل سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ایک دم نواب سر مزمل اللہ خاں صاحب والی بھیکم پور نے اپنے استاذ مولانا لطف اللہ خان صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کا تذکرہ شروع کر دیا۔ حضرت ممدوح کو ان کا یہ دخل در معقولات پسند نہیں آیا۔ جب طبع نازک پر گرانی حد سے متجاوز کر گئی تو حضرت ممدوح نے بطور طنز لطیف فرمایا کہ "جناب میں تو آپ کے استاد کو باکرامت سمجھتا ہوں۔" نواب سر مزمل اللہ خاں صاحب نے بڑے جھٹکے سے یہ پوچھا کہ حضرت یہ کیسے؟ حضرت ممدوح نے برجستہ فرمایا کہ "اسی لئے کہ انہوں نے آپ جیسوں کو پڑھا دیا" حضرت ممدوح کا یہ جملہ سن کر تمام حاضرین کے ہونٹوں پر ایک ہلکے تبسم کی لہر دوڑ گئی اور نواب سر مزمل اللہ خاں صاحب مرحوم بالکل خاموش ہو گئے (1)۔

مردہ گائے کو حلال کرنے والا

مولانا حکیم غلام ربانی خاں صاحب بن افسر الاطباء مولانا حکیم عبد القادر صاحب شاہجہانپوری بہت ہی شاندار رئیس اور حاذق طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی بذلہ سنج اور خوش طبع بزرگ تھے چونکہ وہ میرے مرشد علیہ الرحمہ کے حلقے میں حاضر ہوا کرتے تھے اور ان کے فرزند ارجمند مولوی حکیم ڈاکٹر عبد القوی خان صاحب پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی کو میں نے پڑھایا تھا۔ اس لئے ان سے میری بہت بے تکلفانہ گفتگو ہوا کرتی تھی اور حضرت موصوف مجھ پر خاص طور پر کرم فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں شاہ جہانپور محلہ دفاء زئی میں آپ کے مطب کے اندر حاضر ہوا کئی ایک رؤسا شہر بھی موجود تھے اور ایک پیر زادے صاحب بھی شریک مجلس تھے۔ جو بہت ہی لطیفہ گو اور قہقہہ باز تھے۔ انہوں نے ایک دم ایک مولوی صاحب کا قصہ سنایا اور خوب خوب ہنسے ہنسائے چونکہ میں مجلس میں حاضر تھا تو وہ قصہ کچھ میرے اوپر فٹ ہونے لگا۔ میں تو خرد ہونے کی وجہ سے خاموش رہا لیکن میری طرف سے بطور جواب دہی حکیم صاحب قبلہ مرحوم نے فوراً یہ قصہ سنایا کہ صاحب! ایک پیر صاحب تھے جن کے کشف و کرامات کا بڑا چرچا تھا۔ لوگ دور دور سے ان کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے مگر وہ پیر صاحب تھے بالکل جاہل مطلق۔ ایک دن شہرت سن کر ایک مولانا صاحب بھی ان کی خانقاہ میں حاضر ہوئے۔ جیسے ہی

1۔ مسموع۔

مولانا موصوف آکر بیٹھے پیر صاحب کا ایک نوکر بھاگتا ہوا آیا اور کہا کہ میاں! گائے تو مر گئی۔ میاں صاحب نے فرمایا۔ اب تو مر گئی خیر اچھا جاؤ۔ تم لوگ اس کی کھال اتارو۔ میں ابھی اس کو حلال کر دوں گا اور گوشت قصائی کو دے دوں گا۔ یہ سن کر مولانا صاحب ایک دم چونکے اور بول اٹھے اور حضرت مری ہوئی گائے کو آپ کیسے حلال کر دیں گے؟ پیر صاحب نے چمک کر فرمایا کہ اجی جناب! یہی سب تو وہ خاص خاص دعائیں اور وظائف ہماری خانقاہ میں ایسے ایسے ہیں۔ جس سے ہماری خانقاہ دور دور تک مشہور ہے مری ہوئی گائے تو کیا؟ ہم تو مرا ہوا ہاتھی بھی حلال کر سکتے ہیں۔ مولانا صاحب نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور کرامت مآب! للہ! ذرا یہ دعائیں ہمیں بھی تو سنا دیجئے؟ پیر صاحب نے فرمایا خیر تم بہت بڑے مولانا ہو تو سن لو۔ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً ؕ پڑھ کر تو ہم مری ہوئی گائے کو حلال کر دیتے ہیں اور اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۞ پڑھ کر ہم مرا ہوا ہاتھی حلال کر سکتے ہیں۔ یہ سن کر مولانا صاحب ایک دم مجلس سے کود کر بے تحاشا بھاگے لوگوں نے کہا کہ ہاں۔ ہاں یہ کیا؟ ارے مولانا بھاگتے کیوں ہو؟ مولانا نے فرمایا کہ بھائی! مجھے یہ خطرہ درپیش ہو گیا ہے کہ کہیں پیر صاحب خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ # پڑھ کر مجھے بھی نہ حلال کر ڈالیں۔

حکیم صاحب مرحوم کی زبان سے یہ قصہ سن کر ایک دم سب لوگ ہنستے ہنستے بے خود ہو گئے اور پیر زادہ صاحب بے حد خفیف ہوئے۔

الف لام چمک دمک

جن اکابر علماء اہلسنت و مشائخ کرام سے راقم الحروف نے شرف زیارت حاصل کیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ خوش ذوق و خوش مزاج خندہ رو اور لطائف علمیہ اور مزاح لطیف کا ماہر میں نے حضرت اقدس محدث اعظم مولانا سید محمد صاحب قبلہ اشرفی جیلانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کو پایا۔ حضرت موصوف الصدر اپنی خاندانی عظمت شکل و صورت کی وجاہت اور علمی جلالت کے باوجود بڑے ہی خوش طبع، حاضر جواب اور تفریح پسند بزرگ تھے۔ بات بات میں علمی نکات پیدا کر کے مجلس میں ارباب ذوق کی تفریح خاطر کا سامان پیدا فرما دیتا۔ یہ حضرت اقدس کا وہ انمول علمی کارنامہ ہے کہ جس کو میں اپنی تمام عمر فراموش نہیں کر سکتا۔

عبدالحفیظ صاحب قبلہ حقانی علیہ الرحمہ کے ساتھ یہ راقم الحروف بھی حاضر تھا۔ ایک دم داعی جلسہ جناب حکیم خورشید الحسن صاحب کے بارے میں ایک صاحب سے میں نے یہ دریافت کیا کہ "حکیم خورشید الحسن" کہاں ہیں؟ تو حضرت اقدس نے مجھے فوراً ٹوکا کہ مولانا کا صحیح نام لیا جائے ان کا نام خورشید حسن نہیں ہے خورشید الحسن ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور خورشید کے بعد حسن پر الف لام کیسا ہے؟ تو برجستہ فرمایا کہ چونکہ یہ الف لام خورشید کے بعد ہے لہٰذا یہ الف لام چمک دمک کا ہے۔ پھر ہنستے ہوئے میں نے یہ عرض کیا کہ حضور خورشید فارسی کا لفظ ہے "الحسن" کے ساتھ اس کی اضافت کس طرح ہو سکے گی؟ تو ارشاد فرمایا کہ "خورشید الحسن" کی ترکیب ایسی ہی ہے جیسے "گنج العرش" کی ترکیب۔ اگر گنج کی اضافت العرش کی طرف ہوئی ہے تو پھر خورشید کی اضافت "الحسن" کی طرف کرنے میں آپ کو کون سی قیامت نظر آرہی ہے؟ حضرت اقدس کی اس بے ساختہ حاضر جوابی اور علمی لطیفہ سنجی سے حضرت مفتی آگرہ اور فقیر راقم الحروف کو ہنسی آئی۔ پھر ہم دونوں کمرے سے باہر نکلے تو میں نے کہا "واللہ"! قدرت نے حضرت اقدس کو ایسا لاجواب دماغ عطا فرمایا ہے کہ علماء میں ان کی مثال نہیں مل سکتی تو حضرت مفتی آگرہ نے فرمایا کہ میاں! کیا کہنا ان کا؟ بادشاہ ہیں! بادشاہ۔

بدھو کا ترجمہ

مدرسہ انوار العلوم جین پور ضلع اعظم گڑھ میں میرے ہم سبق اور ساتھی مولانا صوفی محمد خلیل صاحب کچھوچھوی علیہ الرحمہ صدر المدرسین تھے۔ انہوں نے اپنے مدرسہ کے اجلاس میں دستار بندی میں حضرت محدث اعظم ہند صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اور مجھ راقم الحروف کو مدعو کیا۔ سندوں پر میں نے اپنے قلم سے فارغ التحصیل طلبہ کا نام وغیرہ لکھا۔ ایک طالب علم غالباً ان کا نام مولوی عبید الرحمٰن تھا اور ان کے والد کا نام "بدھو" تھا۔ میں نے سند پر یہی نام لکھ دیا۔ جب یہ سندیں ملاحظہ اقدس میں دستخط کے لئے پیش ہوئیں تو حضرت نے سب طلبہ وعلماء کو جمع فرمایا اور پھر مجھ خادم کو بلا کر فرمایا کہ آپ کو یہ سمجھ کر سند لکھنے کے لئے دی گئی تھی کہ آپ قدرے خوشخط بھی ہیں اور نوجوان علماء میں نہایت قابل بھی مگر آپ نے سند لکھنے میں ایک بہت بڑی غلطی کر دی۔ میں بھلا کس طرح اس کی تصدیق کر سکتا ہوں؟ علماء اور طلباء کے مجمع میں حضرت کا یہ فرمان سن کر میں سناٹے میں آگیا اور میں نے سند کو بغور دیکھ کر عرض کیا کہ حضور

والا اس میں کوئی غلطی نہیں ہے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ یہ سند عربی زبان میں لکھا مگر "بدھو" کا آپ نے عربی میں ترجمہ ہی نہیں لکھا۔ آپ کو یوں لکھنا چاہئے تھا کہ "المولوی عبیدالرحمٰن بن یوم الاربعاء" تو سند بالکل صحیح ہوتی۔ یہ فرمایا اور سند پر دستخط فرمادیئے اور ہم سب حاضرین اس لطیفہ کو سن کر اس قدر ہنسے کہ کسی طرح ہنسی تھمتی ہی نہیں تھی۔ جاہلوں کی سمجھ میں یہ مزاح بالکل ہی نہیں آیا اور وہ ہمارا منہ دیکھتے رہے تو حضرت قدس نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ عربی میں بدھ کے دن کو "یوم الاربعاء" کہتے ہیں۔ جب بدھو میاں حج کو جائیں گے تو عرب کے لوگ ان کو عربی میں "حاجی یوم الاربعاء" کہہ کر پکاریں گے۔ یہ سن کر جاہل لوگ ہنسنے لگے!

خزانچی بدھو

اسی مدرسہ انوار العلوم جین پور میں ایک مرتبہ محدث اعظم صاحب قبلہ نوراللہ مرقدہٗ اس وقت تشریف لے گئے جب وہاں کچھ اختلاف ہو گیا تھا۔ فقیر راقم الحروف بھی حضرت اقدس کے ہم سفر تھا۔ کچھ لوگوں نے خزانچی وغیرہ پر غبن کا الزام لگایا تھا حضرت اقدس نے حساب کی جانچ پڑتال کا حکم فرمایا چنانچہ سیکرٹری اور خزانچی وغیرہ نے جو حساب پیش کیا تو غبن سے ان لوگوں کا دامن پاک نکلا اور الزام لگانے والوں کا جھوٹ اور افتراء بالکل ظاہر ہو گیا اور مجھے ان لوگوں پر بڑا غصہ آیا۔ خزانچی صاحب کا نام "بدھو" تھا۔ حضرت اقدس نے مجھے مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ مولانا! یہ الزام لگانے والے لوگ بڑے چالاک ہیں۔ یہ لوگ خزانچی کو "بدھو" سمجھ کر خزانچی کا عہدہ اس سے چھین کر اپنے قبضہ میں لینا چاہتے ہیں حالانکہ یہ مدرسہ غبن سے اب تک اسی لئے بچا رہا کہ اس کا خزانچی "بدھو" تھا اگر چالاک خزانچی ہوتا تو اب تک سارا خزانہ اندرون خانہ ہو چکا ہوتا۔ حضرت اقدس کا یہ جملہ سن کر مجھے ہنسی آگئی اور میرا سارا غصہ رفوچکر ہو گیا۔

احیاء موتی کی ضرورت تھی

ایک مرتبہ گورکھپور کے اجلاس میں فقیر راقم الحروف حضرت اقدس کے ساتھ شریک اجلاس تھا۔ سردیوں کا موسم تھا اور صبح 5 بجے کی گاڑی سے ہم سب کو بہرائچ کے اجلاس میں جانا تھا۔ حضرت محدث اعظم صاحب قبلہ تو اسی لئے جلسہ کے بعد بالکل سوئے ہی نہیں لیکن میں اور حضرت کا خادم دونوں سو گئے۔ میں حضرت اقدس ہی کے کمرے میں تھا۔ حضرت اقدس نے بلند

آواز سے مجھے پکارا کہ مولانا! میں فوراً اٹھ بیٹھا۔ ارشاد فرمایا کہ ہمارے خادم کو جلد بیدار کیجئے۔ روانگی کا وقت قریب ہے۔ حضرت کا خادم اور وہ صاحب جن کے ذمے تانگہ لانا تھا دونوں ایک کمرے میں سو رہے تھے۔ میں نے کئی مرتبہ زور زور سے پکارا مگر کوئی اٹھتا ہی نہیں تھا۔ میں نے عرض کیا کہ حضور والا یہ دونوں بہت ہی غافل ہو کر سو رہے ہیں۔ اٹھتے ہی نہیں۔ یہ سن کر حضرت اقدس بہت تیزی کے ساتھ خود اٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں کے سرہانے کھڑے ہو کر نہایت ہی بلند آواز اور اپنے مخصوص لہجے میں فرمایا کہ "قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ" حضرت اقدس کی پر جلال آواز سن کر یہ دونوں جھٹ سے بیدار ہو کر ایک دم اٹھ کھڑے ہو گئے۔ ایک صاحب تانگہ لینے کے لئے دوڑ پڑے اور خادم نے مجھے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو جگا رہے تھے حالانکہ "اَحْیَاءِ مَوْتٰی" (مردہ زندہ کرنے) کی ضرورت تھی۔ مجھے اکثر سفر میں یہ کارنامہ انجام دینا پڑتا ہے۔

تبصرہ:۔ ملاحظہ فرمائیے کہ ان تفریحات میں برجستگی اور بے ساختی کے ساتھ ساتھ کتنی لطافت اور پاکیزگی ہے؟ نہ ان پر مزاح فقروں میں کوئی تکلف ہے نہ تصنع نہ کسی کی دل آزاری ہے نہ کوئی ریاکاری۔ اس قسم کے سینکڑوں لطائف و ظرافت ہیں۔ جو حضرت اقدس علیہ الرحمۃ ارشاد فرمایا کرتے تھے جن کو سن کر سامعین دیوار قہقہہ بن جایا کرتے تھے مگر حضرت قبلہ کے لبوں پر ایک خفیف موج تبسم کے سوا قہقہوں کا طوفان کبھی نہیں آتا تھا۔

افسوس صد ہزار افسوس! کہ آج ملک کی دنیا ان باکمالوں کے وجود سے خالی ہو گئی اور ہمیں ایسا دور دیکھنا پڑا کہ آج کل کے علماء میں نہ خوش خلقی ہے نہ خوش طبعی، نہ زندہ دلی ہے، نہ خوش مزاجی۔ ہر طرف مصنوعی تقدس، بناوٹی بزرگی، پرفریب زہد و تقویٰ کے جعلی سکوں کی گرم بازاری نظر آ رہی ہے۔ جن کو دیکھ کر بے اختیار کسی مسخرے شاعر کا یہ شعر زبان پر رواں ہو جاتا ہے: ؎

خلاف شرع مرا شیخ تھوکتا بھی نہیں
مگر اندھیرے اجالے میں چوکتا بھی نہیں

حاکم پرگنہ یا حاکم پُر گنہ

میرے استاد معظم و آقائے نعمت حضرت اقدس صدر الشریعۃ مولانا الحکیم محمد امجد علی

صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہٗ (مصنف بہار شریعت) بہت ہی پر جلال اور باوقار صاحب علم و عمل عالم دین تھے اور اپنی علمی و عملی اداؤں کے لحاظ سے بلاشبہ علماء متقدمین و سلف صالحین کے جانشین تھے مگر اپنے اس عالمانہ وقار اور فقیہانہ عظمت واقتدار کے باوجود کبھی کبھی تفریحی جملے بھی ارشاد فرمادیا کرتے تھے جو بہت ہی بے ساختہ اور فرحت خیز و مسرت انگیز ہوا کرتے تھے۔

مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ کے قیام کے دوران مدرس دوم جناب مولوی محمد امین الدین صاحب مرحوم نے ایک مدرسہ کے سابق معائنوں کو حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کیا۔ ان معائنوں میں ایک معائنہ کسی حاکم پرگنہ صاحب کا بھی تھا۔ جنہوں نے اپنے معائنہ میں سارا زور اس بات پر صرف کیا تھا کہ مدرسہ سعیدیہ میں کم از کم انٹرس تک انگریزی کی بھی ضرور تعلیم ہونی چاہئے۔ خالی عربی کی تعلیم دے کر نرے ملا بنانے سے کیا فائدہ ہوگا وغیرہ وغیرہ اس قسم کے بہت سے خرافات ان کے معائنہ میں درج تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس معائنہ کو ملاحظہ فرما کر مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ صاحب "حاکمِ پرگنہ تھے یا حاکمِ پُر گنہ" حضرت علیہ الرحمۃ کا یہ فقرہ سن کر سب لوگ ہنس پڑے۔

حاضر جواب بدوی

کسی خلیفۃ المسلمین کے شاہی دستر خوان پر ایک اعرابی کھانے کے لئے بیٹھ گیا۔ ایک بھنا ہوا بکری کا بچہ جب دستر خوان پر لایا گیا تو اعرابی جو خوب بھوکا تھا۔ بڑی تیزی کے ساتھ جلدی جلدی اور بڑا بڑا لقمہ کھانے لگا۔ اس کے کھانے کا ڈھنگ دیکھ کر خلیفۃ المسلمین نے مزاح کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اس بکری کے بچے کو اس طرح کھا رہے ہو گویا اس کی ماں نے تمہیں سینگ مارا ہو۔ اعرابی نے کھاتے کھاتے جواب دیا کہ امیر المومنین! اور آپ تو اس پر اس طرح شفقت فرما رہے ہیں کہ گویا اس کی ماں نے آپ کو دودھ پلایا ہو۔ (1)

میں ہڈی کس کو دوں گا؟

ایک بخیل نے گوشت بھری ہڈی خریدی اور اس کو پکا کر کھانے لگا اور اس کے تینوں لڑکے سامنے بیٹھے دیکھتے رہے مگر بخیل نے کسی کو ذرا سا بھی گوشت نہیں دیا۔ جب صرف چکنی اور

1۔ ثمرات اوراق ج2 ص 251۔

صاف ہڈی رہ گئی تو بخیل اپنے لڑکوں سے کہنے لگا کہ یہ ہڈی میں اس کو دوں گا جو اس کو سب سے زیادہ اچھی طرح کھانے کا طریقہ مجھے بتائے گا۔ یہ سن کر بڑا لڑکا بولا کہ ابا جان! میں اس کو اس طرح چاٹ چاٹ کر اور چوس چوس کر چھوڑوں گا کہ کسی چیونٹی کو بھی طمع باقی نہ رہے گی۔ منجھلے لڑکے نے کہا ابا جان! میں تو اس کو چاٹ چاٹ کر اس قدر شفاف بنا دوں گا کہ دیکھنے والا اس کو سال دو سال کی پرانی ہڈی سمجھے گا۔ آخر میں سب سے چھوٹا لڑکا بولا کہ ابا جان! یہ دونوں نالائق ہیں انہیں کھانے کا ڈھنگ ہی نہیں۔ میں پہلے تو اسے خوب چاٹ چاٹ کر اور چوس چوس کر صاف کروں گا۔ پھر اس کا کوٹ چھان کر سفوف بنا کر پانی کے ساتھ حلق سے اتار لوں گا۔ یہ سن کر بخیل مارے خوشی کے اچھل پڑا اور کہا کہ شاباش! واقعی تو اس قابل ہے کہ میں یہ ہڈی تجھے عطا کروں۔ تو میرا سچا جانشین ہے۔ اللہ تعالیٰ تیری معرفت اور دانائی میں خوف خوب ترقی عطا فرمائے یہ کہہ کر ہڈی اس لڑکے کو دے دی۔ (1)

ایک دلچسپ مقدمہ

ایک عورت نے اپنے شوہر کے خلاف قاضی کی کچہری میں یہ مقدمہ پیش کیا کہ میرا شوہر ہر رات بستر پر پیشاب کر دیتا ہے۔ اس لئے مجھے اس سے طلاق دلا دی جائے۔ قاضی صاحب نے شوہر سے بیان دینے کی فرمائش کی۔ تو اس نے کہا کہ عزت مآب کیا کروں؟ میں ہر رات یہی خواب دیکھتا ہوں کہ میں سمندر کے ایک جزیرہ میں ہوں اور اس میں ایک بہت ہی اونچا محل بنا ہوا ہے اور محل کے اوپر ایک گنبد بنا ہوا ہے اور اس گنبد پر ایک اونٹ ہے اور میں اس اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھا ہوا ہوں اور ایک دم وہ اونٹ سمندر کا پانی پینے کے لئے اپنا سر جھکانے لگتا ہے۔ یہ دیکھ کر مجھ پر ایسا خوف طاری ہو جاتا ہے کہ مارے ڈر کے میرا پیشاب خطا ہو جاتا ہے۔ شوہر کا بیان سن کر قاضی صاحب نے عورت سے فرمایا کہ اے اللہ کی بندی! تو اپنے شوہر کو معذور سمجھ کر معاف کر دے اور صبر کر۔ جب اس کی بات سن کر میرا پیشاب خطا ہو گیا تو یہ منظر دیکھ کر اس کا پیشاب کیونکر رک سکتا ہے؟۔

1۔ ثمرات الاوراق ج248۔

سب لوگ سمجھ گئے

ایک مولانا صاحب تھے جو وعظ بیان فرمایا کرتے تھے اور ان کا تکیہ کلام تھا "کہ سب لوگ سمجھ گئے۔" ایک دن وعظ کے لئے ان کا دل نہیں چاہتا تھا مگر اچانک مصلّیوں نے عصر کی نماز کے بعد مسجد میں اعلان کر دیا کہ سب لوگ ٹھہر جائیں مولانا کا وعظ ہوگا۔ مولانا صاحب پر یہ الزام بڑا گراں گزرا مگر چونکہ اعلان ہو چکا تھا اس لئے بادل نخواستہ وعظ کے لئے منبر پر کھڑے ہو گئے اور خطبہ کے بعد اپنے تکیہ کلام کے مطابق فرمایا کہ کیوں؟ سب لوگ سمجھ گئے تو حاضرین نے بلند آواز سے کہا کہ جی ہاں! ہم لوگ سمجھ گئے۔ تو مولانا نے فرمایا کہ سبحان اللہ جب تم لوگ اتنے سمجھ دار ہو کہ بغیر میرے فرمائے ہوئے سب کچھ سمجھ گئے تو پھر تم لوگوں کو سمجھانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ اور منبر سے اتر کر چل دیئے۔ مقتدیوں نے کہا کہ افسوس! ہم لوگوں سے بہت بڑی غلطی ہو گئی کہ ہم نے مولانا کے جواب میں یہ کہہ دیا کہ جی ہاں! سمجھ گئے۔ اچھا اب مغرب کے بعد واعظ کا اعلان کر دو اور جب مولانا صاحب فرمائیں کہ سب لوگ سمجھ گئے؟ تو سب چلا کر کہیں کہ نہیں۔ ہم لوگ کچھ نہیں سمجھے۔ بالکل نہیں سمجھے۔ پھر تو مولانا وعظ بیان فرمائیں گے۔ چنانچہ لوگوں نے بعد مغرب اعلان کر دیا کہ مولانا صاحب وعظ بیان فرمائیں گے لہٰذا تمام صاحبان ٹھہر جائیں۔ مولانا صاحب کا دل تو چاہتا نہیں تھا کہ وعظ فرمائیں۔ لیکن اعلان سے مجبور ہو کر منبر پر کھڑے ہو گئے اور خطبہ پڑھ کر حسب عادت فرمایا کہ کیوں؟ سب لوگ سمجھ گئے۔ تو سب سامعین چلا چلا کر کہنے لگے کہ جی نہیں۔ ہم لوگوں نے کچھ بھی نہیں سمجھا۔ بالکل نہیں سمجھا۔ یہ سن کر مولانا صاحب نے فرمایا کہ استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ! جب تم لوگ اتنے ناسمجھ ہو کر کچھ سمجھتے ہی نہیں تو پھر تم لوگوں کو سمجھانا بالکل فضول ہے۔ یہ کہا اور منبر سے اتر گئے اور چلے گئے سامعین کو بڑا افسوس ہوا کہ ناحق ہم لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ ہم لوگوں نے کچھ نہیں سمجھا۔ پھر سب نے یہ طے کیا کہ اچھا عشاء کے وقت وعظ کا اعلان کر دیا جائے اور جب مولانا صاحب دریافت کریں کہ کیوں؟ سب لوگ سمجھ گئے تو منبر کے دائیں طرف والے یہ کہیں کہ جی ہاں! ہم کچھ لوگ سمجھ گئے اور منبر کے بائیں طرف والے یہ کہیں کہ ہم لوگوں نے کچھ بھی نہیں سمجھا۔ جب تو ضرور ہی مولانا صاحب واعظ فرمائیں گے۔ چنانچہ عشاء کے بعد لوگوں نے وعظ کا اعلان کر دیا اور مولانا صاحب منبر پر تشریف لے گئے اور

جیسے ہی خطبہ کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ کیوں؟ سب لوگ سمجھ گئے تو آدھے آدمیوں نے کہا جی نہیں۔ ہم لوگوں نے کچھ بھی نہیں سمجھا۔ یہ آوازیں سن کر مولانا صاحب نے فرمایا کہ ماشاء اللہ! کچھ لوگ سمجھ دار ہیں جو سمجھ گئے اور کچھ لوگ نا سمجھ ہیں جو بالکل نہیں سمجھے۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ جو لوگ سمجھ گئے ہیں وہ ان نا سمجھوں کو سمجھا دیں۔ میرے سمجھانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وبارك وسلم یہ فرمایا اور منبر سے اتر پڑے۔

کھانے میں سنت وفرض

ایک مولانا صاحب دعوت کھانے کے لئے تشریف لے گئے۔ لوگوں نے اصرار کر کے انہیں بہت زیادہ کھلا دیا۔ یہاں تک کہ اب ان کے شکم میں ایک ماشہ غذا کی بھی جگہ باقی نہیں رہی تو کسی نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے برتنوں کو تو صاف ہی نہیں کیا حالانکہ برتنوں کو صاف کرنا سنت ہے۔ مولانا صاحب نے فرمایا ٹھیک ہے برتن صاف کرنا سنت ہے مگر جان بچانا فرض ہے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ میں سنت ادا کروں یا فرض پر عمل کروں؟ یہ سن کر سب لوگ ہنس پڑے۔

مختصر نویس

مصر کے ایک عالم صاحب کو یہ خبط تھا کہ وہ ہمیشہ بہت ہی مختصر خط لکھا کرتے تھے اور اپنی مختصر نویسی پر انہیں بڑا ناز تھا۔ چنانچہ انہوں نے کسی مولانا صاحب کے نام اتنا مختصر خط لکھا کہ:

"نَحْنُ بِخَیْرٍ فَکَیْفَ اَنْتُمْ وَالسَّلَامُ."

یعنی ہم لوگ بخیریت ہیں۔ آپ لوگوں کا کیا حال ہے؟ والسلام۔

جواب میں مولانا صاحب نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ ہم آپ سے بھی زیادہ مختصر نویس ہیں۔ یہ خط لکھا کہ نَحْنُ لَكَ وَالسَّلَامُ یعنی ہم تمہارے ہی جیسے ہیں، والسلام!

صاحبانِ ذوق و محبت اور اربابِ فکر و نظر

مژدۂ جانفزا

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر

حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کے

بہار آفریں قلم سے نکلا ہوا لازوال شاہکار

درد و سوز اور تحقیق و آگہی سے معمور تصنیف

ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مکمل سیٹ سات جلدیں

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور، کراچی۔ پاکستان

خوشخبری

مشہور و معروف محدث و مفسر حافظ عماد الدین ابوالفداء ابن کثیرؒ کا عظیم شاہکار

تفسیر ابن کثیر

جس کا جدید اور مکمل اردو ترجمہ ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف نے
اپنے نامور فضلاء علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری،
علامہ محمد الطاف حسین الازہری سے اپنی نگرانی میں کروایا ہے۔

ان شاء اللہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور ـ کراچی ○ پاکستان

جلد اس علمی کارنامے کو منصۂ شہود پر لانے کا شرف حاصل کرے گا۔

قرآن کتاب ہدایت ہے۔
مکمل ضابطۂ حیات ہے۔

قرآن ہماری دنیوی اور اخروی کامیابی کا ضامن ہے۔

قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

پیر محمد کرم شاہ صاحب ازہری کی معرکہ آرا تفسیر

خوبصورت ترجمہ بہترین تفسیر

ضیاء القرآن

فہم قرآن کا بہترین ذریعہ ہے

ترجمہ: جس کے ہر لفظ سے اعجازِ قرآن کا حسن نظر آتا ہے

تفسیر: اہل دل کے لیے درد و سوز کا ارمغان

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
گنج بخش روڈ
لاہور

اہلِ علم کیلئے ضیاء القرآن پبلی کیشنز (وقف) کی ایک اور عظیم علمی پیشکش

قرآن حکیم ہی نظریاتی خلفشار کے موجودہ تاریک دور میں بنی نوع انسان کو ایک باوقار مستقبل کی راہ دکھاتا ہے

قرآنی علوم کا بیش بہا خزینہ

تفسیر الحسنات

مؤلفہ

مفسرِ قرآن علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کلام مجید کو سمجھنے میں تفسیر الحسنات آپ کی صحیح راہنمائی کرے گی

یہ تفسیر ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے

ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور

خوشخبری

مشہور و معروف محدث و مفسر حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا عظیم شاہکار

تفسیر مظہری

جس کا جدید اور مکمل اردو ترجمہ ادارۂ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف نے اپنے نامور فضلاء
الاستاذ مولانا ملک محمد بوستان صاحب، جناب الاستاذ سید محمد اقبال شاہ صاحب،
اور الاستاذ محمد انور مگھالوی صاحب سے اپنی نگرانی میں کروایا ہے۔

ان شاء اللہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور ۔ کراچی ○ پاکستان

جلد اس علمی کارنامے کو منصہ شہود پر لانے کا شرف حاصل کرے گا۔

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے تفاسیری کارنامے

تفسیر خزائن العرفان
صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر نور العرفان
حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ

ضیاء القرآن ۵ جلد
مفسر ضیاء الامت حضرت پیر
محمد کرم شاہ الازہری نور اللہ مرقدہٗ

تفسیر الحسنات ۷ جلد
ابو الحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر مظہری جلد ۱
عارف باللہ حضرت قاضی ثناء اللہ
پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیراتِ احمدیہ
مُلا جیون رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر ابن کثیر ۴ جلد
علامہ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر علیہ الرحمۃ

تفسیر دُرِّ منثور
علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر احکام القرآن
مولانا جلال الدین قادری

یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
مفتی سعادت علی قادری

تفسیر سورۃ النساء
پروفیسر منیب الرحمٰن